تعلیمات قرآنی

(جس کو)

الحاج القاری کرنل مرزا بسم اللہ بیگ صاحب مدظلہ نے اپنے بچوں کی تعلیم کے لیئے

(تالیف کیا)

(شائع کردہ)

"قرآن" ہاؤس سوسائٹی حیدرآباد دکن

مطبوعہ

[illegible]

[illegible]

ہدیہ ([illegible])

تمہید

جب میں نے اپنے بچوں کو تعلیمات قرآنی سے روشناس کرانا چاہا تو قدیم نوٹس کو جو بیس پچیس سال سے پڑے تھے جن میں سے اکثر طالب علمی کے زمانے کے تھے جمع کرنا شروع کیا۔ یہ نوٹس مولانا مناظر احسن صاحب۔ مولانا مودودی صاحب، مولانا ابو الکلام آزاد صاحب، مولوی محمد حسین صاحب کے دروس کا نتیجہ تھے۔ میں نے اُن نوٹس سے بچوں کی تعلیم ختم کی۔ اُس کے بعد بعض دوستوں کے تقاضے سے قرآنی اِمتحانات کے طلباء کی مدد کے لئے شائع کردینا مناسب سمجھا تاکہ اگر دوسرے بھی اُن سے فائدہ اُٹھانا چاہیں تو مجھے کوئی عذر نہ ہوگا۔ اُن کی حیثیت اب بھی نوٹس ہی کی ہے بعض جگہ تو عبارتی تسلسل بھی نہیں ہے تاہم سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ اور پڑھانے والے کی مدد بخوبی ہو جاتی ہے۔ جو نقشے اور شجرے دیئے گئے ہیں اُن کو بغور دیکھنا اور ہر وقت جہاں سمجھ میں نہ آئے اُن سے مدد لینا مُفید ہوگا۔ مختلف تمدنوں کے مقامات وقوع۔ جنگوں کے مقامات پیغمبروں کے شجرے۔ یہ سب بورڈ پر کھینچ کر بتلانے کی چیزیں ہیں جب تک جغرافیائی نقشے اچھی طرح ذہن نشین نہ ہوں تاریخی واقعات یاد نہیں رہتے۔ مختلف پیغمبروں کا باہمی تعلق اور اُن کے سنہ وغیرہ میں نے بڑی محنت سے جمع کئے ورنہ ایک جگہ کہیں نہیں ملتے میں ان نوٹس سے زیادہ مطمئن نہیں ہوں۔ اگر وقت ملا تو انشاءاللہ شرح و بسط کے ساتھ دوسرے ایڈیشن میں موجودہ کمی کی تکمیل کردوں گا۔ فقط

مرزا بسم اللہ بیگ

تعلیمات قرآنی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تعلیمات قرآنی
حصہ اوّل

رَبِّ یَسِّرْ وَلَا تُعَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَیْرِ

فضائل القرآن

پہلے ہم سن لیجیے کہ غیر کیا کہتے ہیں۔ عیسائی مورخ موسیو سیلر یو لکھتا ہے "قرآن مجید ایک قابل عزت کتاب ہے محمد رسول اللہؐ نے اس کے ذریعہ سے قبائل عرب میں محبت و اخوت کی بنیاد ڈالی۔ وہ آداب و اصول سکھلائے جن کی بنیاد فلسفہ و حکمت۔ عدل و انصاف پر ہے۔ قرآن شریف اعتدال و میانہ روی کا سیدھا راستہ ہے۔ گمراہی سے بچاتا ہے اور انسان کو اخلاقی کمزوری کے اندھیرے سے نکال کر اخلاق کی روشنی میں لاتا ہے۔ انسانی زندگی کے نقائص کو کمالات سے بدل دیتا ہے"۔

حضور اکرمؐ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں اعلان فرمایا تھا کہ مسلمان جب تک اللہ کی کتاب پر عمل کریں گے گمراہ نہ ہونگے۔ قرآن مجید چونکہ خدا کی کتاب ہے زندگی کی کامیابی بھی اُسی میں ہے اور آخرت کی کامیابی بھی اوسی میں ہے یہ ہر مرض کا علاج ہے۔ قرآن مجید خدا کے حکموں کا اصلی خزانہ ہے۔ خدا کا آخری ہدایت نامہ ہے قرآن مجید ایک کھلی روشنی ہے یَا اَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَا اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا۔ اگر اس کا مطالعہ کیا جائے تو انسان حق و باطل۔ نفع و نقصان۔ دوست و دشمن مفید اور غیر مفید کو سمجھنے اور پرکھنے۔ برائی سے بچنے اور بھلائی سے فائدہ اٹھانے کے قابل بن جاتا ہے یہ بڑی برکت والی کتاب ہے كِتَابٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن برکت کا سرچشمہ ہے۔ جب قرآن پڑھا جائے تو اُس کو کان لگا کر سنو اور خاموش ہو جاؤ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اس سے ثابت ہے کہ قرآن رحم کا سرچشمہ ہے۔ مکہ معظمہ میں جب قرآن مجید پڑھا جاتا تو کافر پروپگنڈہ کرتے کہ قرآن مت سنو بلکہ درمیان میں غل مچاؤ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ تاکہ شاید اس طرح تم غالب آجاؤ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن غلبہ اسلام کا سرچشمہ ہے۔ قرآن مجید میں خدائی طاقت موجود ہے۔ اس کا سمجھنے والا

بزدل نہیں رہ سکتا۔ روپے پیسے۔ مال و دولت کا غلام نہیں رہ سکتا۔ اوس کے پڑھنے والے کا دل توحید پر قائم ہو جاتا ہے۔ اُس کا قلب دلیر ہو جاتا ہے۔ اُس کے اخلاق بلند ہو جاتے ہیں۔ اُس کی روحانی طاقت مضبوط ہو جاتی ہے۔ اُس میں باہمی اتفاق و اتحاد اور باہمی ہمدردی پیدا ہو جاتی ہے۔

آپ قرآنی طاقت کو ایک مثال سے سمجھئے۔ قومی طاقت کی کئی قسمیں ہیں ایک تو جسمانی طاقت ہے۔ جو قوم مضبوط و دلیر ہو گی وہ کم زور تر پر غالب آجائے گی۔ جسمانی طاقت سے بڑی مال کی طاقت ہے۔ جس قوم کے پاس دولت ہو گی وہ ہزاروں طاقتیں خرید سکتی ہے۔ فوجیں بھرتی کر سکتی ہے۔ توپیں اور ہوائی جہاز خرید سکتی ہے۔ غرض جب دولت کا غریبی سے مقابلہ ہو گا دولت بازی لیجائے گی۔ لیکن دولت سے بڑی طاقت علم کی ہے جس سے ایسے ایسے کام ہو جاتے ہیں جو جسمانی طاقت سے ممکن نہیں۔ بہرحال یہ عرصۂ دنیا ان تینوں طاقتوں کی جلوہ گاہ ہے۔ جسمانی طاقت۔ مالی طاقت۔ علمی طاقت۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر ایک اور طاقت پیدا کر رکھی ہے جو اس قدر عظیم الشان ہے کہ یہ سب طاقتیں اس کے سامنے گرد ہیں۔ یہ طاقت ایمانی ہے۔ جب ایمان کا علم سے مقابلہ ہو جائے گا۔ علم مغلوب ہو جائے گا۔ اور ایمان بازی جیت جائے گا۔ یہ صرف قرآن کا معجزہ ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے اور اُس پر عمل کیا جائے تو وہ قوم کے اندر صحیح ایمان پیدا کر دیتا ہے اور اللہ کا قانون یہی ہے کہ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ۔ تم سب سے بلند اور افضل ہو جاؤ گے اگر تم اپنے اندر ایمان پیدا کر لو۔

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ۔ اس آیت میں قرآن پاک کے چار اوصاف ذکر کیے گئے ہیں۔ اول یہ کہ قرآن وعظ و نصیحت ہے۔ دوم یہ کہ قرآن شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ہے یعنی جتنی بھی برائیاں حسد اور کھوٹ انسان کے سینے میں بھرے ہوں قرآن مجید اُن کی دوا ہے۔ سوم یہ کہ قرآن مجید ھدیٰ ہے۔ چہارم یہ کہ قرآن مجید رحمت ہے یعنی قرآن مجید کے ذریعہ سے انسان کو وہ نتائج اور انعام مل سکتے ہیں جن میں دنیا اور آخرت کی عزت و ترقی۔ اور آرام و آسایش کا نچوڑ ہے۔ اب قرآن پاک کے اُن چار محاسن کو پھر سُن لیجیئے۔ قرآن مجید آپ کو نیکی کی کاشت کے لیے نرم و ہموار کرے گا۔ کیونکہ وہ موعظت ہے۔ قرآن مجید آپ کی تمام کمزوریوں کو دور کرے گا کیونکہ وہ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ہے۔ قرآن مجید راہ حق پر چلنے کی طاقت دے گا۔ کیونکہ وہ ھدیٰ ہے۔ قرآن مجید دنیا و آخرت کے انعامات سے مالامال کر دے گا کیونکہ وہ رحمت ہے۔

آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ جو شخص قرآن پڑھے پھر یہ جانے کہ کسی کو مجھ سے زیادہ ملا ہو گا تو وہ

اُس چیز کو چھوٹا جانے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے بڑا کیا ہے اور فرمایا کہ قیامت کے روز خدا کے روبرو کوئی شفیع قرآن سے بڑھ کر مرتبہ میں نہیں ۔ نہ کوئی نبی ہے نہ کوئی فرشتہ نہ کوئی دوسرا شخص اور فرمایا کہ دِل لوہے کی طرح زنگ کھا جاتا ہے کسی نے عرض کیا کہ اُس کی جلا دکے لیے کیا چیز ہے تو فرمایا قرآن کی تلاوت اور موت کا یاد کرنا ۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا ہے کہ جب تم علم کا ارادہ کرو تو قرآن مجید کو تحصیل کرو کہ اس میں اگلوں اور پچھلوں کا علم ہے اور یہ بھی انھیں کا ارشاد ہے کہ قرآن شریف کو پڑھو کہ تم کو اُس کے ہر حرف پر دس نیکیوں کا ثواب ملے گا اور میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے ۔ یہ بھی اُن کا قول ہے کہ جب کوئی تم میں سے اپنی نفس سے درخواست کرے تو قرآن ہی کی کرے ۔ اس لیے کہ اگر قرآن سے محبت رکھتا ہوگا اور قرآن اُس کو اچھا معلوم ہوتا ہوگا تو وہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولؐ سے محبت رکھتا ہوگا ۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس گھر میں قرآن پڑھا جاتا ہے وہ گھر اپنے رہنے والوں پر وسیع ہو جاتا ہے ۔ اور اس کی خیر بہت ہو جاتی ہے ۔ فرشتے اُس میں آتے ہیں شیطان اس سے نکل جاتے ہیں اور جس گھر میں قرآن شریف نہیں پڑھا جاتا وہ گھر والوں پر تنگ ہو جاتا ہے ۔ اس کی خیر کم ہو جاتی ہے ۔ فرشتے اس میں سے چلے جاتے ہیں ۔ اور شیطان آموجود ہوتے ہیں ۔

امام احمد ابن حنبل فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا ۔ عرض کیا کہ الٰہی جن چیزوں سے تقرب کے طالب تیرا قرب حاصل کرتے ہیں اُن میں افضل کونسی چیز ہے فرمایا ۔ اے احمد سب سے افضل میرے کلام سے تقرب چاہنا ہے ۔ میں نے عرض کیا سمجھنے کے ساتھ یا بدوں سمجھے ۔ حکم ہوا کہ دونوں طرح سے ۔

سُفیان ثوری فرماتے ہیں کہ جب آدمی قرآن پڑھتا ہے تو فرشتہ اس کے دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیتا ہے ۔

حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ میرے بعد میری اُمت میں اختلاف و پھوٹ ہو جائے گی ۔ تو حضرت حذیفہ جو حاضر خدمت تھے انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر میں اُس وقت کو پاؤں تو آپ مجھ کو کیا حکم فرماتے ہیں آپؐ نے فرمایا کہ کلام اللہ کو سیکھنا اور جو کچھ اس میں ہے اس پر عمل کرنا کہ نجات اسی میں ہے ۔ میں نے تین بار یہی سوال کیا اور آپ نے تین بار یہی جواب دیا ۔ کہ کتاب اللہ کو سیکھنا اور جو کچھ اس میں ہے اس پر عمل کرنا کہ نجات اُسی میں ہے ۔

حضرت علیؓ سے جو حدیث منقول ہے اُس میں ارشاد ہے کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھ کو

نبی برحق کرکے بھیجا ہے کہ میری امت اپنے اصل دین وجماعت کو چھوڑ کر بہتّر فرقے ہوجائے گی۔ یہ کل فرقے گمراہ اور بہکانے والے ہوں گے اور دوزخ کی طرف بلائیں گے جب یہ صورت پیش ہو تو تم اپنے اوپر قرآن کو لازم پکڑنا اُس میں جو کچھ تم سے پہلے ہوگیا ہے اور اُس کا حال بھی ہے اور جو کچھ تم سے بعد ہوگا اُس کا حال بھی ہے اور جو معاملات عالم میں ہیں اُن کا حکم بھی اس میں موجود ہے۔ جو شخص (جابروں میں سے) قرآن کے خلاف کرے گا اُس کو اللہ تعالیٰ توڑ دے گا۔ اور جو شخص قرآن کے سوا کسی اور چیز میں علم کا طالب ہوگا اس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرے گا۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی حبل متین ہے۔ اُس کا نورمبین ہے۔ شفائے مفید ہے۔ جس نے اس کو پکڑلیا وہ محفوظ رہا۔ اور جو اس کا تابع ہوا اُس کو نجات ملی۔ اُس میں کجی نہیں جس کو درستگی کی ضرورت ہو۔ وہ کسی جانب جھکا ہوا نہیں جس کو سیدھا کرنا پڑے۔ اُس کے عجائب کبھی منقطع نہیں ہوتے۔ نہ وہ پڑھنے سے پرانا ہوتا ہے۔" ثابت بنانی نے فرمایا کہ پہلے بیس برس تو میں نے قرآن مجید میں مشقت ہی اُٹھائی مگر اب بیس سال سے حلاوت پاتا ہوں۔

قرآن مجید کیونکر سیکھا جائے

کسی غیر زبان کو سیکھنا یا پڑھنا مقصود ہو تو اُس کو اہل زبان کے لب ولہجہ میں پڑھنا اُس زبان کی خوبی سمجھی جاتی ہے۔ فارسی زبان کو ایرانی لب ولہجہ میں ادا کرنا فارسی کی خوبی ہے تو عرب کی طرح پڑھنا اور بولنا عربی زبان کی خوبی ہے۔ چونکہ دوسری زبان کی بہ نسبت عربی زبان میں حروف حلقی اور دیگر مشتبہ الصوت حروف زیادہ ہیں اس لیے اُس کی ادائی دوسری زبانوں کی بہ نسبت زیادہ مشکل ہے۔ نیز قرآن مجید چونکہ عربی زبان میں نازل ہوا ہے لہٰذا اُس کو صحیح طور پر پڑھنے کے لیئے صرف ایک عرب ہی کے لب ولہجہ کی جاننے کی ضرورت کافی نہیں ہے بلکہ اُس کو اُس طرح پڑھنے کی ضرورت ہے جس طرح حضور اکرمؐ نے پڑھا۔ یا پڑھتے سُن کر جائز رکھا۔ قاری جب کہ غیر عرب ہو یا عربی زبان سے ناواقف تو اُس کی سہولت کے لیے حروف پر حرکات وسکون ومد لگادئے گئے ہیں۔ مگر اُن کے علاوہ اور بھی چند مقررہ قواعد ہیں جن کی پابندی ہر قاری پر لازمی ہے۔ ان ضروری قواعد کو جاننے کو تجوید کہتے ہیں۔ جس کے لغوی معنی بنانے سنوارنے یا خوب صورت بنانے کے ہیں اور اصطلاح میں قرآن مجید کے حروف والفاظ کو اُن کے صحیح مخارج سے بہ رعائت صفات خوبی کے ساتھ ادا کرنے کا نام تجوید ہے۔

قرآن مجید کو اس صحت بتجوید کے ساتھ پڑھنا فرض عین ہے۔ اس علم کا سیکھنا فرض کفایہ۔ بغیر تجوید کے تلاوت کرنا گناہ ہے۔ لہٰذا ہر مکلف کا فرض ہے کہ پہلے کسی مستند اوستاد سے اس کو سیکھے

پھر تلاوت کرے ورنہ بے شمار غلطیاں ہونے کا اندیشہ ہے۔

جس طرح عربی زبان مکمل ہے اسی طرح فن تجوید بھی مکمل ہے۔ اگر اصول جاننے کی کوشش کی جائے تو صحیح پڑھنا بہت جلد آجاتا ہے۔ ایک سمجھدار آدمی چند ہی روز میں اصول تجوید سے واقف ہوسکتا ہے جس سے اُس کی آسانی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

چونکہ قرآن مجید کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے اس لیے ہر زمانے میں بے شمار بندگانِ مخلص کو اِس خدمت کے لیے آمادہ کردیا۔ جنھوں نے اپنی زندگیاں اُس کے سیکھنے اور سکھلانے میں صرف کردیں اُن بزرگوں نے حصول فن قرارت اور اُس کے ضبط وحفظ میں بے انتہا جدوجہد کی۔ اسلامی ممالک کے بعید ترین حصص میں طلبار نے سفر کیا پڑھا۔ اور پھر سیکھ کر اوسی طرح پڑھایا جس طرح سیکھا تھا۔ ابتداء میں تو صحابہ کرام ہی کی ایک جماعت ایسی تھی جس نے حضور اکرمؐ سے راست بلاواسطہ قرآن مجید پڑھا تھا۔ تمام جماعت روزانہ حضور صلعم کی زبان سے قرآن مجید سنتی تھی اور ہر حرکت واسکان حذف واثبات وغیرہ کو حضور اکرمؐ ہی سے ضبط کیا تھا اور جس طرح خود سیکھا تھا اُسی اہتمام سے تابعین کو سکھلادیا۔ انھوں نے تبع تابعین کو اور انھوں نے بعد والوں کو غرض اس سے ظاہر ہوگیا ہوگا کہ فن تجوید کا مدار نقل پر ہے۔ ایک جماعت دوسری جماعت کو قرناً بعد قرنٍ نقل کرتی چلی آتی ہے۔ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ اور زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو حکم دیا ہے کہ قرآن مجید اوسی طرح پڑھو جس طرح تم کو سکھلایا گیا ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز اور حضرت عامر کہتے ہیں کہ تجوید سنت متبعہ ہے پچھلا پہلے سے اخذ کرتا چلا آتا ہے پس تم کو جس طرح پڑھایا جائے اُسی طرح پڑھو۔ علی بن عثمان الشاطبی کہتے ہیں کہ قرارت میں قیاس کو دخل نہیں۔ ناقلین سے جو کچھ پہونچا ہے اُسی کو اختیار کرو۔ لہذا تجوید سے قرآن مجید پڑھنا جیسا تم کو سکھلایا گیا ہے لازم کرلو۔ کیونکہ وہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے تجوید کے ساتھ نازل ہوا ہے اور اسی طرح ہم تک پہونچا ہے۔ اور اس میں کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوا۔ اگر کوئی تجوید کے ساتھ نہ پڑھے گا تو گنہ گار رہوگا۔ چنانچہ حضور اکرمؐ نے اس خصوص میں اس طرح ارشاد فرمایا ہے کہ رُبَّ تَالِیَ الْقُرْاٰنَ وَالْقُرْاٰنَ یَلْعَنُہٗ جس کے معنی یہی لیے گئے کہ جو شخص اصول تجوید کے خلاف پڑھتا ہے اُس پر قرآن پاک لعنت کرتا ہے۔

قرآن مجید کو تجوید وخوش الحانی سے پڑھنا زینت وآراستگی ہے۔ البتہ اس میں افراط وتفریط نہ کرنا چاہیے۔ بلکہ ہر حرف کو اُس کے مخرج سے مع اس کے صفات کے ادا کرنا چاہئے۔ قرارت کے وقت تکلف وبناوٹ معلوم نہ ہو۔ حروف بغیر منھ بنائے عمدگی سے ادا ہوں تاکہ سننے والے کو اچھا معلوم ہو اور

دیکھنے والے کو پڑھنے والے پر ہنسی کا موقع نہ ملے۔ اس قدر تکلف کرنا کہ دیکھنے والے کو ناگوار ہو آداب قرآن کے خلاف ہے۔

علامہ جزری کے اشعار معہ ترجمہ تائید میں پیش ہیں:

وَالْاَخْذُ بِالتَّجْوِيْدِ حَتْمٌ لَازِمٌ + مَنْ لَّمْ يُجَوِّدِ الْقُرْاٰنَ اٰثِمٌ

تجوید کا اختیار کرنا واجب ولازم ہے — جو قرآن مجید کو تجوید سے نہ پڑھے گنہ گار ہے

لِاَنَّهٗ بِهِ الْاِلٰهُ اَنْزَلَا + وَهٰكَذَا مِنْهُ اِلَيْنَا وَصَلَا

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو تجوید کے ساتھ اُتارا — وَرَتِّلْنَاهُ تَرْتِيْلًا اور ہم تک اسی طرح پہونچا ہے

وَهُوَ اَيْضًا حِلْيَةُ التِّلَاوَةِ + وَزِيْنَةُ الْاَدَاءِ وَالْقِرَاءَةِ

تجوید تلاوت کا زیور اور زینت بھی ہے — اور آرائش ادا و قرارت بھی ہے

وَهُوَ اِعْطَاءُ الْحُرُوْفِ حَقَّهَا + مِنْ صِفَةٍ لَّهَا وَمُسْتَحَقَّهَا

اور وہ حرفوں کو اُن کا حق ادا کرنا — اور ان کے صفات کا دینا جس کے وہ مستحق ہیں

وَرَدُّ كُلِّ وَاحِدٍ لِاَصْلِهٖ + وَاللَّفْظُ فِيْ نَظِيْرِهٖ كَمِثْلِهٖ

اور ہر حرف کو اُس کے اصل مخرج عرب کی طرف پھیرنا ہے — اور جیسا کہ ابتداءً ادا کیا ویسا ہی دوبارہ جب حرف آئے تو اسکو بھی اسی طرح ادا کرے

مُكَمَّلًا مِنْ غَيْرِ مَا تَكَلُّفِ + بِاللُّطْفِ فِي النُّطْقِ بِلَا تَعَسُّفِ

کامل حق دینا کہ تکلف یا تکلیف نہ ہو — لطف کے ساتھ بے راہ نہ جاتے ہوئے الفاظ نکالنا

وَلَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ تَرْكِهٖ + اِلَّا رِيَاضَةُ امْرِئٍ بِفَكِّهٖ

تجوید کو پورا کرنے اور چھوڑنے کے درمیان جو فرق ہے وہ مرد کی محنت و ریاضت ہی کا ہے جان پر محنت اٹھانے سے تجوید حاصل ہوتی ہے۔

تجوید کی خدمت بزرگان سلف نے کی

حضرت عبد اللہ بن مسعود سے منقول ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ خَيْرُكُمْ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَاَقْرَأَهٗ تم میں سے بہترین اشخاص وہ ہیں جو قرآن پڑھتے ہیں اور پڑھاتے ہیں۔ چنانچہ رئیس القراء عبد الرحمٰن سلمٰی کوفی اس حدیث کو روایت کر کے فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس حدیث نے یہاں بٹھایا ہے حضرت کا اشارہ اس طرف تھا کہ آپ خود باوجود کثیر العلم و جلیل القدر تابعی ہونے کے جب کہ لوگ آپ کے علم کے محتاج تھے آپ چالیس سال سے زیادہ عرصے تک جامع کوفہ میں قرآن مجید پڑھاتے رہے اُن کے شاگرد امام عاصم تھے جنھوں نے ١٢٧ھ میں انتقال فرمایا۔

حضرت ابو بکر شعبہ حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ آپ قرارت میں امام عاصم کے پہلے شاگرد ہیں۔

۹۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۳ھ میں انتقال فرمایا امام احمد ابن حنبل فرماتے ہیں کہ آپ ثقہ۔ صدوق۔ صالح۔ صاحب قرآن وسنت تھے کبھی منکر کام نہیں کیا تیس سال سے زیادہ عرصے تک روزانہ ایک قرآن پاک ختم کرتے تھے ستر سال عبادت میں مصروف رہے اور چالیس سال آپ کے لیے بستر نہیں بچھایا گیا۔ ۲۴ ہزار مرتبہ قرآن مجید ختم کیا۔

سیدنا خلف ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ دس برس کی عمر میں قرآن حفظ کیا اور تیرھویں سال سماعت حدیث شروع کی۔ ثقہ۔ عابد۔ زاہد جلیل القدر امام تھے فرماتے ہیں کہ مجھے عربیت میں ایک مشکل پیش آئی اوس کے لیے اسی ہزار درہم خرچ کیے اور اس کو حاصل کر کے چھوڑا۔ آپ امام حمزہ کوفی کے پہلے شاگرد ہیں۔ ۲۲۹ھ میں انتقال فرمایا۔

شیخ القراء امام نافع مدنی کی زندگی کے بعض واقعات قابل ذکر ہیں۔ آپ اصلاً اصفہانی تھے۔ بہت زیادہ سیاہ فام ۷۰ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ ستر تابعین سے قرآن مجید پڑھا۔ اور پھر مسجد نبوی میں درس قرأت جاری رکھا۔ ستر برس سے زیادہ عرصے تک یہ خدمت انجام دی۔ جب پڑھاتے تھے تو منہ سے مشک کی خوشبو آتی تھی کسی نے پوچھا کہ کیا آپ خوشبو لگاتے ہیں فرمایا نہیں میں نے آنحضرت صلعم کو خواب میں دیکھا کہ حضور اکرمؐ میرے منہ میں قرآن مجید پڑھ رہے ہیں۔ اُس روز سے یہ خوشبو آتی ہے۔ سو سال کے قریب عمر پاکر ۱۶۹ھ میں بہ مقام مدینہ منورہ وفات پائی اور جنت بقیع میں امام مالک کی قبر کے پاس مدفون ہیں۔

سیدنا ورش ۱۱۰ھ میں مصر میں پیدا ہوئے تحصیل علم کے بعد حضرت امام نافع سے پڑھنے کے لیے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے۔ خود فرماتے ہیں کہ جب میں مدینہ منورہ پہونچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ طلباء کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ کوئی شخص حضرت امام نافع سے پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ میں متردد ہوا اور بعض بزرگوں کو سفارش کے لیے آپ کی خدمت میں لے گیا۔ انھوں نے کہا یہ شخص مصر سے آپ کے پاس آیا ہے۔ حاجی یا تاجر نہیں ہے اس کو پڑھانا چاہیے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ آپ دیکھتے ہیں کہ مہاجرین وانصار کی اولاد کی تعلیم کے باعث میں کتنا عدیم الفرصت ہوں" لیکن اُن بزرگوں نے مزید اصرار کیا تو آپ نے مجھے مسجد نبوی میں رہنے کی تاکید کی۔ دوسرے روز صبح کی نماز سے قبل جب آپ مسجد میں تشریف لائے تو پوچھا وہ مصری کہاں ہے میں خدمت میں حاضر ہوا تو مجھے پڑھنے کا حکم دیا۔ میں نے پڑھنا شروع کیا۔ جب میں تیس آیتیں پڑھ چکا تو آپ نے خاموش ہو جانے کا اشارہ کیا۔ حلقۂ طلباء میں سے ایک نوجوان نے کھڑے ہو کر کہا کہ اے معلم خیر میں آپ کے ساتھ مدینہ منورہ میں رہتا ہوں اور یہ ہجرت کر کے آپ کے پاس آیا ہے لہذا میرا اپنے

وقت میں سے بقدر دس آیات اس کو ہبہ کرتا ہوں۔ پھر ایک اور شخص نے دس آیتوں کا وقت ہبہ کیا جس پر امام نے مجھے اور تیس آیتیں پڑھنے کی اجازت دی اسی طرح تمام قرآن مجید کئی مرتبہ آپ سے پڑھا"

حضرت ورش بڑے خوش آواز تھے۔ آپ عموماً قرآن مجید بڑی تحقیق سے پڑھتے تھے ۱۵۵ھ میں مصر واپس گئے جہاں آپ انیس القراء اور تجوید کے امام مانے گئے۔ ۱۹۷ھ میں مصر میں وفات پائی۔

امام نافع مدنی اور اُن کے شاگرد کے واقعات سے بہت سی حقیقتیں روشن ہو جاتی ہیں۔ اول تو یہ کہ قرآن مجید کو صحت کے ساتھ پڑھنے کے لیے ایک جماعت کس قدر جد و جہد کرتی تھی۔ امام نافع کا یہ فرمانا کہ مجھے مہاجرا ور انصار کی اولاد سے فرصت نہیں ہے یہ ظاہر کرتا ہے کہ عربی النسل۔ اور مادری زبان عربی رکھنے والے قرآن مجید کا پڑھنا اُسی طرح ضروری سمجھتے تھے جیسا کہ ایک غیر عرب ضروری سمجھتا۔ اور اُسی طرح پڑھنے کی کوشش فرماتے جیسا حضور اکرم کو پڑھتے سنا تھا۔ نیز اُس کے حصول میں بڑی محنت اُٹھاتے تھے۔ اُن حضرات کو جو صرف اعراب دیکھ کر قرآن مجید پڑھ لینا کافی سمجھتے ہیں اس سے درس عبرت لینا چاہیئے۔ امام نافع کے شاگردوں کی کثرت یہ ظاہر کرتی ہے کہ اُس وقت اس فن کو سیکھنے کا خیال کس قدر اہمیت رکھتا تھا۔ تیس آیتوں سے زیادہ نہ پڑھانا یہ بتلاتا ہے کہ بڑی احتیاط سے تجوید کی تعلیم دی جاتی تھی۔ امام نافع کا ستر تابعین سے پڑھنا اور حضرت ورش کا کئی بار پڑھنا اُن کی تحقیق و شوق تجوید کو ظاہر کرتا ہے۔

یہ فن ہم تک کیسے پہونچا

علم تجوید جیسا کہ ثابت کیا گیا قرناً بعد قرنٍ ایک قاری سے دوسرے قاری کو سمعی اور کتابی دونوں طرح پہونچتا گیا۔ اس فن کو مدون کرنے کی ضمن میں تین بڑے آئمہ فن کے نام لئے جاتے ہیں۔ ۴۴۴ھ سے پہلے عثمان دانی نے التیسیر نامی ایک کتاب لکھی جس میں انھوں نے قواعد تجوید بھی ضبط فرمائے اور یہ بھی ظاہر فرمایا کہ اُن تک قرات سبعہ کن روایات سے پہونچی۔ ۵۵۰ھ میں علی بن عثمان رعینی الشاطبی نے اشعار میں قواعد کے اختلافات کو لکھا۔ یہ اشعار بہت مقبول ہیں اور اب تک اکثر قرا اُس کو زبانی یاد کرتے ہیں تاکہ قواعد کے بتلانے میں سہولت ہو پھر ۸۲۰ھ کے قریب ابوالخیر شمس الدین محمد بن محمد بن محمد الجزری نے سیدنا حفص کی قرات کے قواعد کو منظوم کیا اور دیگر قواعد بھی مدون کیے ذیل میں ہم وہ سلسلہ درج کرتے ہیں جو امام عاصم کوفی کی قرات علامہ جزری تک پہونچی۔

سلسلہ قرات

(۱) حضور اکرمؐ۔

(۲) عثمانؓ بن عفان۔ علیؓ بن ابی طالب۔ ابیؓ بن کعب۔ زیدؓ بن ثابت۔ عبد اللہؓ ابن مسعود۔

(۳) ابوعبد الرحمٰن عبد اللہ بن حبیب سلمی نمبر ۵) سے ۔ ابو مریم زر بن حبیش نمبر ۱) اور (۵) سے

(۴) امام عاصم کوفی وفات ۱۲۷ھ

(۵) ابوبکر شعبہ — (۵) حفص بن سلیمان

(۶) یحییٰ ابن آدم — (۶) علی بن محمد عبید بن الصباح

(۷) ابوعمر — (۷) ابو العباس احمد بن سھل الاشنانی

(۸) احمد بن ابراہیم الوکیعی — (۸) ابوالحسن علی بن محمد الھاشمی

(۹) ابن مجاہد — (۹) ابوالحسن الطاہر بن غلبون المقری ۔

(۱۰) محمد بن احمد الکاتب

(۱۱) ابی عمرو عثمان بن سعید بن عثمان الدانی وفات ۴۴۴ھ ۔ (کتاب) التیسیر

(۱۲) ابی داؤد سلیمان — (۱۳) ابوالحسن علی بن ہزیل

(۱۴) ابوالقاسم علی بن عثمان الرعینی الشاطبی ۔ ولادت ۵۳۸ھ وفات ۵۹۰ھ

(۱۵) کمال الدین العباسی — (۱۶) لبان — (۱۷) شمس الدین الکیانی ۔

(۱۸) ابوالخیر شمس الدین محمد بن محمد بن محمد الجزری وفات ۸۳۳ھ

الغرض فن تجوید جس طرح سماعی حیثیت سے ایک استاد فن سے دوسرے کو پہونچا ۔ اسی طرح اُن کے سامنے تصحیح اغلاط کے لیے ماہرین فن کے منضبط قواعد بھی موجود تھے جس سے بڑی مدد ملتی تھی ۔ مگر فن تجوید میں اُستاد سے سیکھنے کو یعنی سماعی طریقہ کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے ۔

مراتب تجوید تلاوت کے تین مراتب ہیں ۔ پہلا مرتبہ ترتیل کا ہے اُس کو حدیث کی اصطلاح میں تحقیق بھی کہتے ہیں ۔ اس مرتبے میں خوب ٹھہر کر ۔ بالکل اطمینان سکون کے ساتھ حروف کو واضح اور الگ کر کے مد کو پوری لمبائی دیتے ہوئے ۔ ہمزہ کی تحقیق ۔ تشدید کی شدت ۔ حروف کو پوری طرح مخارج وصفات سے نکالتے ہوئے پڑھنا ہے ۔

حدر ایسی قراءت کو کہتے ہیں جو تیزی سے ایک لفظ کو دوسرے میں مندرج کر کے پڑھی جائے اس قراءت کو قصر بنانے ۔ اختلاس کرنے ۔ بدل ۔ ادغام کبیر اور تخفیف ہمزہ وغیرہ ایسے امور کے ساتھ جن کی صحیح طور سے روایت آئی ہے خفیف بنا دیا جاتا ہے مگر اس طرح کہ اعراب ٹھکانے ہوں لفظوں کو سیدھی طرح ادا کیا جائے اور قواعد میں کوتاہی نہ ہو ۔

تدویر ۔ یہ قراءت ترتیل اور حدر کے مابین توسط کرنے کا نام ہے ۔ اس میں مدین توسط

ادغام صغیر تحقیق ہمزہ کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

قرات سبعہ کے جو سات امام ہیں انھوں نے اِن قراتوں میں سے کسی ایک کی پابندی کی ہے۔ اُس سے اُن کی غرض یہ تھی کہ جس نے ترتیل کو فضیلت دے کر اختیار کیا وہ چاہتے تھے کہ قرات میں انہماک ہو۔ زیادہ نہ پڑھا جائے مگر جتنا ہو خوبیوں سے مملو ہو۔ اس کے حامی ورش اور حمزہ کے دونوں شاگرد خلف و خلاد ہیں۔

جن بزرگوں نے حدر کو اختیار کیا اُس میں اُن کا مقصد تعداد قرآن پاک میں اضافہ کرنا تھا۔ تاکہ ثواب کے زیادہ سے زیادہ مستحق ٹھہریں اور تھوڑی مدت میں زیادہ ختم ہو سکیں۔ اس کے پیرو قالون۔ ابن کثیر کی کے دونوں شاگرد بزی۔ قنبل۔ ابو عمر بصری کے دونوں شاگرد دوری وسوسی ہیں جن بزرگوں نے تدویر کو اختیار کیا اُن کا منشا یہ تھا کہ نہ خوبیاں ہاتھ سے جانے پائیں اور نہ ثواب میں کمی ہو۔ اس مذہب کے پیرو امام عاصم کے دونوں شاگرد شعبہ وحفص۔ کسائی اور ابن عامر ہیں۔

ترتیل میں اگر مد۔ غنہ یا حرکت کو مقدار مقررہ سے زیادہ کھینچ دیا جائے تو اس غلطی کو تمطیط کہتے ہیں یہ کیفیت مبالغہ اُسی وقت پیدا ہوتی ہے جب لمبائی کی طرف قاری کا میلان طبع ہو۔

حدر میں اگر حرکتوں کی لمبائی کم کر دی جائے یا حرف و حرکت کو کاٹ دیا جائے یا ایک حرف کو دوسرے میں ایسا داخل کیا جائے کہ سنائی نہ دے تو اُس کو ادماج کہتے ہیں۔ یہ غلطی اُسی وقت ہونے لگتی ہے جب قاری عجلت کی طرف مائل ہو جائے۔

لحن کے دو معنی ہیں ایک خوش آوازی کے۔ دوسرے غلطی کے۔ لحن میں خوش آوازی قرات کی زینت ہے لیکن لحن کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ الفاظ میں ایسی بدنمائی ہو جو بری معلوم ہو قواعد کے خلاف ہونے کی وجہ سے اُس کی دو قسمیں ہیں:

لحن جلی۔ وہ غلطی ہے جس سے معنی بدل جاتے ہیں اور یہ اعراب و مخارج میں غلطی کرنے سے ہوتا ہے جیسے اِسْمٌ کو اِسْمُ پڑھنا۔

لحن خفی وہ غلطی ہے جس سے معنی تو نہیں بدلتے مگر قرآن مجید کی رونق و خوبی میں خلل واقع ہوتا ہے یہ غلطی مفخم کو مرقق ادا کرنا۔ ادغام کی جگہ اظہار۔ یا اظہار کی جگہ اخفا کرنے سے ہوتی ہے۔

تعویق۔ محل وقف میں وصل اور وصل میں وقف کرنا۔ یا سانس لینے کے لیے حرکت یا تنوین یا وسط کلمہ میں وقف کرنا اور بقیہ سے ابتدا کرنا یہ سب داخل ہیں۔

احادیث متعلقہ

(۱) اِنَّ لِلّٰہِ اَھْلِیْنَ مِنَ النَّاسِ ۔ اَھْلُ الْقُرْاٰنِ اَھْلُ اللّٰہِ
(۲) اِنَّکُمْ لَا تَرْجِعُوْنَ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی بِشَیْءٍ اَفْضَلُ مِمَّا خَرَجَ مِنْہُ یَعْنِیْ الْقُرْاٰنَ ۔
(۳) اَعْبَدُ النَّاسِ اَکْثَرُھُمْ تِلَاوَۃً لِلْقُرْاٰنِ ۔
(۴) اَشْرَافُ اُمَّتِیْ حَمَلَۃُ الْقُرْاٰنِ وَاَصْحَابُ اللَّیْلِ ۔
(۵) تَبَرَّکْ بِالْقُرْاٰنِ فَھُوَ کَلَامُ اللّٰہِ
(۶) اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰی سَبْعَۃِ اَحْرُفٍ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْہُ
(۷) عَلَیْکُمْ بِالشِّفَاءَیْنِ ۔ اَلْعَسَلُ وَالْقُرْاٰنُ
(۸) عَلَیْکُمْ بِالْقُرْاٰنِ فَاتَّخِذُوْہُ اِمَامًا وَّ قَائِدًا فَاِنَّہٗ کَلَامُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الَّذِیْ ھُوَ مِنْہُ وَاِلَیْہِ یَعُوْدُ فَاٰمِنُوْا بِمُتَشَابِہٖ وَاعْتَبِرُوْا بِاَمْثَالِہٖ ۔
(۹) عَلَیْکَ بِذِکْرِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَتِلَاوَۃِ الْقُرْاٰنِ فَاِنَّہٗ رُوْحُکَ (آرام دینے والی چیز) فِی السَّمَاءِ وَذِکْرُکَ (شہرت کا باعث) فِی الْاَرْضِ ۔
(۱۰) نَوِّرُوْا مَنَازِلَکُمْ بِالصَّلٰوۃِ وَقِرَاءَۃِ الْقُرْاٰنِ ۔
(۱۱) مَنِ اتَّبَعَ کِتَابَ اللّٰہِ ھَدَاہُ مِنَ الضَّلَالَۃِ وَوَقَاہُ سُوْءَ الْحِسَابِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ۔
(۱۲) مَلَکٌ مُوَکَّلٌ بِالْقُرْاٰنِ فَمَنْ قَرَاَہٗ مِنْ اَعْجَمِیٍّ اَوْ عَرَبِیٍّ فَلَمْ یُقَوِّمْہُ قَوَّمَہُ الْمَلَکُ ثُمَّ رَفَعَہٗ قِوَامًا ۔
(۱۳) حَمَلَۃُ الْقُرْاٰنِ اَوْلِیَآءُ اللّٰہِ فَمَنْ عَادَاھُمْ عَادَی اللّٰہَ وَمَنْ وَالَاھُمْ فَقَدْ وَالَی اللّٰہَ
(۱۴) حَمَلَۃُ الْقُرْاٰنِ عُرَفَاءُ اَھْلِ الْجَنَّۃِ ۔
(۱۵) اَھْلُ الْقُرْاٰنِ عُرَفَاءُ اَھْلِ الْجَنَّۃِ
(۱۶) اَلْقُرَّاءُ عُرَفَاءُ اَھْلِ الْجَنَّۃِ (نسائی)
(۱۷) اَلْقُرْاٰنُ ھُوَ الدَّوَاءُ ۔ (قضاعی)
(۱۸) اَلْقُرْاٰنُ ھُوَ الدُّعَاءُ (دیلمی)
(۱۹) اَلْقُرْاٰنُ غِنًی لَا فَقْرَ بَعْدَہٗ وَلَا غِنٰی دُوْنَہٗ
(۲۰) تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا ۔ کِتَابَ اللّٰہِ وَسُنَّتَ رَسُوْلِہٖ ۔
(۲۱) اِذَا اَحَبَّ اَحَدُکُمْ اَنْ یُّحَدِّثَ رَبَّہٗ فَلْیَقْرَءِ الْقُرْاٰنَ ۔

(۲۲) مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یُّحِبَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَلْیَقْرَأْ فِی الْمُصْحَفِ ۔
(۲۳) مَنْ اَدَامَ النَّظْرَ فِی الْمُصْحَفِ مُتِّعَ بِبَصَرِہٖ مَادَامَ فِی الدُّنْیَا ۔
(۲۴) مَنْ قَرَأَ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَکَاَنَّمَا قَرَأَ الْقُرْاٰنَ اَجْمَعَ ۔
(۲۵) مَنْ قَرَأَ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ عَشْرَ مَرَّاتٍ بَنَی اللّٰہُ لَہٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ ۔
(۲۶) مَنْ قَرَأَ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ خَمْسِیْنَ مَرَّۃً غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ ذُنُوْبَ خَمْسِیْنَ سَنَۃً ۔
(۲۷) یَا اَبَا ذَرٍّ لَاَنْ تَغْدُ فَتَعَلَّمَ اٰیَۃً فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ خَیْرٌ لَّکَ مِنْ اَنْ تُصَلِّیَ مِائَۃَ رَکْعَۃً (ابن ماجۃ)
(۲۸) خِیَارُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ ۔
(۲۹) اَفْضَلُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ ۔
(۳۰) اَدِّبُوْا اَوْلَادَکُمْ عَلٰی ثَلَاثِ خِصَالٍ ۔ حُبِّ نَبِیِّکُمْ ۔ وَحُبِّ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَقِرَاءَۃِ الْقُرْاٰنِ فَاِنَّ حَمَلَۃَ الْقُرْاٰنِ فِیْ ظِلِّ اللّٰہِ یَوْمَ لَاظِلَّ اِلَّا ظِلُّہٗ مَعَ اَنْبِیَاءِہٖ وَاَصْفِیَاءِہٖ
(۳۱) تَعْلِیْمُ الْعِلْمِ کَفَّارَۃُ الْکَبَائِرِ وَتَعْلِیْمُ الْقُرْاٰنِ زِیَادَۃٌ فِی الدِّیْنِ ۔
(۳۲) مَنْ اَخَذَ عَلَی الْقُرْاٰنِ اَجْرًا فَذٰلِکَ حَظُّہٗ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۔
(۳۳) تَعَلَّمُوا اللَّحْنَ فِیْہِ کَمَا تَعَلَّمُوْنَ حِفْظَہٗ (دیلمی)
(۳۴) مَنْ فَسَّرَ الْقُرْاٰنَ بِرَأْیِہٖ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ ۔
(۳۵) اَلنَّظْرُ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ تَعَالٰی عِبَادَۃٌ ۔

آداب القرآن

لَا یَمَسُّ الْقُرْاٰنَ اِلَّا طَاھِرٌ ۔ قرآن پاک سے وہی لوگ منتفع ہو سکتے ہیں۔ وہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو خود پاک ہیں۔ یہ پاکی دو قسم کی ہوتی ہے۔

(۱) باطنی (۲) اور ظاہری۔

آداب باطنی یہ ہیں۔ اخلاص ہو پڑھتے وقت نیت خالص ہو۔ قرارت سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا ارادہ ہو سوائے اس کی رضامندی کے اور کسی چیز کو وسیلہ نہ ٹھہرائے۔ (۲) تادّب۔ پڑھتے وقت دل میں یہ بات حاضر رہے کہ اپنے رب سے چپکے چپکے باتیں کر رہا ہے۔ اور اُس کی کتاب بزرگ کو پڑھ رہا ہے۔ اس طرح پڑھے کہ گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے۔ پھر اگر وہ اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کو دیکھتا ہے۔ نہ ہنسے۔ نہ بے فائدہ کلام کرے۔ اور جو چیز قرآن پاک کا سامنے ہٹا بھلادے اُس طرف توجہ نہ کرے۔ قرآن مجید پڑھتے وقت کسی سے بات نہ کرے۔ پھر اگر بولنے کی بڑی

ضرورت ہو تو مصحف کو بند کرکے بات کرے بعد اُس کے پھر اَعُوْذُ بِاللّٰہِ پڑھے اور قراءت شروع کرے۔ بہتر ہے کہ جو شخص قرآن شریف پڑھ رہا ہو اُس کو سلام نہ کریں۔ اگر کسی نے سلام کیا تو اشارے سے سلام کا جواب دینا کفایت کرتا ہے۔ اگر سلام کا جواب منہ سے کہا تو اَعُوْذُ بِاللّٰہِ از سرِ نو کہے تب تلاوت جاری کرے۔ (۳) اُس کے معنی میں تدبر و تفکر یعنی غور و تامل کرنا۔ تاکہ سینہ کشادہ ہو اور دل میں نور پیدا ہو۔ (۴) قرآن مجید کے قراءت کے وقت دل کی حضوری کے لیے اور غفلت کا دروازہ بند کرنے کے لیے بہترین چیز یہ ہے کہ کان کو آواز پر لگا دے اور یہ خیال کرے کہ میں اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑا ہوں اور اُس کے روبرو قرآن پاک پڑھ رہا ہوں۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ اُس کو سن رہا ہے۔ اِس صورت میں اپنا حال بیان کرنا اور سوال کرنا۔ بے قراری گریہ و زاری اور اخلاص کے ساتھ دعا کرنا یہ سب میسر آتا ہے۔ قراءت کے ساتھ رونا مستحب ہے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ قرآن کو پڑھو اور گریہ کرو اور اگر رونہ سکو تو روتی صورت بناؤ۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ سجدہ تلاوت میں جلدی نہ کرو اور سر نہ اُٹھاؤ جب تک کہ گریہ نہ کرلو۔ بہ تکلف رونے کی تدبیر یہ ہے کہ حزن کو دل میں موجود کرے۔ دوسرے یہ کہ اپنی دل کی آنکھ سے دیکھے کہ گویا اُس کا رب اپنی مہربانی سے اُس کی طرف مخاطب ہے اور اُس سے اپنے احسان اور انعام کے ساتھ ہم کلام ہے تو ایسی صورت میں اُس کا کام تعظیم اور کان لگا کر سننا ہوگا۔ اس کے اوپر ایک اور درجہ ہے کہ کلام میں کلام کرنے والے کو دیکھے نہ اپنی قراءت کی طرف (۵) استعاذہ شروع کرتے وقت شیطان کی بدی سے اللہ تعالیٰ کے پاس دل سے پناہ مانگنا اور اُس کے پناہ میں آجانے کا تصور کرنا (۶) آیات کے حقوق کا لحاظ رکھے۔ اثنائے تلاوت میں جب آیات تسبیح پر گذرے تو سبحان اللہ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَر کہے اور جب دعا اور استغفار کی آیت آئے تو دعا اور استغفار کرے۔ رجا کی آیت پر درخواست کرے۔ خوف کی آیت پر پناہ مانگے۔ سجدہ کی آیت پر سجدہ کرے (۷) تلاوت کے آخر میں دعا کرنا چاہیئے جس میں یہ دعا سنت ہے۔ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَبَلَّغَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ۔ اَللّٰھُمَّ انْفَعْنَا بِہٖ وَبَارِكْ لَنَا فِیْہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الْحَیَّ الْقَیُّوْمَ۔ (۸) قرآن مجید سے ایسا ہی انس و محبت چاہیئے جیسی کسی مسلمان دوست سے ہوتی ہے اس لیے کہ وہ بروز قیامت گواہی دیگا اور شفاعت کرے گا۔

ظاہری آداب یہ ہیں۔ (۱) مسواک کرنا۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ پاک و صاف کرو اپنے منھ کو مسواک سے کیونکہ منہ قرآن کا راستہ ہے۔ مسواک نہ ملے تو کپڑے سے یا انگلی سے صاف

کر لینا بھی کفایت کرتا ہے۔ جب منہ خون وغیرہ سے نجس ہو تو قرات سے پہلے دھو لینا چاہیے ورنہ مکروہ ہے۔ (۲) وضو کرنا (۳) مکان کا پاک کرنا (۴) استقبال قبلہ کرنا۔ (۵) خوشبو لگانا۔ (۶) ادب و وقار کی صورت میں ہونا۔ کھڑا ہو یا بیٹھا۔ گردن جھکائے ہوئے نہ کہ چار زانو یا تکیہ لگا کر یا متکبرانہ صورت میں تنہا بھی اس طرح بیٹھے جیسا اُستاد کے سامنے بیٹھتے ہیں (۷) سب حالتوں سے بہتر یہ ہے کہ قرآن کو نماز کے اندر مسجد میں پڑھے اور یہ تلاوت افضل اعمال میں سے ہے۔ اگر قرآن کو بے وضو لیٹ کر پڑھے گا تب بھی ثواب تو ملے گا مگر اتنا نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ۔ اس آیت میں تعریف سب حالتوں کی فرمائی مگر قیام کا اول ذکر کیا۔ قیام اگر رات کو ہو تو سب سے بہتر ہے کہ رات کے وقت دل کو جمعیت خوب ہوتی ہے۔ حضرت ابو ذر غفاری فرماتے ہیں کہ سجدوں کی کثرت دن کو اور زیادہ کھڑا رہنا رات کو اچھا معلوم ہوتا ہے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ وَاعْلَمْ اَنَّ شَرَفَ الْمُؤْمِنِ قِیَامُہٗ بِاللَّیْلِ (۸) شروع کرنے سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا چاہیے۔ اور درمیانی کلام یا سلام کے بعد بھی اعادے کی ضرورت ہے (۹) ابتدائی سورہ میں بسم اللہ کا پڑھنا ضروری ہے مگر سورہ توبہ کے ابتدا میں نہ پڑھے اور نہ اس سورت کے دوران میں۔ اس کے علاوہ اگر درمیان میں کہیں سے پڑھ رہا ہو تو مختار ہے چاہے پڑھے چاہے نہ پڑھے۔ (۱۰) قرآن مجید کو اچھی طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا مستحب ہے۔ حضرت ام سلمہ نے حضور اکرم کی صفت یہ بیان کی کہ کلمہ کلمہ کو جدا جدا بیان فرماتے ٹھہر کر پڑھنے میں توقیر و حرمت زیادہ ہے (۱۱) قرات کو پکار کر پڑھنا افضل ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب کوئی تم میں سے رات کو اٹھ کر نماز پڑھے تو قرات پکار کر پڑھے۔ فرشتے اور اوس مکان کے جنات اُس کی قرات سنتے ہیں اور وہی نماز وہ بھی پڑھتے ہیں۔ (۱۲) قرات کو خوش آوازی سے اور سنوار کر پڑھنا چاہیے۔ حضور نے فرمایا حَسِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِکُمْ۔ فَاِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ یَزِیْدُ الْقُرْاٰنَ حُسْنًا نیز جب پوچھا کہ اَیُّ النَّاسِ اَحْسَنَ صَوْتًا بِالْقُرْاٰنِ قَالَ مَنْ اِذَا سَمِعْتَہٗ یَقْرَأُ اُرِیْتَ اَنَّہٗ یَخْشَی اللّٰہَ نیز فرمایا کہ لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ نیز فرمایا کہ اِقْرَءُ الْقُرْاٰنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَاَصْوَاتِھَا وَاِیَّاکُمْ وَلُحُوْنَ اَھْلِ الْعِشْقِ وَلُحُوْنَ اَھْلِ الْکِتَابَیْنِ۔ لہٰذا موسیقی راگ لانا مکروہ ہے۔ اور قرآن کے لفظ کو بگاڑنا حرام ہے۔ (۱۳) حفظ پڑھنے سے دیکھ کر پڑھنا افضل ہے۔ دگنا ثواب ملتا ہے اور بروایت بعض دیکھ کر پڑھنا سات گنا ثواب رکھتا ہے۔ اس لئے کہ مصحف کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔ صحابہ کا یہ دستور تھا کہ اس بات کو بُرا سمجھتے کہ کوئی دن ایسا گزرے کہ اُس میں مصحف نہ دیکھیں (۱۴) قرات کی مقدار ہفتہ میں ایک قرآن ختم کرنا۔ اگر اتنا نہ ہو سکے تو مہینے میں ایک (۱۵) قرآن کی سات

منزلیں ہیں۔ ابن مسعود سات ہی منزلیں کرتے تھے۔ (۱۶) صاف اور ستھرا لکھا ہوا قرآن شریف جو خوش خط بھی ہو اپنی تلاوت میں رکھو۔ نہ بہت چھوٹی حمائل ہو کر پڑھنے میں دقت ہو نہ بہت بڑا کہ ساتھ رکھنے میں تکلیف۔ ایک ہی قرآن شریف کا ساتھ رکھنا اور اس میں جہاں کہیں غلطی کا اندیشہ ہو نشان کر لینا مناسب ہے۔ یہ رفاقت چند روز میں موجب انس ہو جاتی ہے (۱۷) والضحیٰ سے لے کر آخر تک ہر سورہ کے آخر میں تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنا سنت ہے اور مختار یہ ہے کہ تہلیل زیادہ کرے اور کہے لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر وللہ الحمد اور افضل یہ ہے کہ ختم کے بعد شروع کرے۔ سورۂ فاتحہ پڑھ کر سورۂ بقرہ شروع سے اولٰئک ھم المفلحون تک پڑھے۔ حضور اکرم نے فرمایا کہ سب عملوں میں بہتر عمل ہے اترنا اور کوچ کرنا لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ دونوں کونسے کام ہیں فرمایا۔ قرآن شریف کا ختم کرنا اور شروع کر دینا بعد ختم کے آیۃ الکرسی اور آمن الرسول آخر سورہ تک پڑھنا بھی مستحب ہے (۱۸) قرآن شریف کے ختم کے بعد دعا کرنے کی بڑی تاکید ہے۔ اس لیے کہ مَنْ خَتَمَ الْقُرْاٰنَ فَلَہٗ دَعْوَۃٌ مُسْتَجَابَۃٌ۔ ختم کے وقت دعا قبول ہوتی ہے اور ایک درخت جنت میں تیار ہوتا ہے۔ حضور کی عادت تھی کہ ختم کے وقت سب گھر والوں کو جمع کر کے دعا فرماتے۔ حضورؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے اور اس کے بعد دعا کرے تو اس کی دعا پر چار ہزار فرشتے آمین کہتے ہیں۔ امام محی الدین نووی نے فرمایا کہ ختم کے وقت دعا میں خوب اصرار کرو اور بجد ہو کر دعا مانگو اور سب طرح کی بھلائی اس میں جمع کر لو۔ اور اللّٰھُمَّ انس وحشتی بھی پڑھو ایک دعا یہ ہے: صَدَقَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَبَلَّغَتِ الرُّسُلُ وَنَحْنُ عَلٰی مَا قَالَ رَبُّنَا مِنْ شَاھِدِیْنَ ۝ اَللّٰھُمَّ انْفَعْنَا بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ وَالْاٰیَاتِ وَالذِّکْرِ الْحَکِیْمِ۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلِ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ رَبِیْعَ قُلُوْبِنَا وَجَلَآءَ اَحْزَانِنَا وَذَھَابَ ھُمُوْمِنَا وَقَآئِدَنَا وَسَآئِقَنَآ اِلٰی جَنّٰتِ النَّعِیْمِ۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ اَنْزَلْتَہٗ شِفَآءً لِّاَوْلِیَآئِکَ وَشِقَآءً عَلٰی اَعْدَآئِکَ وَعَمًی عَلٰٓی اَھْلِ مَعْصِیَتِکَ فَاجْعَلْہُ لَنَا دَلِیْلًا عَلٰی عِبَادَتِکَ وَعَوْنًا عَلٰی طَاعَتِکَ وَاجْعَلْہُ لَنَا حِصْنًا حَصِیْنًا مِّنْ عَذَابِکَ وَحِرْزًا مَنِیْعًا مِّنْ سُخْطِکَ وَنُوْرًا یَوْمَ لِقَآئِکَ نَسْتَضِیْئُ بِہٖ فِیْ خَلْقِکَ وَنَجُوْزُ بِہٖ عَلٰی صِرَاطِکَ وَنَھْتَدِیْ بِہٖ اِلٰی جَنَّتِکَ۔ اَللّٰھُمَّ انْفَعْنَا بِمَا صَرَّفْتَ فِیْہِ مِنَ الْاٰیَاتِ وَذَکِّرْنَا بِمَا ضَرَبْتَ فِیْہِ مِنَ الْمَثُلَاتِ وَکَفِّرْ بِتِلَاوَتِہٖ عَنَّا السَّیِّاٰتِ۔ اِنَّکَ مُجِیْبُ الدَّعَوَاتِ۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ اَنِیْسَنَا فِی الْوَحْشَۃِ وَمُصَاحِبَنَا فِی الْوَحْدَۃِ۔ وَمِصْبَاحَنَا فِی الظُّلْمَۃِ وَدَلِیْلَنَا فِی الْحَیْرَۃِ۔ وَمُنْقِذَنَا فِی الْفِتْنَۃِ وَاعْصِمْنَا بِہٖ مِنَ الزَّیْغِ وَالْاَھْوَآءِ وَکَیْدِ الظَّالِمِیْنَ وَمُضِلَّاتِ الْفِتَنِ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُکَ اِخْبَاتَ الْمُخْبِتِیْنَ وَاِخْلَاصَ الْمُوْقِنِیْنَ

وَمُرَافَقَةَ الْاَبْرَارِ وَاسْتِحْقَاقَ حَقِيْقَةِ الْاِيْمَانِ۔ اَللّٰهُمَّ انْفَعْنَا بِمَا عَلَّمْتَنَا وَعَلِّمْنَا مَا يَنْفَعُنَا وَزِدْنَا عِلْمًا تَنْفَعُنَا بِهٖ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ وَالْفَوْزَ بِالْجَنَّةِ وَالنَّجَاةَ مِنَ النَّارِ۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنَّا وَاهْدِنَا وَعَافِنَا وَارْزُقْنَا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ وَاَلْحِقْنَا بِالصّٰلِحِيْنَ۔

احادیث متعلقہ

(۳۶) اَفْضَلُ عِبَادَةِ اُمَّتِيْ قِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ نَظَرًا۔

(۳۷) حُسْنُ الصَّوْتِ زِيْنَةُ الْقُرْاٰنِ۔

(۳۸) اَحْسِنُوا الْاَصْوَاتَ بِالْقُرْاٰنِ۔

(۳۹) زَيِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِكُمْ۔

(۴۰) اُتْلُوا الْقُرْاٰنَ وَابْكُوْا فَاِنْ لَّمْ تَبْكُوْا فَتَبَاكَوْا۔

(۴۱) مَنْ خَتَمَ الْقُرْاٰنَ صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ۔

(۴۲) مَنْ خَتَمَ الْقُرْاٰنَ فَلَهٗ دَعْوَةٌ مُّسْتَجَابَةٌ

(۴۳) عِنْدَ كُلِّ خَتْمَةٍ دَعْوَةٌ مُّسْتَجَابَةٌ۔

(۴۴) مَنْ خَتَمَ الْقُرْاٰنَ اَوَّلَ النَّهَارِ صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ حَتّٰى يُمْسِيَ وَمَنْ خَتَمَهٗ اٰخِرَ النَّهَارِ صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ حَتّٰى يُصْبِحَ۔

(۴۵) كَانَ اِذَا خَتَمَ جَمَعَ اَهْلَهٗ وَدَعَا (ابن بخار)

تجزیہ قرآن قرآن مجید کا نزول کثرت سے تلاوت کے لیے ہوا ہے۔ آج بھی اپنے اور غیر اس بات کے مقر ہیں کہ دنیا میں کوئی کتاب اتنی نہیں پڑھی جاتی جتنی کہ قرآن مجید۔ نمازوں اور نماز سے باہر۔ دیکھ کر اور بغیر دیکھے تسبیح کے طور پر اور اوراد کے طور پر۔ وظائف میں اور روزمرہ میں جتنا قرآن شریف پڑھا جاتا ہے دنیا کی کوئی اور کتاب نہیں پڑھی جاتی اور یہ عمل حضور اکرم اور صحابہ سے لیکر اب تک چلا آتا ہے۔ جو شخص روزانہ تلاوت کرنا چاہئے اُس کی خواہش ہوتی ہے کہ ایک مقررہ حصہ پڑھا کرے اس امر کو حضور اکرم ہی نے حل کر دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص سے مروی ہے کہ حضور اکرم نے فرمایا کہ قرآن مجید کو ہر مہینے ختم کرو میں نے عرض کیا کہ مجھ میں زیادہ طاقت ہے تو فرمایا سات دن میں ختم کرو اور اس پر زیادہ نہ کرو (مسلم)۔ اس لحاظ سے برابر تقسیم تیس پاروں میں یا سات حصوں میں فرمدی ہوئی۔ تابعین کے زمانے میں بموجب شمار کلمات تیس جزو مساوی قرار دیا گیا۔ اور پھر ہر پارہ کے چار ٹکڑے

کرکے۔ ربع۔ نصف۔ ثلث لگائے گئے۔ سات دن کے ختم کے لیے سات حصے بنا کر اُن کو منزل قرار دیا جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) ازسورہ فاتحہ تاسورہ مائدہ۔

(۲) ازسورہ مائدہ تاسورہ یونس۔

(۳) از یونس یا بنی اسرائیل۔

(۴) ازسورۂ بنی اسرائیل تاسورہ الشعرار۔

(۵) ازسورۂ الشعرار تاسورہ والصّٰفّٰت۔

(۶) ازسورۂ والصّٰفّٰت تاسورہ قٓ۔

(۷) ازسورۂ قٓ تا آخر۔

یہ منزلیں فَمِی بِشَوْقٍ (میرا منہ مبتلا بہ شوق قرآن ہے) میں محدود ہیں۔

رکوع کے موجد ماوراء النہری ہیں۔ رکوع کا تعین بلحاظ معنی ہوا ہے غرض یہ ہے کہ ایک رکعت میں پورا مضمون پڑھنے کی ہدایت ہو۔ رکوع کی علامت کے لیے ع لکھا جاتا ہے۔ سر پر جو ہندسہ ہوتا ہے وہ سورہ کا رکوع ہے۔ درمیان میں آیتوں کا ہندسہ ہے اور نیچے کا ہندسہ پارے کے رکوع کو ظاہر کرتا ہے۔ مثلاً سورۂ بقر کے آخر میں ع ۴۰ ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ سورۂ بقر کی ابتداء سے یہاں تک چالیس رکوع۔ اِس آخری رکوع میں تین آیتیں اور شروع پارے سے یہاں تک آٹھ رکوع ہوئے۔

انس و عظمت قرآن

ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس کلام پاک کو سمجھنے کی کوشش کرے اور اُس کلام کی بزرگی اور عظمت کو اپنے دل میں جاگزیں کرے۔ اور یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم تھا کہ اُس نے عرش بریں سے اس کلام کو ایسے درجہ میں اتارا کہ خلق کی سمجھ میں آئے۔ غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی خلق پر کتنی زیادہ ہے کہ جو کلام اُس کی صفت قدیم اور اُس کی ذات کے ساتھ قائم تھا اُس کے معانی کو مخلوق کی سمجھ میں پہونچا دیا۔ اور وہ صفت حروف و اصوات کے بیچ میں پڑ کر کس طرح مخلوق پر واضح ہوگئی۔ حالانکہ حروف و اصوات صفات بشریہ ہیں اور بشر کو یہ طاقت نہیں کہ اپنے نفس کی صفات کے بغیر اللہ تعالیٰ کی صفات کو سمجھ سکے۔ اس لیے اِن حروف و صفات کے پیرایہ میں اس صفت کو کر دیا۔ اگر بالفرض کلام الٰہی کی کنہ جلال حروف کے پیرایہ میں چھپی نہ ہوتی تو عرش بھی اُس کلام کے سننے پر نہ ٹھہرتا۔ نہ خاک کو تاب اُس کے سننے کی ہوتی۔ بلکہ اُس کی عظمت اور اشعۂ نور سے عرش سے فرش تک سب متفرق ہو جاتے۔ اگر حضرت موسیٰ کو اللہ تعالیٰ ثابت نہ رکھتا تو اُن کو اس کے کلام کے سننے کی تاب نہ ہوتی۔ جیسے پہاڑ کو اُس کی ادنیٰ تجلی کی تاب نہ ہوئی اور ریزہ ریزہ ہو گیا۔ کلام کی

عظمت کا سمجھنا ایسی مثالوں کے بغیر ممکن نہیں جو خلق کی فہم کے حد تک ہوں اُسی نظر سے بعض عارفوں نے اُس عظمت کو اس طرح تعبیر کیا ہے کہ کلام الٰہی میں سے لوح محفوظ میں ہر حرف کوہ قاف سے بڑا ہے انسانوں کو یہ طاقت نہیں کہ حکمت کی تہ کو پار کر دیں۔ جیسے ان کو یہ مقدور نہیں کہ جسم آفتاب کو پار کر دیں وہ تو آفتاب کی روشنی سے اُسی قدر نور لیتے ہیں جتنا کہ اشیائے کائنات کے دیکھنے کے لیے ضرورت ہے۔ حاصل یہ کہ کلام اللہ نہایت نفیس خزانوں کی کلید ہے وہ آب حیات ہے کہ جس نے اُس میں سے پیا زندۂ جاوید ہوا وہ ایسی دوا ہے کہ جس نے اُس کو نوش جان کیا کبھی بیمار نہ ہوا۔ قاری کو چاہیئے کہ پڑھتے وقت ابتدا ہی سے اس عظمت کو دل نشین کر لے اور یہ سمجھ لے کہ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ۔ جیسے ظاہر محفوظ ہے کہ آدمی کی جلد بدون طہارت اُس کو لگے اسی طرح اُس کے اندر کے معنی بھی اُس کی عزت و بزرگی کے باعث دل میں نہیں اترتے تاوقتیکہ وہ دل ہر طرح کی گندگی سے پاک نہ ہو۔ اور نور تعظیم و توقیر سے منور نہ ہو۔ چنانچہ عکرمہ بن ابی جہل جب قرآن مجید کو کھولتے تو بیہوش ہو جاتے اور کہتے کہ یہ کلام میرے پروردگار کا ہے۔ یہ کلام میرے رب کا ہے غرض کلام کی عظمت متکلم کی عظمت سے ہوتی ہے اور متکلم کی عظمت اس کی صفات و افعال میں فکر کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔

تلاوت کے وقت دل حاضر ہونا چاہیئے حدیث نفس نہ ہو۔

ہر خطاب کے وقت فرض کرے کہ میں ہی مقصود ہوں۔ اگر امر و نہی ہے تو سمجھے کہ مجھے حکم ہوا ہے اور مجھی کو منع کیا ہے۔ انبیاء کے قصوں سے عبرت حاصل کرے اور ان میں سے جو کچھ اپنی حاجت ہو اُس کو لغتیاً کرے۔

ہے خطاء

نے اُس۔

پڑھ رہا ہے اور اس کو سوچ سمجھ کر اُس کی بموجب کاربند ہو۔ مالک بن دینار کہا کرتے کہ اے قرآن والو! قرآن نے تمہارے دلوں میں کیا بویا ہے۔ قرآن مومن کے حق میں بہار ہے جیسے زمین کے حق میں مینہ بہار ہوتا ہے۔ حضرت قتادہ نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے قرآن کی ہم نشینی کی تو وہ یا تو فائدہ ہی لے کر اٹھا یا گھاٹا کھا کر۔ جیسے فرمایا شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ۔ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا۔

قاری کو چاہیئے کہ دل کو متاثر رکھے احوال سے۔ اِس صورت میں تلاوت کرنے والا انفعال نہیں رہتا کیفیت اور حلاوت لے کر ہی اٹھتا ہے۔ قرآن شریف کسی کے منہ سے اچھا نہیں معلوم ہوتا جیسا کہ اُس شخص کے منہ سے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔

قرارت کے تین درجے ہیں پہلا درجہ یہ ہے کہ بندہ اپنے آپ کو فرض کرے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا پڑھ رہا ہے اور وہ میری طرف دیکھتا ہے اور میرے پڑھنے کو سنتا ہے۔ اس وقت اُس کی حالت سوال وانکسار و عاجزی کی ہوگی۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ اپنے دل سے مشاہدہ کرے کہ گویا اللہ تعالیٰ اس کو دیکھتا ہے اور اپنے الطاف سے اُس کو خطاب کرتا ہے اور اپنے انعام و احسانات کے راز اُس پر کھولتا ہے۔ ایسی صورت میں تلاوت کرنے والا مقام حیا و تعظیم میں ہوگا تیسرا درجہ یہ ہے کہ کلام میں متکلم کو دیکھے اور کلمات میں صفات پر نظر رکھے اپنے نفس کو نہ دیکھے اور نہ اپنی قرارت سنے۔ اور نہ اپنے منعم علیہ ہونے کے اعتبار سے اپنے اوپر انعام کے ہونے کا خیال کرے۔ بلکہ اپنی ہمت و فکر کو کلام کرنے والے پر منحصر اور موقوف کردے۔ اس طرح کہ گویا متکلم کے مشاہدہ میں غیر کی طرف سے کچھ خبر نہیں۔ یہ درجہ مقربوں کا ہے اور پیشتر کے دو درجے اصحاب یمین کے حضرت عثمانؓ اور حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ اگر دل پاک ہو جائیں تو قرآن کی قرارت سے سیر نہ ہوں: ثابت بنانیؒ نے فرمایا کہ بیس برس تو میں نے قرآن میں مشقت ہی اٹھائی مگر اب بیس برس سے حلاوت پاتا ہوں۔ یہ دولت بجز انس و محبت کے اور کسی چیز سے حاصل نہیں ہوتی اور انس و محبت جب ہی پیدا ہوتا ہے کہ بہت مدت تک بہ تکلف مشقت اُٹھائی جائے۔ یہاں تک کہ تکلف کی بات سرشتی ہو جائے۔ اور یہ امر بعید نہ جانو کیونکہ مداومت سے طبیعت مانوس ہو جاتی ہے اور نفس عادی ہو کر آخر خوش سرشت بنا لیتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ سے اُنس ہو جاتا ہے تو اس کے ماسوا سے منقطع ہو جاتا ہے۔ مرتے وقت سب چیزیں چھوٹ جائینگی۔ بجز ذکر الٰہی کے کچھ نہ رہے گا۔ پس اگر کوئی شخص ذکر الٰہی سے انس رکھتا ہوگا تو اُس سے منتفع ہوگا اور بعد موت بھی لذت پاتا رہے گا۔ یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ کے جوار میں نازل ہو کر ذکر سے بقا کی طرف ترقی کرتا جائے گا۔

امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی نے فرمایا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں تمام اشیاء سے قریب قرآن مجید ہے جس کو ظلّیت کی گرد بھی نہیں لگی یہ معلوم کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ وراء الوراء ہے اور بندوں تک اس کا فیض بے حساب پردوں میں سے آتا ہے ورنہ بندۂ خاکی اُس کا تحمل نہ ہو سکے گا اسی کو صوفیہ کی اصطلاح میں ظلّیت کہا ہے۔ مگر صرف ایک قرآن پاک ہے جو اس ظلّیت کے اثر سے پاک ہے۔ اپنی اصالت کے ساتھ عالم ظلال میں جلوہ گر ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام عبادتوں سے افضل قرآن مجید کی تلاوت ہے۔ جتنا قرب تلاوت میں میسر آتا ہے دوسرے اوقات میں میسر نہیں۔ اور اُس کی شفاعت بھی دوسری شفاعتوں سے زیادہ مقبول ہے۔

مقصد قرآن نزول قرآن کا مقصد نفوس بشریہ کی تہذیب اور اُن کے عقائد باطلہ و اعمال فاسدہ کی تردید ہے۔ اس کام کے لیے دو چیزوں کا ذکر ضروری تھا۔ آیات قدرت یعنی آلاء اللہ کا

کثرت سے ذکر۔ دوسرے اُن واقعات کا ذکر جو پیشتر گزر چکے ہیں جس کو ایام اللہ کہتے ہیں۔ قرآن مجید نے ان دونوں دلیلوں سے ثبوت پیش کیے ہیں۔

قرآن مجید کی مخاطبت مسلمانوں کے علاوہ چار گمراہ فرقوں سے ہے یعنی مشرکین۔ یہودی۔ نصاریٰ اور منافقین اور انہیں پانچ گروہ میں دنیا منقسم ہے۔ لہٰذا اُن کے عقائد باطلہ اور اعمال فاسدہ کا تفصیلی حال درج ہے۔ اُس کے بعد تہذیب نفوس بشریہ کے لیے جن احکام و اعمال کی ضرورت تھی اُن کا ذکر ہے۔ برائی کو روشن کرنے منفی پہلو جس میں عقائد باطلہ و اعمال فاسدہ کی تردید ہے اس میں شرک کفر۔ نفاق اور اُس کے نتائج بد کو بتلایا ہے۔ نبی کی ضرورت اور اُس کے صحیح مقام پر روشنی ڈالی ہے تاکہ افراط و تفریط سے مُبرا ہو یہ سب امور منفی پہلو سے اُجاگر کیے گئے۔

مثبت پہلو سے نفوس بشریہ کی تہذیب مقصود ہے اس میں تزکیہ نفس کے طریقے۔ احکام شریعت عرفان خداوندی اُس کے اسماء وصفات اور اُن کے عمدہ نتائج سے بحث کی جاتی ہے۔

دوسرے الفاظ میں اسلام کو چھوڑنے سے کیا نتائج پیدا ہوں گے اُن کا ذکر کیا ہے۔ پھر اسلام کو اختیار کرنے سے کیا فوائد مترتّب ہوں گے اُن پر بحث کی ہے۔

شروع ہی میں اس پاک کتاب کے اغراض و مقاصد بیان کر دیے کہ یہ خدائے علیم کی طرف سے ہے جو نہ صرف انسانی ضروریات کو جانتا ہے بلکہ گذشتہ اور آیندہ کی تمام باتوں سے بھی واقف ہے۔ اس کتاب کی غرض لوگوں کو ہدایت دینا اور دنیا کو راہ راست پر لانا ہے۔ پھر وہ اُصول بیان کیے جن پر چل کر انسان ہدایت کو پا سکتا ہے وہ کل پانچ اُصول ہیں تین عقائد کے رنگ میں (ایمان بالغیب۔ ملائکہ اور وحی پر ایمان۔ آخرت یعنی جزاء وسزا پر یقین) اور دو عمل کے رنگ میں حقوق اللہ (نماز۔ دعا) اور حقوق العباد (یعنی انفاق بمعنی اپنی قوتوں اور مال کو مخلوق خدا کی بھلائی کے لیے خرچ کرنا) ان پر چل کر انسان کامیاب اور بامراد ہوتے ہیں۔ عملی طور پر تکمیل نفس انسانی کے یہ دو ہی پہلو ہیں۔ خدا کے حضور میں جھکنا اور مخلوق خدا کی خدمت۔ ایک کو حسن کہہ لو دوسرے کو احسان۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان پیدا نہیں ہو سکتا جب تک کہ وحی پر ایمان نہ ہو۔ وحی الٰہی خالق و مخلوق کے درمیان سچا تعلق پیدا کرتی ہے۔ پس ایمان کامل اللہ تعالیٰ پر صرف وحی سے پیدا ہوتا ہے۔ خالی نظارۂ قدرت سے کبھی ایمان پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں انسان اقرار کر سکتا ہے کہ اُس کا کوئی صانع ہے۔ مگر ایمان جس سے عمل کی طاقت پیدا ہوتی ہے وہ اس تعلق کے قیام سے پیدا ہوتی ہے جو خالق و مخلوق میں ہے اور اُس کا واحد ذریعہ وحی الٰہی ہے۔

قرآن مجید پر عمل ضروری ہے۔ پہلی کتابوں میں چونکہ تحریف ہو چکی ہے اُن پر عمل نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں اُن کی تعلیم وقتی ضرورت کے لحاظ سے تھی بہت سا حصہ قابل عمل درآمد نہیں رہا۔ پس عمل کی ضرورت صرف قرآن شریف پر ہے۔

اعمال کی جزا و سزا پر جب تک یقین کامل نہ ہو اس وقت تک انسان گناہ سے بچ نہیں سکتا۔

فلح کے معنی زمین کو پھاڑنا ہے۔ فلاح کسان کو کہتے ہیں۔ فلاح کے معنی اس لحاظ سے کامیابی حاصل کرنا یا مطلوب کو پا لینا ہے۔ جس طرح ہل چلانے سے زمین کی مخفی طاقتیں اور اصلی جوہر باہر نکل آتے ہیں اسی طرح قوائے انسانی کا بھی حال ہے۔ قوائے انسانی کے مخفی جوہروں کا باہر آنا ہی حقیقت میں کامیابی ہے۔ پس فلاح سے مراد صرف دنیوی کامیابی نہیں بلکہ انسان کے مخفی قویٰ کا ظہور پذیر ہونا ہے۔ محض دنیا کا مال لینا یا بادشاہت کا حاصل کر لینا فلاح نہیں۔ بلکہ فلاح میں دنیوی اور دینی دونوں کامیابیوں کو شامل کرتے ہیں۔

موضوع قرآن

علوم تحقیقی کے شعبے بے انتہا ہیں۔ بعض محققین نے شہد کی مکھی اور چیونٹیوں کے اقسام اور اُن کی دریافت میں عمریں صرف کر دی ہیں۔ فلکیات۔ سمکیات۔ معدنیات۔ شجریات و حجریات غرض ہر شعبے میں تحقیق کی انتہا کر دی۔ علم النفس۔ علم القیافہ۔ علم ترکیب اجسام حیوانات، تشریح جسم ان سب شعبوں میں کافی تحقیقات بہم پہونچائیں۔ فلسفہ۔ اخلاق غرض اپنے سے باہر اور اندر کے بے انتہا شعبوں پر تحقیقاتیں کیں اور معلومات بہم پہونچائے مگر نہ تحقیق کیا تو وہ اہم مسئلہ کہ انسان کیا ہے۔ یہ کیونکر بنتا ہے اور کیسے بگڑتا ہے۔ غرض اس موضوع پر انسان نے بحث نہ کی۔ اس مسئلہ کو غیر ضروری سمجھ کر یا ناقابل تحقیق سمجھ کر چھوڑ دیا۔ قرآن آتا ہے اور کہتا ہے کہ میرا موضوع انسان ہے۔

قرآن کا موضوع نہ اخلاقیات ہے۔ نہ دنیا کی زندگی کرنے کا طریقہ۔ نہ عالم بالا کی سیر۔ نہ خود اللہ تعالیٰ۔ بلکہ یہ تمام امور ضمنی طور پر آتے ہیں۔ یہ سمجھانے آتے ہیں کہ انسان کا تعلق اُن سے کیا ہے۔ مگر قرآن کا موضوع انسان ہے۔ اُس کو صراط مستقیم بتانا یہ اُس کا کام ہے۔ انسانی ارتقائی کیفیت اور اُس کے تنزلی مدارج کا جتلانا۔ اُس کی اچھائی اور بُرائی سے آگاہ کرنا یہ اُس کا کام ہے۔ انتہائی منزل تک قریب ترین راستے سے کیونکر پہونچ سکتے ہیں اُس کو واضح کرنا ہے۔ قرآن یہ روشن کرتا ہے کہ انسان کی نجات اُس کی ذات کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ اُس کی صفات کے ذریعہ سے ہے۔ ذات میں سب بنی آدم ہیں مگر پیغمبر کے بیٹے ہونے سے نجات نہیں ہوتی بلکہ صفات کے پیدا کرنے سے اور اُن کو بڑھانے سے

یہ صفات اسی وقت ترقی پذیر ہوتی ہیں جب کہ انسانی قوانین صحیح طور سے استعمال کی جائیں۔ جو قوتیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں وہ سب اپنی جگہ اچھی ہیں بشرطیکہ اُن کا صحیح استعمال ہو اور وہی طاقتیں بُری ہیں اگر اُن کا استعمال بُرا ہو۔ قرآن مجید کا کام یہ ہے کہ قوتوں کا صحیح استعمال بتائے۔ اُن کا صحیح مصرف جتلائے انسانی فطرت کے طوفان پر کٹہ باندھنا جائز نہیں۔ یہ سیلاب اس طرح نہ رُکے گا مناسب یہ ہے کہ اس سیلاب کو ایسی نہروں میں نکال دو کہ وہ بنجر زمین کو سیراب کرے اور شاداب بنائے یہ صحیح استعمال ہو جائے گا۔ انسان میں جھکنے کے بھی صفات ہیں اور اکڑنے کے بھی۔ اب کس کے سامنے جھکنا اور کس سے اکڑنا۔ یہی قرآن کریم کی تعلیم ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ سب دنیا انسان کے لیے ہے اور انسان خدا کے لیے۔ کائنات کی تمام چیزوں سے فائدہ اُٹھاؤ مگر جس کی نعمتیں ہیں اُس کی شکر گزاری کرو۔ اس لئے دنیا سے اکڑنا اور خدا کے سامنے جھکنا ہی صحیح راستہ ہے۔ یہی صراط مستقیم ہے۔ اِنِ اعْبُدُوْنِیْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ کبھی انسان غلطی سے اس طریقہ کو اُلٹ دیتا ہے۔ خدا کے سامنے جھکنے کے بجائے اسباب پر نظر رکھ کر دوسری طاقتوں کے سامنے جُھکتا ہے اور اس امر کو نظر انداز کر دیتا ہے کہ یہ سب قوتیں اللہ تعالیٰ کے قبضہ اختیار میں ہیں اُس کا ایسا کرنا شیطان کی موافقت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے متنبہ کیا ہے کہ یا بنی آدم آن لاتعبد الشیطان اگر تم یہ تعلق پیدا کرو گے تو صراط مستقیم سے دور جا پڑو گے۔ صراط مستقیم پر چلنے سے مرکزی طاقت پر قبضہ ہو جاتا ہے اور اُس سے ہٹنے والا دوزخ کے گڑھے میں گرتا ہے اور اُس میں گرنا دور ہونے کا لازمی نتیجہ ہے۔

قرآن مجید بتاتا ہے کہ صراط مستقیم ایک ہی ہے۔ اُس پر چل کر انسان جنت تک پہونچ جائیگا۔ اور اگر صراط مستقیم سے ہٹا تو پھر جس قدر بھی راہیں ملیں گی وہ لے جا کر جہنم کے گڑھے پر کھڑا کر دیں گی اور اُس میں سوائے گر پڑنے کے چارہ کار نہ ہوگا۔ یہ بھی مثل دوسرے قوانین کے اللہ تعالیٰ کا زبردست قانون ہے۔ لہذا انسانی سعی یہی ہونی چاہیے کہ وہ نیک عمل کرتا جائے اور صراط مستقیم پر قایم رہے۔

انسان عبدیت پر ہے اور رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کی عبدیت پر قائم رہنا یہ قدرتی قاعدہ ہے۔ اور اگر عبدیت خدائے تعالیٰ کی نہ کی تو اُس روگردانی کا یہ نتیجہ ہوگا کہ ایک نصب العین سے جو اُس کے روبرو ہونا چاہیئے ہٹ جائے گا اور اُس کے ساتھ ہی تنزل کی طرف رجوع ہوگا۔ ہر کس و ناکس کے روبرو جُھکنے لگے گا اور اُسی طرح تنزل کی انتہائی منزل پر پہونچ جائے گا۔ انسان اور انسان سے گائے بیل کے سامنے اور وہاں سے نباتات اور درختوں کے سامنے اور وہاں سے جمادات پتھروں کے سامنے اور پھر گوبر کے سامنے جُھکتا چلا جائے گا۔ اور یہ شیطان کی عبدیت ہے۔ انسانی ارتقار کی انتہا ولهم مایدّعون سے

ظاہر ہے اور انسانی تنزل کی انتہا تعبد الشیطان ہے جو جہنم کے گڑھے پر پہونچا دیتا ہے۔

ہر شخص عمل کرتا ہے عمل کرنے پر مجبور رہے اب وہ عمل اچھے ہیں یا بُرے اُس کو قرآن کے معیار پر جانچنا چاہیئے۔ ہر شخص میں کچھ صفات ہیں جس کو وہ اچھا سمجھتا ہے۔ کُلُّ فِرقٍ بما لدیھم فرحون اور اُن سے خوش ہے قرآن مجید آتا ہے اور آپ کو آپ کا کیمپ بتا دیتا ہے۔ وہ کھول کرسنا دیتا ہے کہ اس صفات کا حامل فلاں کیمپ میں رہے گا اور ان اعمال کا یہ نتیجہ ہے۔ ہر شخص دیکھ لے کہ وہ کس کیمپ سے تعلق رکھتا ہے۔

قرآن ایک چونکانے والی چیز ہے ایک بیداری کا پیغام ہے مگر اُس سے وہی راستہ پاتا ہے جس کے احساسات ستّہ بیدار ہوں۔ یہ احساسات ستّہ وہ ہیں جن سے فطرت انسانی بنتی ہے (۱) تقویٰ۔ (۲) ایمان بالغیب (۳) صلوٰۃ (۴) انفاق (۵) رواداری (۶) نتیجہ یا آخرہ پر ایمان رکھنا۔ اُس کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے بقرہ کے ابتداء میں کردی ہے۔ قرآن مجید انہیں لوگوں کو بیدار کرے گا جن میں یہ احساسات ستّہ صحیح طور پر موجود ہوں جن میں یہ مردہ ہیں اُن پر اللہ تعالیٰ کی حجت پورا کرتا ہے۔ چنانچہ مومن زندہ ہے اور کافر مردہ۔ زندگی سے مقصد انسانی زندگی ہے حیوانی زندگی نہیں کیونکہ جانوروں کی زندگی حقیقی زندگی نہیں۔ حیوان پر انسان کا تفوق اس کی بعض صفات کی وجہ سے ہے۔ اگر وہ صفات گم کردیئے جائیں تو پھر زندگی کیا باقی رہی جب انسان اپنی یہ فضیلت کھودے تو وہ عبدیت خدا کے نقطہ سے ہٹ جاتا ہے۔

انسان یہ احساسات ستّہ اپنے ہی تعصب۔ یا ضد یا تفوق جتلانے کے گھمنڈ میں مردہ کردیتا ہے عصبیّت بھی ایک بڑا پردہ ہے جس سے انسانی فطرت اوندھی ہوجاتی ہے اور خشیّت اُس سے نکل جاتی ہے حضرت شیخ احمد سرہندی نے ایک مثال دی ہے کہ آفتاب اپنی روشنی اور تابش میں یکساں ہے مگر کپڑا اُس سے سفید ہوتا ہے اور دھوبی کا رنگ کالا۔ اسی طرح پیغمبروں کی تعلیم کا اثر بھی مختلف قلوب پر مختلف ہوتا ہے۔ جن کے دل میں خشیّت ہوتی ہے اور جن کے احساسات ستّہ بیدار ہوتے ہیں وہ اس تعلیم سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور جو غافل اور عصبیّت میں گرفتار ہوتے ہیں اُن کے دل اور زیادہ سخت ہوجاتے ہیں۔ یہی خصوصیت قرآن مجید میں بھی ہے بعض قلوب اُس سے روشن ہوتے ہیں اور بعض قلوب اُس سے اور سخت اور تاریک۔ قرآنی اس خصوصیت سے ڈرنا چاہیئے۔

کائنات میں حسن بکھرا پڑا ہے۔ حسن کے معنی یہ ہیں کہ کوئی چیز ایسی ہے جیسی کہ ہونی چاہیے۔ اگر وہ اپنی جگہ سے ہٹ گئی تو اُسی قدر حسن سے دور ہوگئی۔ اُنگلی کے لیے سیدھا ہونا اور ابرو کے لیئے ٹیڑھا

اُس کا حُسن ہے۔ اس سے تفاوت باعث نقص ہے۔ دنیا میں ہر چیز اپنی جگہ حسین ہے۔ پھول اپنی جگہ حسین ہے اور کانٹا اپنی جگہ حسین ہے۔ اگر انسان بھی اللہ تعالیٰ کے قوانین کی پابندی میں عمل کرتا ہے تو حسن عمل سے نہیں ہٹتا۔ مگر اُس کے ہٹنے کی ایک وجہ ہے۔ عالم کی اور اشیاء کام کر رہی ہیں۔ آفتاب شعاعیں پھینکتا ہے۔ گھوڑا چلتا ہے۔ مگر آفتاب اور گھوڑے کو یہ اختیار نہیں کہ چاہے تو نہ کرے۔ یہ بات صرف انسان میں ہے کہ دو چیزوں میں سے ایک اختیار کر سکتا ہے۔ اب اگر انسان فطری قوانین کے مطابق عمل اختیار کرتا ہے تو اپنے اندر حسن عمل پیدا کرتا ہے لیکن اگر نہیں کرتا تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ اُس کی نظر سطحی ہے اُس سے بعض علوم غائب ہیں۔ وہ بظاہر اسباب سے غلط نتیجہ نکال کر حسن عمل سے ہٹ جاتا ہے۔ قرآن مجید آتا ہے اور اُس کو وہ صحیح علوم بہم پہونچا دیتا ہے۔ قرآن مجید اُن جہالتوں کو رفع کرتا ہے جو انسان کے اندر ہیں جو شخص دنیا کو اپنا نصب العین بناتا ہے اُس کی سب تمنائیں پوری نہیں ہوتیں اور وہ حسن عمل سے ہٹ جاتا ہے۔ جو دنیا سے اپنی نظر بلند کر کے یہ سمجھ لیتا ہے کہ موت کی تلوار اُس کے حسن عمل کو کاٹتی نہیں ہے۔ بلکہ اس کی تکمیل کرتی ہے اور موت انسان کو جانچتی ہے کہ تم میں سے کون اپنے جمال اور حسن پر قائم ہے۔

کائنات کی تمام چیزوں کا معیار انسان اور اُس کی فطرت ہے۔ جس کو وہ اچھا سمجھتا ہے حسین کہتا ہے مگر انسانی حسن کا معیار اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے جو اللہ تعالیٰ کے قواعد کے مطابق ہے وہ حسین ہے اور جو اُس سے دور ہے وہ اُسی قدر حسن سے دور ہے۔

جہل بعض وقت استعمال کی ناواقفیت سے بھی ہوتا ہے۔ صحیح استعمال معلوم ہونے کے بعد اُس کی قدر ہوتی ہے۔ چنانچہ پٹرول کو پانی سمجھ کر پینا مضرت بخش ہوگا۔ مگر صحیح استعمال معلوم ہونے کے بعد وہ مفید ہوگی۔ لہذا حسن نہ سمجھنے کی ایک وجہ غلط استعمال بھی ہے۔

بنی آدم دو قسم کے ہوتے ہیں عوام اور خواص۔ عوام لوگ دوسروں کے غور و فکر کے نتائج پر چلتے ہیں اور خاص خود غور کرتے ہیں۔ اگر عوام ہو تو بڑے انبیاء کے اقوال و افعال کی متابعت کرو اور خاص ہو تو حضور اکرمؐ کی زندگی اور وہ کلام جو وہ لائے ہیں اُن پر غور کرو تو خود معلوم ہو جائے گا کہ صداقت کہاں ہے۔

جنت ایک عالم ہے جہاں ہر چیز انسانی فطرت کے موافق ہے اور دوزخ بھی ایک عالم ہے جہاں ہر چیز انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ وہاں ہر چیز اُس کے منشاء کے خلاف ہوگی۔ وہاں کی پیداوار۔ وہاں کی ہوا۔ وہاں کا پانی سب ایسے ہوں گے جو انسانی فطرت کے سخت مخالف ہوں گے اور جن سے انسان کو سخت نفرت ہوگی برخلاف اس کے جنت کی ہر چیز اس کی فطرت کے مطابق اور اُس کی خواہش کے

موافق ہوگی۔ اب جس نے اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے منشاء کے موافق عمل کیا ہوگا تو دوسری دنیا میں ہر چیز اُس کے منشاء کے موافق ملے گی اگر اُس نے یہاں مخالفت کی ہوگی تو دوسرے عالم میں ہر چیز اُس کے منشاء کے خلاف ہوگی۔

کائنات منقسم ہے تین قسم کے عالموں پر۔

عالم خیر محض	عالم شر محض	عالم مخلوط
جنت	دوزخ	دنیا
عالم ملکوت	عالم شیاطین	عالم انسان

پہلی جگہ صرف نور ہے۔ روشنی ہے وہ تمام سامان ہیں جس کو انسانی فطرت چاہتی ہے۔ دوسری جگہ ظلمت ہے تاریکی ہے وہ تمام سامان ہیں جس سے انسانی فطرت نفرت کرتی ہے۔ عالم مخلوط میں خیر و شر دونوں پائے جاتے ہیں اور اس عالم میں ایسے ہی لوگ بستے ہیں جن میں خیر و شر دونوں سے نسبت پیدا کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ جاننا چاہیئے کہ اس عالم مخلوط میں چند منضبط قوانین عمل کر رہے ہیں۔ پہلا قانون ہے سبب و نتیجہ کا۔ جو نہایت زبردست بن کر عالم انسانی پر حاوی ہے۔ آگ میں جلانے کی خاصیت ہے۔ جو چیز اُس میں ڈال دی جائے جل جائے گی۔ پس جو اپنے آپ کو آگ اور جلنے سے بچانا چاہتے ہیں اُن کو اچھی طرح معلوم کر لینا چاہیئے کہ آگ سے دوری میں بچاؤ ہے۔ اسی طرح عمل بد بھی جاذبیت رکھتا ہے عالم شر سے۔ اور جو اپنے آپ کو دوزخ سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں وہ جان رکھیں کہ عمل بد سے پرہیز ویسا ہی لازمی ہے جیسا کہ آگ کی قربت سے پرہیز لازمی ہے۔ جہاں انسانی عقل کی رسائی نہ تھی اُس کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے قوانین بھیجے۔ اپنے نبی بھیجے جنھوں نے اُس قانون پر عمل کر کے اس کو قابلِ عمل ثابت کر دیا۔ اور ظاہر کر دیا کہ جو بلندی ہم نے حاصل کی اُسی پر عمل کر کے تم بھی بلند ہو سکتے ہو۔ قرآن مجید بتاتا ہے کہ عالم خیر سے انتساب پیدا کرنے کے کیا ذرائع ہیں اور عالم شر سے پرہیز اور بُعد کیونکر ممکن ہے۔

عالم مخلوط میں جھلک ہے عالم خیر کی بھی اور عالم شر کی بھی۔ اسی طرح نفس انسانی میں بھی ان دونوں کی جھلک موجود ہے۔ اسی واسطے کبھی انسان راحت و حسن سے خوش ہوتا ہے اور کبھی دکھ اور سرکشی دکھاتا ہے کبھی لذتوں سے خوش ہوتا ہے اور کبھی تکلیف سے چیخ اٹھتا ہے کبھی نیکی کی طرف مائل ہو کر سکون حاصل کرتا ہے تو کبھی بدی کی طرف مائل اور سرکشی اور تمرد پر آمادہ نظر آتا ہے۔ اب جو قرآن مجید کو اپنا رہنما بنا لیتے ہیں اور نبی برحق کے افعال و اقوال کی اتباع کرتے ہیں تو اُن کو عالم خیر سے نسبت پیدا ہو جاتی ہے اور موت کے بعد وہ اپنے حسن کی تکمیل کریں گے عالم خیر میں منجذب ہو کر۔ برعکس اس کے جو سرکشی دکھلاتے

ہیں اُن کو عالم شر سے نسبت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ بُرے اعمال کی بدولت منجذب ہو جائیں گے دوزخ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُن کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا یعنی ایسے عالم کی طرف بھیجا جائے گا جو پست تر ہے عالم مخلوط سے۔

چونکہ عالم مخلوط میں معصوم رہنا بنی آدم کے لیے قریب قریب ناممکن ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کی شان رحیمیت اور غفوریت جلوہ نما ہونگے اور اُن کی مدد سے انسان علویت کی طرف بلند ہو سکے گا۔ مگر انتساب پیدا کرنا یہ محض انسانی عمل کا نتیجہ ہے۔ اس لیے فرمایا ہے کہ قد افلح من ذکّٰھا وقد خاب من دسّٰھا قیامت میں یہ فیصلہ کر دیا جائے گا کہ جو شخص جس عالم سے نسبت رکھتا ہے وہ وہاں رکھا جائے۔ ایسا کرنا بھی عین حسن ہے۔ چنانچہ دوزخیوں کا دوزخ میں رہنا اور جنتیوں کا جنت میں رہنا یہ بھی حسن میں داخل ہے۔

علوم قرآن وہ علوم جن کو قرآن کریم نے صراحت سے بیان کیا ہے وہ علوم پنجگانہ ہیں۔

(۱) علم احکام: از قسم واجب۔ مستحب۔ مکروہ۔ حرام۔ یہ احکام خواہ عبادت میں ہوں خواہ معاملات میں۔ خواہ تدبیر منزل میں ہوں یا سیاست مدن میں۔ اُن کی تشریح فقہا کے ذمہ ہے۔

(۲) علم مناظرہ جو چار گمراہ فرقوں کے ساتھ کیا گیا۔ یہ چار فرقے یہود۔ نصاریٰ۔ مشرکین۔ منافقین ہیں۔ اس علم کی تفریح متکلین کے ذمہ ہے۔

(۳) علم تذکیر بہ آلاء اللہ (آیات قدرت) مثلاً زمین و آسمان کے پیدا کرنے اور بندوں کو اُنکی ضروریات کا الہام کرنے۔ نیز خداوند تعالیٰ کے صفات کاملہ کا بیان۔ عجائبات عالم۔ نفسانی نعمتیں جو اولیاء و علماء کے سات مخصوص ہیں ان سب کو بیان کرنے کا نام ہے۔

(۴) علم تذکیر بہ ایام اللہ (قصص پیشین) یعنی اُن واقعات کا بیان جن کو اللہ تعالیٰ نے اُصول مسلمہ کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ مثلاً اطاعت کرنے والوں کو انعام۔ وجزا مجرموں کو تعذیب و سزا جن کو انبیاء کے قصص کے ضمن میں فرمایا۔

(۵) علم تذکیر موت اور اُس کے بعد کے واقعات مثلاً حشر و نشر حساب۔ میزان۔ جنت و دوزخ۔ ان علوم کی تفاصیل کو محفوظ رکھنا اور ان کے مناسب حادیث و آثار ملحق کرنا یہ واعظین کا کام ہے۔

قرآن مجید میں ان علوم کا بیان قدیم عربوں کی روش پر کیا ہے۔ متاخرین کا اسلوب بیان اختیار نہیں کیا گیا۔

کلمہ طیبہ انسانی معلومات میں جس قدر اضافہ ہوا ہے اور جس قدر بڑے بڑے انقلابات ہوئے ہیں جن سے انسانی زندگیوں میں کوئی تغیر واقع ہوا ہے۔ اُن سب میں اہم ان سب

میں عظیم ترین اضافہ اُس علم کا اضافہ ہے جو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے ذریعہ سے ہم تک پہونچایا۔ وہ کلمہ طیب لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ ہے۔ نیوٹن نے کشش ثقل سے یا گیلیلو نے سولر سسٹم کو دریافت کر کے انسانی معلومات میں وہ تغیر اور اضافہ نہیں کیا جو اس کلمہ کی یافت سے ہوتا ہے۔ اس کلمہ کے دو جزو ہیں پہلا جزو ایمان باللہ۔ دوسرا جزو ایمان بالرسول۔

پہلے جزء کا مطالبہ ہے کہ اللہ کو اپنا الٰہ بنا لو۔ الٰہ کے معنی ہیں وہ ہستی جو عبادت کے قابل ہے اُس کی مستحق ہے۔ کیوں؟ اِس لئے کہ موصوف ہے تمام صفات وکمالات سے پرستش کے لائق ہے اس لئے کہ منزّہ ہے تمام عیوب ونقصانات سے۔ پرستش کے لائق اس لئے ہے کہ ہماری تمام ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ رب ہے۔ سمیع ہے۔ بصیر ہے۔ تمام اشیاء پر محیط ہے۔ ورید سے قریب ہے تم جہاں ہو تمہارے ساتھ ہے۔ انسان جتنا زیادہ خالق ومخلوق کے ان تعلقات کو سمجھتا جاتا ہے اُسی قدر خالق سے رابطہ قائم کرتا ہے اُس کے روبرو جھکتا ہے۔

انسان مرعوب ہوتا ہے دو چیزوں سے۔ طاقتوں اور صفات کا مظاہرہ دیکھ کر یا نفع ونقصان کا مالک سمجھ کر۔ جن میں یہ خوبیاں دیکھتا ہے وہاں یا تو حصول دولت وطاقت کیلئے یا نفع حاصل کرنے کے لئے جاتا ہے۔ اُس کے روبرو عجز وانکسار کرتا ہے۔ اُس کے روبرو جھکتا ہے۔ مگر جب انسان کو یہ علم ملتا ہے کہ کوئی مصیبت نہیں پہونچتی ہے انسان کو مگر اللہ تعالیٰ ہی کے علم وارادے سے یا یہ کہ نفع ونقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے تو بس انسان اپنی عبادت واستعانت کے تعلقات مخلوق سے توڑ کر خالق سے جوڑتا ہے۔ اس علم سے اُس کے افعال میں ایک تغیر عظیم پیدا ہوتا ہے وہ تمام مخلوق کو اپنے جیسا حاجت مند سمجھتا ہے۔ اور اُن سے غنی کا برتاؤ کرتا ہے۔ وہ خالق کو اصلی دینے والا جانتا ہے اُسی سے مانگتا ہے۔ اُسی کے روبرو جھکتا ہے۔ حاجت کے تعلقات اُسی سے قائم کرتا ہے۔ اِس رشتہ کی تصحیح کا نام ہے اللہ کو الٰہ ماننا۔ جس کسی نے اس علم کو صحیح کر لیا بس وہ عبدیت کے صحیح نقطہ پر پہونچ گیا۔ اُس کا قبضہ مرکزی طاقت پر ہو گیا اور اُس کے تمام قوانین اُس کے موافق ہو گئے اُس پر یہ راز کُھل گیا کہ کائنات اور اُس کی تمام اشیاء انسان کے لیے ہے اور انسان خدا کے لیے۔ جو اللہ تعالیٰ کے قوانین کے صحیح بہاؤ کی طرف ہو گیا تو اُس کو اُن قوانین سے مدد ملے گی اور وہ صحیح رخ میں بہے گا۔ اللہ تعالیٰ کے جملہ قوانین کو اپنے موافق پائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس پر غفور ورحیم وارحم الراحمین کی تجلیات کریں گے۔ اس طرح کائنات کا یہ سرکل پورا ہو جاتا ہے۔ ہر چیز کا صحیح مصرف اُس کی سمجھ میں آتا ہے اگر انسان اس نقطہ سے ہٹتا ہے تو وہ گرتا جاتا ہے۔ ہر کس وناکس کے روبرو جھکتے جھکتے نباتات۔ جمادات کو

پرستش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کے تمام قوانین اُس کے خلاف عمل پیرا ہوتے ہیں اور وہ اپنے خالق کی جباریت اور قہاریت کا مورد بن جاتا ہے۔

انسانی علم کا صحیح اور غلط ہونا بس اسی نقطہ سے شروع ہوتا ہے۔ اور اس علم کی تصحیح کے بعد انسان کے اندر ایک انقلاب پیدا ہوتا ہے وہ ہر چیز کی صحیح جگہ سمجھ لیتا ہے اور اُس کے مطابق عمل پیرا ہوتا ہے۔ عمل سے نور پیدا ہوتا ہے اور نور سے ایمان کو تقویت ہوتی ہے۔ یہ علم حاصل کرنے کے بعد انسان خود کو خدا کے سپرد کر دیتا ہے اسی کا نام ہے اسلام لانا۔ اس کے بعد اُس کے جتنے کام ہوں گے سب اللہ کے لیے ہوں گے۔ اور اُس کا اجر بھی اُسی سے طلب کرے گا۔ کوئی فعل خاندان یا قوم یا وطن کے لیے نہ کرے گا۔

انسان پر اللہ تعالیٰ کئی طریقے سے جلوہ گر ہوتا ہے۔ ایک طریقہ تو وہ ٹھوس قوانین کا ہے جس کو ہم اپنے اطراف وجوانب میں دیکھتے ہیں کہ دنیا کی ہر چیز اسباب وعلل کے سلسلہ میں سختی سے پابند ہے۔ اس میں ذرہ برابر فرق نہیں ہوتا۔ دن رات کا ہونا۔ موسم کا بدلنا۔ غلہ کا ایک خاص طریقے سے بڑھنا اور پکنا غرض ہر چیز میں قاعدہ ہے۔ ضابطہ ہے۔ اب یہ سوال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود کو انھیں قوانین کا پابند کر لیا ہے یا ان قوانین کے خلاف بھی کارفرمائی ہوتی ہے اُس کا جواب قرآن پاک دیتا ہے۔ سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً مِنَ المسجد الحرام الی المسجد الاقصا الذی بارکنا حولہ لنریہٗ من اٰیاتنا اِنّہٗ ھُوَ السمیع البصیر۔ قرآن پاک بتلاتا ہے کہ جب انسان عبدیت کے نقطہ پر قائم ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے روبرو اپنی پاکی کا اظہار بلند ہو کر فرماتے ہیں۔ اپنی جلوہ گری دوسرے طور پر کرنے لگتے ہیں۔ اس کے روبرو بلند مرتبت سے رونما ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ یہ بلندی مراتب انسانی کی بلندی کی نسبت سے بڑھتی جاتی ہے اور انسان ہر وقت یہ پاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ زیادہ بلند ہے۔ زیادہ پاک ہے۔ زیادہ وریٰ ہے ثم وریٰ ہے۔ وری الوریٰ ہے۔ پھر ایک مرتبہ وہ آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن قوانین کی پابندی کو کہیں سے ڈھیلا کر دیتے ہیں اور انسان سے کرامت سرزد ہونے لگتی ہے۔ اُس کے بعد اُن قوانین کو اور ڈھیلا کر دیتے ہیں تو معجزہ دکھائی دیتا ہے بعض جگہ یہ قوانین کی پابندی اٹھادی جاتی ہے اور اُس کو اپنے عجائبات کی سیر کرائی جاتی ہے۔ یہ سب نتائج ہیں عبدیت کے نقطہ پر قائم ہو جانے کے۔

ابتدائی درجہ توحید لسانی کا ہے۔ اُس کے بعد توحید افعالی شروع ہوتی ہے۔ پھر توحید شہودی اور پھر توحید وجودی۔ یہ سب کیفیات ہیں جن کا تعلق عمل سے ہے۔ اس لئے صوفیا نے نسبت کی دو قسمیں بتلائی ہیں۔ نسبت علمی اور نسبت عملی۔ نسبت علمی سے پہلے صحیح علم آتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے اوصاف

کو ہمارے روبرو بے نقاب کرتا ہے۔ اُس سے جو رابطہ قائم ہوتا ہے اُس کو نسبت علمی کہیں گے۔ یا توحید لسانی۔ اُس کے بعد انسان کثرت سے خدا کی یاد کرتا ہے اور اُس میں مستغرق ہو جاتا ہے جن کو ذکر و فکر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اُن کی زیادتی قال کو حال سے بدل دیتی ہے اور جس معبود کو ہم اپنے علم سے جانتے ہیں اُس کو عمل کے ذریعہ سے صحیح پانے لگتے ہیں۔ علمی جہت سے اللہ تعالیٰ کو جاننا اقرب ترین راستہ ہے مگر اُس میں دو مشکلات ہیں ایک تو اس علم کو استقلال نہیں ہوتا یعنی دل میں دیر تک قائم نہیں رہتا دوسرے یہ کہ قال کے زیادہ دخل سے اکثر لوگ منطقی نہج اختیار کر لیتے ہیں اُن کو فائدہ کم ہوتا ہے اس لئے صوفیا نے نسبت عملی کو ترجیح دی۔ پہلے ذکر سے رابطہ قائم کیا اُس کے بعد اس کی دھن میں مستغرق ہو گئے جس کو مراقبہ کہتے ہیں۔ اس ذریعہ سے حال کھلنے لگتا ہے اور روحانی کیفیات ظاہر ہونے لگتے ہیں اور پھر قال یا بحث کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ یہ لیبوریٹری کا کام کرتی ہے کہ ایک دعویٰ کیا اُس کو عمل سے صحیح کر دکھایا۔ اس طرح عمل سے انسانی ایمان کی تکمیل ہوتی ہے اور نسبت مستحکم ہوتی جاتی ہے۔ اسلام نام ہے جاننے۔ ماننے اور عمل کرنے کا۔ انسان کامل وہ ہے جس میں یہ تینوں جزو پورے ہوں۔

جس کی زبان پر اللہ ہے اُس کو مسلمان کہا جائے گا وہ شرعی قانون کی گرفت سے بالاتر ہو جائے گا۔ مگر جب تک دل میں اللہ نہ ہو اُس وقت تک ایمان ناقص رہے گا۔ لیکن جب دل میں اللہ بس جائے گا تو اس وقت انسان اللہ کو الٰہ ماننے لگے گا۔ اپنی حاجات کو اُسی کے سپرد کرے گا۔ اور پکاریگا کہ اِنَّ صَلَاتِی ونسکی ومحیایا ومماتی للہ رب العالمین۔ یہ عبدیت کا درجہ ہے جس کی تلقین کلمہ طیبہ کے پہلے جزو میں ہے۔

کلمہ طیبہ کا دوسرا جزو تصدیق رسالت ہے۔ ایمان بالغیب کے لیے ایمان بالرسالت کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اللہ اور بندے کے درمیان واسطہ علمی صرف رسالت کا ہوتا ہے۔ جتنا مستحکم ایمان رسالت پر ہو گا اُسی قدر ایمان باللہ قوی ہو گا۔ جیسے دنیا دیکھنے کے لیے روشنی اور آنکھ کی ضرورت ہے ویسے ہی اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لیے عقل اور نبوت کی ضرورت ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے آنکھ سب کو دی ہے۔ اسی طرح عقل بھی عطا فرمائی ہے مگر جیسے انسانی آنکھ بغیر روشنی کے بے کار ہے ایسے ہی عقل بلانبی کے بے کار ہے۔ لہذا ایمان بالرسالت ضروریات سے ہے۔ ہم کو رسول کی زندگی پیش نظر رکھ کر اُس کی صداقت کو عقل کی روشنی میں جانچ لینا چاہیئے اور جب اُس کو سچا اور برحق معلوم کر لیا تو اُسکی تعلیمات پر بے چون وچرا عمل کرنا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ جو نبی کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اُن کا ایمان کا مقابلہ دوسرے نہ دیکھنے والے نہیں کر سکتے۔ اسی لئے صحابہ کا ایمان دوسروں کو میسر نہ ہوا۔

وجود باری

انسانی فطرت کا یہ ایک اہم مطالبہ ہے کہ اُسے بتایا جائے کہ اس عالم کا نقطۂ آغاز کیا ہے اور کیسا ہے۔ اس کا جواب سائنس اور فلسفہ کی حد پرواز سے خارج ہے۔ اس کا جواب قرآن پاک یہ دیتا ہے کہ اس عالم کی ابتدا ایسی ذات سے ہوئی جو زندہ ہے۔ صاحب علم و ارادہ ہے۔ غیر محدود کمالات کا سرچشمہ ہے یہ جواب عقل و احساس کے بالاتر توسط سے یعنی وحی و نبوت سے پیش ہوا ہے۔ اور انسانی فطرت میں اس جواب کے قبول کرنے کی گنجائش بھی ہے۔

اس عالم محسوس سے جس کو ہم دیکھتے ہیں انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اب اس عالم کے خالق کو یہ مانا جائے کہ خدا ہے تو یہی دعویٰ ہے اور اگر یہ نہ مانا جائے گا تو یہ ماننا پڑے گا کہ یہ عالم خود بخود موجود ہے بہرحال ایک ایسی ہستی کو ماننے سے گریز نہیں کہ وہ خود بخود موجود ہے۔ غرض انکار کے ساتھ ہی ہم خود کو اقرار پر مجبور پاتے ہیں۔ غرض خدا پرست ہو یا مادہ پرست کسی کو بھی ایسے وجود کے ماننے سے چارہ نہیں جو قدیم ہے۔ اب رہی یہ بات کہ اُس ہستی کے اوصاف کیا ہیں تو ہم سلسلہ علت و معلول کی طرف توجہ کریں گے۔ جس خوبی سے چیزوں کا ظہور عمل میں آیا ہے۔ اس کی حکمت پر غور کریں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ اس طرح عقل و حکمت کا سرچشمہ بھی اُن اوصاف سے پُر ہونا چاہئے جب تک اصل میں نہ ہو فرع میں نہیں آسکتا۔ اگر اصل میں زندگی نہ ہو۔ ادراک و علم نہ ہو۔ فکر و ارادہ نہ ہو تو پھر اس کی فرع میں یعنی انسان میں یہ چیزیں کہاں سے آگئیں اس اصول کو شیخ محی الدین ابن عربی اصل و فرع کا قانون کہتے ہیں اور یہ قانون بتلاتا ہے کہ سرچشمہ عالم کو انھیں صفات و کمالات سے متصف ہونا چاہئے۔

رہا یہ سوال کہ عالم کا سرچشمہ اور نقطہ آغاز ایک ہے یا چند۔ یہ بات ظاہر ہے کہ آفرینش عالم اور تنظیم کائنات کے لیے ہم ایک ایسی قوت کے ماننے پر مجبور ہیں جس سے سب چیزیں نکلی ہوں اور وہ کسی سے نہ نکلا ہو۔ جب ہم نے اس کو مان لیا تو پھر یہاں جو کچھ ہے اُس کی توجیہہ ہو جاتی ہے اور کسی دوسری قوت کے ماننے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک بجز معدودے چند نفوس کے انسانی فطرت نے اس احتمال کو کبھی نہیں پیدا کیا۔ حتیٰ کہ مادیین نے خدا کے اوصاف میں تو اختلاف کیا۔ مگر عالم کی ابتدا کے مسئلہ میں وہ بھی متفق ہیں کہ سرچشمۂ آغاز ایک ہی ہے۔ بہرحال ایک سے زیادہ خدا کے ہونے کا جو مدعی ہے بار ثبوت اسی کے ذمہ ہے۔ عقل تو اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتی اور سائنس نے مادے کو تحلیل کرکے وحدت کے نقطہ تک پہونچا دیا ہے اور عالم محسوس کے انتہائی عناصر متعدد نہیں بتلائے جاتے بلکہ صرف ایک ہے جس کو موجودہ اصطلاح میں برق پاروں (ایلکٹرون) سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اُن برق پاروں کو اثیر (ایتھر) کے موجوں کی گرہیں قرار دی ہیں تو قانون تناسب کے

رو سے بھی ماننا پڑتا ہے کہ اس عالم کا سرچشمہ ایک ہی ہونا چاہیئے۔ بہرحال کثرت کو وحدت کی شکل میں دیکھنا انسان کا فطری میلان ہے۔ رنگ مختلف نظر آتے ہیں مگر ان سب کو نور ہی کی جلوہ آرائی قرار دیجاتی ہے۔ یہ ہمارے دماغی ساخت کا اقتضاء ہے۔ توحید کے ماننے کا اخلاقی اثر یہ ہوتا ہے کہ اس کا ماننے والا اور تمام ہستیوں سے خود کو بلند محسوس کرتا ہے۔ اپنی وابستگی صرف ایک معبود سے قائم کرکے دوسروں سے بے نیاز ہوجاتا ہے۔ وہ اپنے اندر غیر معمولی قوت پاتا ہے۔ ایک سکون اور استقامت محسوس کرتا ہے اُس کا دل ڈانواں ڈول نہیں ہوتا۔ وہ پریشانی میں بھاگتا نہیں پھرتا۔ وہ اسی توحید کو جملہ بےچینیوں کا مرہم پاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اُس کے پروردگار نے اُس کو خلیفہ بنا کر اس عالم میں بھیجا ہے۔ اور دنیا کا ہر ذرہ اس کے سامنے جھکنے پر مجبور ہے۔ وہ اس اعتبار سے اس عالم کا حاکم اور خدا کا محکوم ہے۔

برخلاف اس کے شرک کا کرنے والا ایک نقطے پر قائم نہیں رہ سکتا۔ اُس کی نیت ڈانواں ڈول ہے۔ اُس کی ہمت کمزور۔ اس کے ارادے پست ہوتے ہیں۔ وہ نفع حاصل کرنے اور قوت پانے کبھی ادھر دوڑتا ہے کبھی ادھر بھاگتا ہے اور کہیں تسکین و تشفی نہیں پاتا۔ بنایا تو گیا تھا خلیفہ مگر اپنی نااہلی سے کائنات کے ہر ذرے کے سامنے جھکنے لگتا ہے۔ اُس کا یہ جھکنا انسانیت کے درجے سے گرجانا ہے۔ جب وہ گرنے لگتا ہے تو پھر گرتا ہی چلا جاتا ہے۔ اور مٹی پتھر۔ حجر و شجر سب کے سامنے جھکتا ہے۔ اور اس طرح اپنی حالت کا اعلان کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شرک کو بدترین چیز کہا گیا ہے۔ اُس کو ظلم عظیم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وہ خدا کے دیئے ہوئے مرتبہ کی ناشکری ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہ کرے گا۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے اس بنیادی مسئلہ یعنی مسئلہ توحید کو صاف لفظوں میں ظاہر کیا ہے جو کسی اور آسمانی کتاب میں نہیں ملتا۔ اور جتنا زور توحید پر دیا ہے اُس سے مسلمانوں کے لیئے بھٹکنے کی گنجائش بھی باقی نہیں رہتی۔ توحید کے بعد صفات خداوندی کو واضح طور پر بتلایا گیا ہے۔ تاکہ اُن میں شبہ کی گنجائش نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کو بندوں کی طرف منسوب کرنا شرک ہے اور بندوں کی کمزوریاں اور عیوب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا الحاد ہے۔ عمل صحیح کے لیے ان دونوں سے بچنا ضروری ہے۔

مسئلہ بقائے اصلح

درخت تین قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو عمدہ پھل دیتے ہیں۔ ایک وہ جو بُرے پھل دیتے ہیں۔ تیسرے وہ جو کوئی پھل نہیں دیتے۔ باغبان دوسرے اور تیسرے قسم کے درختوں کو قطع برید کرتا رہتا ہے تاکہ پہلے قسم کے درختوں کو بڑھنے کا موقع ملے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ دنیوی زندگی میں اچھے لوگوں کو اور ان کی نسلوں کو بڑھاتا ہے اور دوسری اور تیسری قسم کے لوگوں کو جن سے بھلائی کی توقع نہیں ہوتی فنا کرتا رہتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو دنیا بغاوت سے بھر جائے اسی طرح دنیا کی قوموں کا بھی حال ہے۔ جب تک وہ سرکشی نہیں کرتیں اُن سے درگزر کرتا رہتا ہے۔ مگر جب ان کی سرکشی بڑھ کر ایک خاص پیمانہ پر پہونچی اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو تباہ و برباد کر دیا۔ اس کے متعلق متعدد بار قرآن مجید میں وعید آتی ہے۔ یہ اصول بقائے اصلح یا بقائے انفع کے نام سے مشہور ہے۔

مسئلہ جبر و قدر

یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان اپنے افعال و اعمال میں مجبور ہے یا مختار یہ تو ظاہر ہے کہ انسان اپنی سب ضروریات کے لئے اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی اشیاء کا محتاج ہے۔ اگر اس کرہ سے ہوا کو ہٹالی جائے تو اُس کی زیست محال ہے۔ اسی طرح جملہ کھانے پینے کی چیزوں۔ بیماریوں میں اور بہت سی چیزوں میں ہم اس کو بالکل مجبور پاتے ہیں۔ اُس کی دماغی ساخت بھی اُس خواہش کے تابع نہیں ہے۔ بعض صفراوی مزاج پیدا کئے گئے۔ اور بعض سوادائی۔ بعض پر غصہ غالب ہے اور بعض پر دوسرے جذبات طاری ہیں۔ غرض ان سب چیزوں میں انسان مجبور نظر آتا ہے۔ مگر اس مجبوری کے ساتھ ساتھ دوسری چیزوں میں مختار بھی نظر آتا ہے۔ اُس کو انتخاب کا حق ہے مختلف کھانے پینے کی اشیاء میں امتیاز اور انتخاب کرتا ہے اور ایک کو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور دوسرے کو رد کر دیتا ہے۔ یہی وہ نقطہ ہے جہاں اُس کو اختیار حاصل ہے وہ اپنی زندگی کے لیے ایک راستہ انتخاب کرتا ہے اور اُس پر عمل کرنے کا ارادہ اور کوشش کرتا ہے۔ چونکہ ان باتوں میں اُس کو اختیار حاصل ہے اس لئے وہ افعال کا ذمہ دار ٹھہرتا ہے اور اسی لئے سزا و جزا کا مستحق گردانا جاتا ہے۔ اگر وہ بالکلیتہً مجبور ہوتا تو مذہب اُس کو مستحق سزا نہ گردانتا۔ یہی دلیل اس امر کے ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ اُس میں اختیار موجود ہے۔ (۲) پیغمبروں کی تعلیم بھی یہی بتاتی ہے (۳) انسانی فطرت پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس میں انتخاب کی قوت ہے اور ہم سب اُس کو مانتے ہیں۔ ورنہ دنیوی امور میں ہم کبھی جد و جہد نہ کریں۔ ہمارا دنیا میں انہماک۔ افکارات و پریشانیاں۔ خوف و ہراس سب ہمارے اختیار کا پتہ دیتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ انسان دنیوی امور میں خود کو مجبور نہیں سمجھتا وہ تو صرف دین کے معاملے میں خود کو مجبور بتلانے کی کوشش کرتا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ محض سستی سے یا خدا کو ٹالنے کے لئے یہ بہانے تراش رہا ہے۔ (۴) ایک اور دلیل اُس کے مختار ہونے کی یہ بھی ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صورت پر بنایا اور اوس کو اپنی قوتیں عطا کیں۔

لہٰذا اُس کو یہ قوت بھی ملنی چاہیے تھی۔ جب خدا میں اختیار ہے تو بندے میں بھی اختیار ہوگا اور ایسا ہی ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بندے کے اس اختیار سے کیا رشتہ ہے حکم اور علم دو چیزیں ہیں۔ محکوم حاکم کا تابع ہے مگر یہ نسبت خدا اور بندے میں اختیاری اشیاء میں نہیں بلکہ اس کا رشتہ عالم اور معلوم کا ہے۔ تقدیر کا مسئلہ علم کے تحت ہے۔ پیغمبروں کی تعلیم سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ اُس کی مثال یوں سمجھنی چاہیئے کہ کسی رمال یا نجومی نے اپنے علم سے یہ معلوم کیا کہ ایک شخص دس روز میں قتل ہونے والا ہے۔ اگر وہ شخص اس مدت میں قتل ہوگیا تو اُس کا الزام نجومی پر عائد نہیں ہوسکتا۔ اُس نے تو صرف معلوم کیا۔ اُس نے ارتکاب نہیں کیا۔ دوسری مثال ریلوے ٹائم ٹیبل کی ہے کہ اُس میں لکھا ہے کہ فلاں گاڑی دو بجے فلاں اسٹیشن پر پہونچے گی۔ ریل چلتی ہے اپنے زور سے نہ کہ اُس ٹائم ٹیبل کے ذریعہ سے۔ مسئلہ تقدیر میں یہ حکم و علم کا فرق ہے جو جاننا اور سمجھنا ضروری ہے۔ تقدیر صرف علم خدا ہے۔

انسان جہاں اپنی جملہ قوتوں کے لیے خدائے تعالیٰ کا محتاج ہے بینائی۔ شنوائی ہر آن اور ہر لحظہ ہم کو اُس قیوم مطلق سے بطور فیضان کے ملتے رہتے ہیں وہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ منجملہ اور قوتوں کے اس قوت اختیار کو بھی اللہ تعالیٰ ہم کو ویسا ہی دیتا رہتا ہے اور ہم اپنی سمجھ کے موافق اُس کا استعمال کرتے ہیں اور جواب دہی کے مکلف ہوتے ہیں۔

اس مختصر سی بحث سے یہ بات ثابت ہے کہ انسان مجبور بھی ہے اور مختار بھی۔ اس کو اختیار ہے مگر کم اور جبر زیادہ ہے۔ انسان اپنے اختیار کی مناسبت سے سزا کا مستحق ہے۔ اسی لئے نیکی کا بدلہ دس گنا ہے اور بدی کا بدلہ ایک۔ انسان کا مواخذہ ہر معاملہ میں اُسی قدر ہوگا جس قدر اُس نے اپنے اختیار کو استعمال کیا ہے۔ یہ معاملہ خدا اور بندے کے درمیان ہے۔

اس قدر بحث اس مسئلہ پر روشنی ڈالنے کے لئے کافی ہے۔ اس مسئلہ میں زیادہ بحث حضور اکرمؐ نے ممنوع فرمایا ہے۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ نے مجھ کو ذبح کردیا ہے۔ ایک اور بزرگ کا قول ہے کہ ایمان کی آفت تقدیر کا مسئلہ ہے۔ چنانچہ اس مسئلہ میں زیادہ تفحص موجب گمراہی ہے۔

اختیار کا ایک اور پہلو قابل لحاظ ہے۔ باعتبار اختیار کے تین قسم کی تقسیم ہے۔
(۱) آفاقی کائنات (۲) انفسی کائنات (۳) ذات حق۔ آفاقی کائنات میں ہم دیکھتے ہیں کہ

آفتاب روشنی دیتا ہے۔ بیل گھانس کھاتا ہے۔ پانی ٹھنڈک پہونچاتا ہے اور پاک کرتا ہے۔ مگر اُن اشیار
اور اُن کے خواص میں کہیں اختیار کا دخل نہیں۔ یہ بلا اختیار کے صدورِ عمل پر مجبور ہیں۔ برخلاف اس کے
ذات حق وہ ذات ہے جہاں اختیار پوری طرح جلوہ گر ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہر چیز کی ماہیت
اور حقیقت سے بالکلیہ واقف ہے۔ اب تیسری قسم کائنات انفسی کی ہے جو اختیار رکھتا ہے مگر
اُسی قدر جس قدر کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو ودیعت کیا ہے۔ وہ سب کام اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ طاقتوں
کے تحت کرتا ہے جب یہ سرچشمہ بند ہوجاتا ہے تو انسان پر موت طاری ہوجاتی ہے مگر آفاقی کائنات
سے اُسے ممتاز کیا گیا صرف ایک صفت اختیار سے۔ یہ وہ قوت ہے جس کی وجہ سے اُس کو امتیاز کرنے کا
شعور ہے اور دونوں میں سے ایک کو پسند کرنے کا حق ہے۔ اس صفت کی وجہ سے وہ انسانوں کے
زمرے میں ہے جہاں یہ قوت سلب ہوئی اور وہ انسانوں کے زمرے سے خارج ہوگیا اُس پر پاگل کا
اطلاق ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے قول و فعل کا مالک نہیں رہتا۔ نہ قانون کی پابندیاں اُس پر عاید ہوتی ہیں۔
اور نہ اُس سے سوال و جواب و حساب و کتاب ہی ہوتا ہے۔ غرض اختیار کی قوت انسان کے لئے مایۂ ناز
و سرمایۂ امتیاز ہے۔ ظالم کو ظلم سے جبراً روک دینے کے یہ معنی ہوتے کہ اُس سے انسانیت لے لی جائے
مگر اللہ تعالیٰ کا یہ منشار ہے کہ اُس کے بندے اس طاقت کو صحیح طور پر استعمال کریں تاکہ اپنی نجات کا
باعث ہوں اور جو اس قوت کو غلط طور سے استعمال کرے اُس کی سزا بھگتے۔ جب انسان کو نیک و بد
کا علم دیا گیا تو پھر قوت اختیار کا بیجا مصرف اُس سے قابل مواخذہ ہوگا۔ مگر اختیار دینے کے بعد یہ
مطالبہ کہ جب بیجا استعمال کرنے لگیں اُس وقت وہ سلب کرلی جائے۔ منشار خداوندی کے خلاف
ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی قوت کو اچھے اور بُروں میں تمیز کرنے کا ذریعہ بنایا ہے۔ جب انسان کو عقل
و شعور اور نیک و بد کا علم ہے۔ جب اُس کو اُس کے نتائج سے بھی واقفیت ہے اور اُس کے بعد وہ
جذبات سے اس قدر متاثر ہوجاتا ہے کہ احکام کی پابندی سے باہر آجائے تو گویا اُس نے جان بوجھکر
خود کو ہلاکت میں ڈالا ہے اور اُس وجہ سے وہ سزا کا مستوجب قرار پاتا ہے۔

جب قوانین خداوندی کو انسانی طاقت توڑنا چاہتی ہے یعنی جب انسانی قویٰ قوانین فطرت
کے خلاف عمل کرنے لگتے ہیں تو پھر یا تو وہ خود مٹ جاتے ہیں یا رک اُٹھاتے ہیں۔ بہرصورت اللہ تعالیٰ
کے جمالی اوصاف سے دور ہوجاتے ہیں اور اُس کے جلالی صفات کا مظہر بنتے ہیں۔ لہٰذا انسان کو چاہئے
کہ ہمیشہ اپنی طاقتوں کو قوانین قدرت کے موافق صرف کرے۔ اُن کی متابعت کرے۔ اور اُس درمیانی
راستے کو اختیار کرے جس کی تعلیم مذہب اسلام نے ہر شعبہ میں دی ہے۔ یہی اُس کی نجات کا راستہ ہے۔

مسئلہ خیر و شر

جس کو مسئلہ رنج و راحت بھی کہہ سکتے ہیں۔ انسان جب اپنی اور دنیا کی حالت پر غور کرتا ہے تو اس کو معلوم ہوتا ہے کہ اس عالم میں خوشی کے ساتھ غمی اور راحت کے ساتھ رنج۔ جوانی کے ساتھ بڑھاپا اور اس کے بعد موت بیماری اور تکالیف یہ سب لگے ہوئے ہیں۔ جب اُن کے اسباب معلوم کرنا چاہتا ہے تو وہ اس کی سمجھ سے باہر معلوم ہوتے ہیں۔ بسا اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بلا وجہ رنج و غم کی زیادتی ہوتی ہے۔ وبائی امراض اور پریشانیاں اس قدر دامن گیر ہوتے ہیں کہ انسان گھبرا اُٹھتا ہے اور چیختا ہے کہ ؎

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے　　ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

بعض عقلاء غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ زندگی کے ساتھ تکالیف اور پریشانیاں وابستہ ہیں۔ جب تک انسان زندہ ہے اُس کو یہ آفات برداشت کرنا پڑے گا ؎

بشر پہلو میں دل رکھتا ہے جب تک　　اُسے دنیا کا غم کھانا پڑے گا

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں　　موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

غالب کے متعدد اشعار اس فلسفہ کی وضاحت میں معلوم ہوتے ہیں اور یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ شاعر اس نتیجہ پر پہونچا تھا کہ غم اور انسان توام ہیں یا یوں کہیئے کہ غم کا نام زندگی اور زندگی کا نام غم ہے ؎

غم ہستی کا اسدؔ کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

یہ سوال کہ اس عالم میں رنج و غم یا بہ الفاظِ دیگر تکلیف کیوں ہے۔ اُس کا منشا کیا ہے۔ کیوں لاحق ہوتی ہے۔ اُس سے چھٹکارا ممکن ہے یا نہیں اس کے غور و فکر میں عقلاء و فلاسفر سرگردان رہے مختلف اقوام کے مشاہیر نے مختلف تھیوریز پیش کئے کسی نے تناسخ پر زور دیا کسی نے ایزد اور اہرمن کو مانا۔ بُدھ نے آرزوں کو رنج کی ابتداء قرار دی اور آرزوں کو نابود کرنے کو رنج کے نابود ہونے کی وجہ گردانی۔ غرض ہر شخص نے اپنی عقل کے موافق یا اُس علم کی بناء پر جو اُس کو دیا گیا زور لگایا۔ اور اس مسئلہ کو صاف کرنے کی کوشش کی۔ اس مسئلہ کے کثیر الجوانب ہونے کی وجہ سے عقلاء کو سرگردانی رہی۔ کیوں کہ اس کے پہلو بہت ہیں اس لئے اپنی عقل و علم کی مدد سے اس کا حل مشکل تھا۔ قرآن پاک نے جس طرح اس مسئلہ کو صاف کیا وہ سب سے واضح ہے۔ اور سمجھ میں آنے کے قابل۔ وہ ایک تشفی بخش جواب ہے اور ایک مسلمان بڑی حد تک اُس سے مطمئن ہو جاتا ہے۔ اور اُس کو مزید کاوش اور بے اطمینانی کی گنجائش نہیں رہتی۔

یہ عالم باقاعدگی اور بے ضابطگی پر مبنی ہے یہاں ہر ایک چیز ایک اندازے پر ہے اور اُسی اندازے پر چل رہی ہے۔ انسانی قواعد میں فرق ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے قوانین اٹل ہوتے ہیں۔ موسموں کی تبدیلی۔ خزاں و بہار کی آمد۔ مینہ کا برسنا سب اپنے اپنے وقت پر ہوتا ہے اور اُس میں کسی قسم کا فرق نہیں ہوتا۔ یہ اسباب وعلل کا طویل سلسلہ اس عالم میں کارفرما ہے جس کی بناء پر نتائج مترتب ہوتے رہتے ہیں۔ اُن کے سمجھنے اور اُن پر عمل کرنے کے لئے عقل دی گئی ہے۔ آگ میں اُنگلی ڈالنے سے جل جاتی ہے یہ ایک قانون ہے انسان جب اُس کی خلاف ورزی کرے گا خود کو نقصان اور تکلیف میں مبتلا کرے گا۔ لہذا پہلا اُصول یہ ہوا کہ قانون قدرت کے جہل سے یا علم رکھ کر بھی عمل نہ کرنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ صحیح استعمال معلوم ہونے کے بعد اُس کی قدر ہوتی ہے۔ چنانچہ پٹرول کو پانی سمجھ کر پینا مضرت بخش ہوگا مگر صحیح استعمال معلوم ہونے کے بعد مفید ہوگا۔

(۲) جب انسان اس دنیا کی ماہیت پر غور کرتا ہے تو اس کو ہر چیز میں حکمت نظر آتی ہے۔ دانتوں کو لیجیئے اور اُن پر غور کیجیئے ڈاڑھوں کا پیچھے ہونا۔ ایک دوسرے کے اوپر ہونا۔ کترنے کے دانتوں کا آگے پیچھے ہونا۔ ضروری تھا۔ اسی طرح اوپر اور نیچے کے دانتوں کا سرکل بڑا اور چھوٹا ہے۔ پانچ انگلیاں اور اُن کے چھوٹے اور بڑے ہونے کی ضرورت ہر انگلی میں تین جوڑ ہونے کی ضرورت ہاتھ کے استعمال ہی سے سمجھ میں آتی ہیں یہ سب چیزیں حکمت کے اسرار سے لبریز ہیں اور بتاتی ہیں کہ بنانے والے نے اُن کی ضرورت پر پہلے غور کرکے اُن کو اس طرح بنایا ہے۔ نظام عالم اور اُس کی نسبت جو چاند اور سورج اور دیگر سیاروں سے قائم ہے یہ بتاتی ہے کہ کائنات کا مالک اس قدر بڑے نظام کو کس باقاعدگی سے چلا رہا ہے۔ سولر سسٹم میں جو دنیا کی حقیقت ہے وہ بقول کسے فٹ بال کے میدان میں فٹ بال سے زیادہ نہیں ہے اور جب یہ سب سیارے اور ستارے ایسے اندازے سے چل رہے ہیں کہ تصادم کی گنجائش نہیں ہے تو حکیم کی حکمت کا کچھ اندازہ لگتا ہے۔ اس لئے جو شخص جس قدر حکمت رکھتا ہے اُسی قدر اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے عجز و انکسار کے ساتھ سرنگوں ہے۔ نیوٹن کہتا تھا کہ میری مثال اُس لڑکے کی ہے جو ساحل دریا پر چند سیپیوں سے کھیل رہا ہے اور ایک وسیع سمندر اُس کے روبرو موجزن ہے۔ جس کے متعلق اُس کو کوئی وقفیت نہیں غرض انسانی نظر تو انتظام جزئی تک محدود ہے یہ اس سے بلند ہو کر انتظام کلی تک نہیں پہونچ سکتی۔ جس شخص کی نظر جس قدر زیادہ گہری اور انتظام جزئی سے بلند ہوتی ہے اُسی قدر وہ حکمت کو سمجھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے انتظام میں نقص نہیں پاتا۔

اگر انسان کی نگاہ انتظام کلی تک پہونچ جائے تو پھر اُس کو انتظام عالم مکمل نظر آئے گا۔ مگر ایسا نہیں ہے پس بقدر جہالت خود وہ انتظام کلی کو ناقص سمجھتا ہے۔

(۳) دنیا مظہر ہے اللہ تعالیٰ کی صفات و کمالات کا۔ جو چیز جس حد تک صفات سے ملو ہے اسی حد تک کامل ہے۔ جہاں صفات کے لینے کی استعداد نہیں ہے وہیں سے نقص شروع ہو جاتا ہے۔ جمادات میں بالیدگی نہیں نباتات میں بالیدگی ہے مگر حرکت نہیں۔ حیوان مطلق میں حرکت ہے سماعت و بصارت ہے مگر ادراک و اختیار نہیں۔ انسان میں یہ سب چیزیں ہیں پھر بھی ایک دوسرے سے متفاوت ہے۔ غرض بقدر استعداد ہر انسان اس دنیا اور نعمت ہائے ربانی سے بہرہ اندوز ہوتا ہے جو مادر زاد اندھا ہو گا اُس کو رنگ کا احساس نہیں ہو گا۔ جو مادر زاد بہرہ ہو گا وہ سماعی لذات سے محروم ہو گا مگر اُس کے ادراک کی کمی سے دنیا میں تو وہ نقص نہیں ہے۔ وہ تو اُس شخص کا ذاتی نقص ہو گا۔ اور وہ اُس کی کمی کی وجہ سے اُن نعمتوں سے محروم ہو گا جن کا تعلق صرف سُننے سے ہے۔ اب یہ طلب کرنا کہ سب کی استعداد ایک ہی قسم کی کیوں نہ رکھی گئی یہ کہنے کے مرادف ہے کہ سب انسانوں کو ایک ہی جیسا بنایا جاتا اور یہ کثرت جو دیکھی جاتی ہے نہ ہوتی۔ جمادات۔ نباتات۔ حیوانات کا تفاوت بالکل اُٹھا دیا جاتا۔ اور انسانوں میں بھی یہ جزئی فرق نابود کر دیا جاتا۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ دنیا کو صرف ایک وحدت کے نقطے پر رکھا جاتا۔ یعنی سب امیر ہی ہوتے۔ غریب کوئی نہیں ہوتا۔ سب تندرست ہوتے۔ سب یکساں عقلمند وغیرہ وغیرہ جو فعل حکمت کے خلاف تھا۔ نظام عالم کو چلانے کے لیے اختلاف جزئی ضروری تھا۔ بقول ذوق ؔ

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن
اے ذوقؔ اس جہان کو ہے زیب اختلاف سے

(۴) یہ مسئلہ سمجھنے کے بعد حسن کے معنی سمجھنے چاہیئے۔ حسن کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایسا ہے جیسا کہ ہونا چاہیئے۔ دوسرے الفاظ میں حسن نام ہے صحیح تناسب کا خواہ وہ اعضا میں ہو خواہ وہ نظام عالم میں۔ ناک کا سیدھا ہونا۔ اور ابرو کا ٹیڑھا ہونا حسن ہے۔ جسم سے علٰحدہ ایک آنکھ یا بالوں کا جوڑا کس قدر گھناؤنا معلوم ہوتا ہے مگر وہ آنکھ کسی کے چہرہ پر یا وہ بال کسی کے سر پہ ہوں تو کمال حسن کا اظہار کرتے ہیں ؎

بھر دیں عجب ادائیں اُس شوخ سیم تن میں
ایک ٹیڑھ سادگی میں ایک سیدھ بانکپن میں

کمان کے لئے ٹیڑھا ہونا اور تیر کے لئے سیدھا ہونا دونوں لوازمات سے ہیں اگر ایسا نہ ہو تو پھر تیر و کمان اپنا کام نہیں کر سکتے۔ ڈرائینگ روم تو بہت اچھا معلوم ہوتا ہے اور بیت الخلاء بُرا معلوم ہوتا ہے مگر ایک خوبصورت مکان کے لئے جتنی ڈرائینگ روم کی ضرورت ہے اُتنی ہی بیت الخلاء کی۔ بغیر بیت الخلاء کے کوئی گھر مکمل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا دنیا کا حسن جانچنے کے لیئے علیحدہ معیار نہیں قائم کیا جا سکتا۔ بلکہ نظام کلی کو پیش نظر رکھ کر حسن کو جانچنا چاہیئے تو معلوم ہو جائے گا کہ ہر چیز اپنی جگہ حسین ہے اور خیر محض ہے ؎

گر من آلودہ دامنم چہ عجب　　　ہمہ عالم گواہ عصمت اوست

اب فرق رہ جاتا ہے سمجھ کی قصور کا یا انتظام کلی پر نظر نہ رکھنے کا۔

(۵) بعض اوقات جو چیز تکلیف دہ نہیں ہوتی ہم اُس کو اپنے نقطہ نظر سے تکلیف دہ سمجھتے ہیں یا جو نعمت نہیں ہوتی اُس کو نعمت سمجھنے لگتے ہیں۔ یہاں صرف سمجھ کا قصور ہے مثلاً بعض اوقات امارت کو نعمت خیال کرتے ہیں وہ نعمت ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی۔ جب ہم نظر تعمق سے دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ دولت، عقل، حسن، صحت۔ کم و زیادہ ضرور ہوتے ہیں۔ مگر خالص کمی یا زیادتی کو ظلم نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں اگر یہ چیزیں بذات خود مفید ہی مفید ہوتے تو کہا جا سکتا تھا۔ مگر چونکہ اُن میں بُرائیاں بھی لگی ہوئی ہیں۔ اُن کے غلط استعمال کا اندیشہ بھی ہے تو پھر اُس کی تقسیم بھی حکمت کی بناء پر ہونا لازمی تھا۔ دولت فی نفسہ خیر محض نہیں ہے بلکہ اُس کا جائز استعمال خیر ہے۔ صرف دولت کا مل جانا بادی النظر میں اچھا معلوم ہوتا ہے مگر اُس بادشاہ سے اُس کی حقیقت پوچھا چاہیئے جو پیشاب رُک جانے سے بے چین ہو کر پوری سلطنت دینے آمادہ ہو گیا کہ صرف ایک بار پیشاب آجائے۔ صحت ہی صحت بھی بعض اوقات غفلت کا پردہ بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو بھلا دیتی ہے۔ اس لئے یہ اطمینان سے کہا جا سکتا ہے کہ امارت و ثروت۔ صحت و عالی نسبی فی نفسہ مفید نہیں۔ سوچنے والے کے لیے دولت کی ظاہرہ کشش ہیچ ہے۔ پہلی مرتبہ موٹر پر بیٹھ کر جب آدمی بازار جاتا ہے تو اُس کی خوشی کو وہ خود محسوس کرتا ہے۔ سمجھتا ہے کہ ساری دنیا کی نظریں اُس کی طرف لگی ہوئی ہیں اور وہ اُس سواری کو باعث مسرت سمجھتا ہے۔ مگر یہ مسرت تدریجی طور پر کم ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ افکار میں مبتلا ہو کر کسی جگہ جاتا ہے اور اُس کو وہ احساس باقی نہیں رہتا کہ میں نے ایسی سواری استعمال کی ہے جو باعث فخر ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ موٹر میں بیٹھنے کی خوشی کا انحصار زیادہ تر خیالی احساس کی بنا پر تھا۔ احساس کی کمی سے وہ خوشی بھی جاتی رہتی ہے۔

(۶) تکلیف کا ایک پہلو اُس کی آزمائش ہے۔ اچھے اور برے میں تمیز کرنے سچے اور جھوٹے میں تکمیل حجت کے لئے بھی تکلیف دی جاتی ہے۔ جو اللہ کے نیک بندے ہیں وہ اُس کی رضا پر صابر ہی نہیں بلکہ شاکر رہتے ہیں اور یہ ذریعہ ہوتا ہے اُن کے مراتب کی بلندی کا۔ اور یہ قریب ترین ذریعہ ہے۔

مباحث بالا کا اجمال یہ ہے کہ دنیا میں انسان جو تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے وہ یا تو (۱) قانون قدرت نہ سمجھنے کی وجہ سے ہوتا ہے یا سمجھ کر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (۲) یا اُس تکلیف کے راز کو نہ سمجھنے سے ایسا خیال کرتا ہے جیسے نظر کا جز میں رہ جانا اور کل کی ماہیت تک نہ پہونچنا۔ (۳) یا تفاوت صفات اشیاء کو تکلیف سمجھنا (۴) یا صفات خداوندی کی کمی کو غلطی سے تکلیف سمجھنے لگنا۔ یا (۵) ایسے اشیاء کو جو حقیقت میں نعمت نہیں ہیں نعمت سمجھ کر اُن کی آرزو کرنا اور نہ پا کر رنج اُٹھانا۔ (۶) یا آزمائش کے لئے تکلیف پانا تاکہ اچھے اور بُرے۔ صابر و غیر صابر میں امتیاز ہو جائے۔

اس میں صرف ایک اور ﷲ تو تکلیف کی تعریف میں آتے ہیں بقیہ غلط فہمی کے نتائج ہیں۔ لہٰذا اس مسئلہ میں غلط فہمی کا ازالہ سب سے ضروری چیز ٹھہری۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس نازک مسئلہ کو ایک تمثیل سے واضح کیا ہے جب حضرت موسیٰ حضرت خضر سے ملنے چلے تو اپنے ساتھ مچھلی رکھ لی جب مجمع البحرین پر پہونچے تو وہاں کے پانی یا ہوا کے اثر سے مچھلی زندہ ہو کر پانی میں چلی گئی ملازم نے اُن کا ذکر حضرت موسیٰ سے نہیں کیا جب دوسرے روز چلتے ہوئے تھکن محسوس ہوئی تو حضرت موسیٰ نے اپنا ناشتہ طلب کیا اُس وقت ملازم نے اپنی پریشانی کا اظہار کیا کہ ناشتہ باقی نہ رہا۔ مچھلی دریا میں چلی گئی مگر جو بات ملازم مصیبت سمجھ رہا تھا وہی موسیٰ کے لیے خوشی کا باعث ہوئی۔ ملازم کی نظر جزو پر تھی اور حضرت موسیٰ کی نظر بلند تھی اپنے علم کے مطابق دونوں نے ایک ہی بات پر خوشی و غم محسوس کیا۔ غرض موسیٰ نے اُس جگہ کے متعلق پوچھا جہاں مچھلی زندہ ہو کر پانی میں چلی گئی تھی۔ ملازم نے وہ جگہ بتادی۔ موسیٰ نے وہاں حضرت خضر کو پایا۔ یہاں ایک اور سبق ملا کہ علم کی تلاش میں مصیبت کا برداشت کرنا ضروری ہے۔ علم حاصل کرنے جو تکالیف پہونچتی ہیں اُن کو نظر میں نہ لانا چاہیے۔ حضرت۔ موسیٰ نے حضرت خضر سے درخواست کی کہ مجھے اپنے ساتھ رہنے کی اجازت مرحمت فرما دیجئے۔ تو حضرت خضر نے کہا کہ چونکہ تمہارا علم محیط نہیں ہے۔ اس لئے تم کو میرے کاموں میں نقص معلوم ہوگا اور تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہ کرسکو گے۔ مگر حضرت موسیٰ نے وعدہ کیا کہ جب تک حضرت خضر خود بول کر کوئی بات نہ بتلائیں گے اُس وقت تک میں نہ پوچھوں گا۔ غرض اس عہد و پیمان

کے بعد حضرت خضر نے حضرت موسیٰ کو اپنے ساتھ لے لیا۔ حضرت موسیٰ نے یہاں خیال کیا کہ تکلیف کو تکلیف محسوس کرنے کی اصل وجہ جہل ہے چونکہ نتائج کا علم نہیں ہوتا اس لئے اعتراض کا موقع ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں جہل کو رفع کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ عالم کے علم پر اپنے ارادے کو منحصر کردے۔ منتظم کلی کی جانب سے جو کچھ ہوگا اس کو بالکل صحیح مان لے تو پھر رنج مٹ جائے گا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ علیم ہے اور اُس کا علم محیط ہے اس لئے جب انسان طریق کلیہ کے طور پر اپنے علم و ارادے کو اُس کے علم و ارادے کے تابع بنالے گا تو اُس کو نہ پریشانی ہوگی نہ خلش۔ اور یہی صبر و رضا کے تلقین کی علت ہے۔ لہذا حضرت موسیٰ نے بھی اُسی پر کاربند ہونے کا تہیہ کرلیا۔ گو حضرت خضر نے اُن سے کہا بھی کہ جب تمہارا علم محیط نہیں ہے تو پھر تم سے صبر کیسے ہو سکے گا مگر حضرت موسیٰ کو سیکھنے کا شوق تھا اس لئے عہد کرلیا۔ اور ساتھ ہو گئے۔ حضرت خضر نے کشتی میں سوراخ کردیا تو بظاہر شر معلوم ہوا اور حضرت موسیٰ نے اُس پر اعتراض کیا۔ یہاں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ شر کی دوسری قسم وہ ہے جبکہ کل کو جزو سے ہٹا کر دیکھا جائے تو وہ شر معلوم ہوتا ہے۔ اور ہم یہ بتلا چکے کہ یہ شر نہیں ہے۔ اسی رنگا رنگی سے نظام عالم چل رہا ہے۔ اگر اندھے یا بہرے سے یہ کہا جائے کہ جب اُس میں ایک صفات کی کمی ہے تو کیا وہ دیگر صفات و حیات کو واپس دینے آمادہ ہے تو ہرگز رضامند نہ ہوگا۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ حیات کی قدر بہت کرتا ہے۔ اسی طرح جہاں نقص والی چیز کے مقابلہ میں پوری چیز سے محرومی نظر آتی ہو تو انسان نقص ہی کو قبول کرنے آمادہ ہوجاتا ہے یہ کشتی والوں کی روش سے ظاہر ہوگا کہ جب اُن کو یہ معلوم ہوا کہ ایک ظالم بادشاہ کشتیاں چھین رہا ہے تو وہ کشتی کے چلے جانے سے نقص والی کشتی کے باقی رہنے کو ترجیح دینے لگے۔ لہذا حضرت خضر نے اُن کے حق میں بھلائی کی جس سے حضرت موسیٰ بے خبر تھے۔ اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ کشتی میں نقص لگا کر جو باقی رکھا گیا تو ظالم بادشاہ کے ظلم ہی کو کیوں نہ روک دیا گیا تو اس کا جواب ہم مسئلہ اختیار میں دے آئے ہیں کہ ظالم کو ظلم سے روک دینے کے یہ معنی ہوئے کہ اُس سے قوت اختیار سلب کرلی جائے یعنی اُس سے انسانیت کھینچ لی جائے۔ جو منشاء خداوندی کے خلاف ہے اِس مسئلے میں اِس سے زیادہ بحث باعث طوالت ہوگی۔

توبہ اور اُس کی حقیقت

تکلیف دو قسم کی ہوتی ہے خیالی و حقیقی۔ خیالی تکلیف تو صرف صحیح علم سے رفع ہوجاتی ہے مگر حقیقی تکلیف کو رفع کرنے کے اور طریقے ہیں۔ یہ سوال کہ مصیبت حقیقی کیوں پیدا ہوتی ہے اور کون پیدا کرتا ہے اُس کے متعلق قرآن مجید کا نظریہ یہ ہے کہ مصائب انسان ہی کے وجہ سے پیدا ہوتے ہیں اور پیدا کرنے والا اللہ ہے۔ کیوں کا جواب

خود انسان ہے اور کون کا جواب خدا ۔ تکلیف حقیقی نتیجہ ہے اللہ تعالیٰ کے قوانین کی مخالفت کا یعنی فطری نقطے سے ہٹ جانے کا ۔ ایک مرتبہ اُس نقطے سے ہٹنے کے بعد یا تو واپس اُسی نقطہ پر آجائے گا یا اُس نقطے سے ہٹتا چلا جائے گا ۔ اس نقطے سے ہٹنے کی سزا جہنم ہے ۔ اس نقطے سے ہٹنے کے بعد سکون قلب مفقود ہو جاتا ہے اس کا علاج یہی ہے کہ جس نقطے سے ہٹے ہیں اُس پر واپس آجائیں اس کو توبہ کہتے ہیں ۔ یعنی ہٹنے کی ندامت اور نہ ہٹنے کا تہیہ ۔ توبہ سے سزا میں کمی ہو جاتی ہے ۔ چونکہ غفاریت

قانون تحویل اور رحمانیت اللہ تعالیٰ کی صفات سے ہیں اس لئے جو انسان اپنی غلطی پر نادم ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ بقدر ندامت اُس کی سزا میں کمی فرما دیتے ہیں ۔

یعنی جو سزا قیامت میں ملنی چاہیئے تھی اُس کو کم کر کے عذاب قبر ٹھہر جاتا ہے ۔ اُس کے بعد اگر توبہ میں استقامت رہی تو وہاں سے نکل کر وہ عذاب اس دنیا میں کسی تکلیف کی شکل میں دے دیا جاتا ہے ۔ اُس کے بعد خواب میں سزا دے دی جاتی ہے ۔ وہاں سے نکل کر معمولی کانٹا چبھنے یا کنجی کھو جانے پر ختم ہو جاتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت بسیط ہے اور سب پر حاوی ہے ۔ غم کا علاج یہ ہے کہ مصیبت لانے والے کے روبرو گڑگڑاؤ اور استغفار مانگو ۔ مصیبت دفع ہو جائے گی ۔ اُس کی رحمت نے دواؤں میں بھی کچھ افعال رکھے ہیں ۔ لیکن جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو دوا اپنا اثر نہیں کرتی اس لئے جب غم آئے تو استغفار پڑھنا چاہیئے ۔ یہ اُس کا اصلی علاج ہے ۔ دوا بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے اثر کرتی ہے اس لئے پہلے اصلی وجہ کو دور کرنا چاہیئے جو اللہ تعالیٰ کا غصہ ہے اور وہ دنیا میں سب سے زیادہ سخت ہے ۔ صدقہ اللہ تعالیٰ کے غصہ کو بجھا دیتا ہے ۔ اخلاق رذیلہ کے ازالے کی ضرورت نہیں اُس کے امالے کی ضرورت ہے ۔ اُس کا عملی طریقہ ٹھیک کر لو بس یہی ضروری ہے ۔

جذبۂ امانت جو صفات خداوندی انسان کو ملے یعنی سماعت ۔ بصارت ۔ علم و ارادہ ۔ اختیار ان سب کو پیدا کرنے والے کی مرضی کے مطابق صرف کرنا اور اس کی مرضی کا پابند ہو جانا یہ ردِّ امانت ہے ۔ ایسا شخص امین ہوگا ورنہ ظلوماً جھولا ۔ اس جذبہ کا صحیح استعمال ضروری ہے اور یہی مطلب ہے اُس حدیث کا جس میں وارد ہے کہ لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَۃَ لَہٗ (جس میں امانت نہیں اُس میں ایمان بھی نہیں ہے) یعنی انسان کے اختیارات پر امانت کی میخ ٹھونک دی گئی ہے ۔ جذبہ امانت سے ہٹ کر انسان فرعون اور چنگیز ۔ ہلاکو کی شکل میں دکھلائی دیتا ہے ۔ اور خیانت کی سزا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی یا جہنم کی شکل ہے ۔

تسلیم و رضا انسانی اختیار کی قدرتی مجبوریاں یہ چاہتی ہیں کہ انسان اپنے ناقص اختیار و

علم کو کامل اختیار و علم والے کے ساتھ جوڑ دے۔ جس کی تکمیل استعانت تسمیہ۔ استخارہ۔ توکل۔ تفویض و دعا کے ذرائع سے ہوتی ہے۔ انسان کے ناقص علوم و تجربات کے مشوروں کا نام تدبیر ہے اور اس میں غلطی کا احتمال ہے اس لئے اس کو ہمیشہ کامل کے علم و اعتماد کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ پس توکل کرنے والا اسباب کو چھوڑتا نہیں بلکہ ناقص اسباب کو چھوڑ کر کامل سبب یعنی علم محیط اور اختیارِ مطلق کو اختیار کرتا ہے جس کی کامیابی یقینی ہے یہی منشار ہے وَمَنۡ یتوکل علی اللہ فَهُوَ حَسۡبُهٗ ۔ کا۔

انسانی علم محدود۔ اس کی طاقتیں محدود۔ خدا کا علم محیط اُس کی طاقتیں لامحدود۔ انسان جب اپنے محدود علم سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کرشمے دیکھتا ہے تو بسا اوقات اُس کی سمجھ میں نہیں آتا۔ اور بقدر نقص علم ناقص رائے دیتا ہے۔ اُس کی مثال ایسی ہی ہے کہ ایک گنوار کسی بادشاہ یا صدر اعظم کے کام کو تھوڑی دیر دیکھ کر اپنے علم کے مطابق نکتہ چینی کرنے لگے۔ ظاہر ہے کہ بہت سے مصالح انتظامی اُس گنوار کے حد علم سے باہر ہوں گے جس کا الزام صدر اعظم کے افعال پر نہیں لگایا جا سکتا بلکہ گنوار کے نقص علم پر۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے بہت سے کاروبار انسانی منشاء اور خواہش کے مطابق کبھی ہوتے ہیں اور کبھی نہیں ہوتے۔ چنانچہ انسان کو چاہیئے کہ اُس کا الزام اپنے نقص علم کو دے۔ ہر انسان اپنی سمجھ کے مطابق ایک رائے قائم کرتا ہے۔ ایک بات کو سوچتا ہے اور اسی کے مطابق عمل کرتا ہے۔ کبھی وہ صحیح نتیجے پر پہونچتا ہے اور کبھی غلط نتیجے پر اور غلطی میں مبتلا ہو کر رنج اٹھاتا ہے چنانچہ رنج کی بنا حقیقت میں انسانی جہل ہے عالم جس کا علم محیط کل ہو اُس میں اور جاہل کے معلومات میں تطبیق نہیں ہو سکتی۔ جہاں تطبیق کا سوال غالب ہوگا وہیں سے رنج کی ابتداء ہوگی اس لیے صحیح طریقہ یہ ہے کہ بجائے تطبیق دینے کے جاہل کو چاہیئے کہ عالم کے تحت اپنے اختیارات کر دے۔ اگر عالم کے علم و قوانین سے جاہل کی علم و رائے کا تصادم نہ ہوگا تو یہ بات رنج و پریشانی کے دفعیہ کا موجب ہوگی۔ پس صحیح طریقہ کار یہ ہوگا اپنے علم و عقل کے مطابق کوشش اور سعی کرے اور جس قدر ہو سکتا ہے کوشش کرے مگر جو کچھ نتیجہ ہوتا ہے اُس پر اپنی خوشی و غم کو منحصر نہ کرے۔ بلکہ اپنی کوشش ہی کو اپنے لئے کافی سمجھے۔ اصل میں اُس کو اجر اُس کی کوشش ہی کا ملے گا لیس للانسان الا ما سعیٰ جب یہ پہلو انسان پر واضح ہو جاتا ہے تو انسان کوشش تو کرتا ہے مگر نامرادی پر مغموم نہیں ہوتا اور اعتراض چھوڑ دیتا ہے چونکہ وہ علیم و خبیر کو حکیم بھی مانتا ہے اس لئے اُس کا ہر فعل حکمت سے مملو پاتا ہے۔ اس مرتبہ کو تسلیم و رضا کہتے ہیں۔

درود شریف مسلمانوں کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ اپنے پیغمبر پر درود بھیجا کریں۔ اور اُس کا بڑا ثواب آیا ہے۔ یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں (۱) جب حضور اکرمؐ نے اپنی زندگی دوسروں کے لئے وقف کردی اور ہر وقت غیروں کی خیر خواہی میں زندگی بسر کی تو پھر اپنی امت سے یہ مطالبہ اپنے لئے کیوں جائز رکھا؟۔ (۲) جب درود بھی عبادت ہے تو مسلمان بھی اپنے پیغمبر کی عبادت کرتے ہیں پھر معبود واحد کی پرستش کہاں رہی؟۔

یہ دونوں سوال غیر اقوام کی طرف سے مسلمانوں پر کئے جاتے ہیں جن کے جوابات سے بعض کم علم مسلمان قاصر رہتے ہیں۔ لہٰذا امور بالا کی قدرے صراحت سے بیان کی ضرورت ہوئی۔

منشائے تخلیق تمہید کے طور پر ایک اہم چیز پہلے سمجھ لینا ضروری ہے۔ تاکہ ہم کو اپنے مقصد تک پہونچنے میں آسانی ہو۔ یہ سوال اون تمام مذاہب پر عائد ہوتا ہے جو خدائے تعالیٰ کو مانتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے اس عالم کی تخلیق کیوں کی۔ اکثر مذاہب اس سوال کے جواب سے گریز کرتے ہیں بعض اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ایک کمہار بیٹھا برتن بنا رہا ہے تو وہ خود اس کا منشاء خوب سمجھتا ہے کہ وہ برتن کیوں بنا رہا ہے اور اُس کی غرض کیا ہے۔ اس سوال کے جواب کو ایک راہ گیر سے پوچھنا مناسب نہیں۔ راہ گیر بیچارہ کیا بتائے گا کہ برتن بنانے کی غرض وغایت کیا ہے۔ اسی طرح یہ سوال اللہ میاں سے کرنا چاہئے اُس کے بندوں سے نہیں گو یہ جواب ایک حد تک درست ہے مگر پھر یہ سوال ہوتا ہے کہ جو مذاہب اپنا تعلق خداوند عالم سے بتاتے ہیں کیا وہ اُسی خداوند عالم کے علم سے اس کا جواب نہیں دے سکتے۔ اسلام نے اس کو نہایت تشفی بخش طریقے سے صاف کیا ہے۔

دنیا میں انسان خلیفہ بنا کر بھیجا گیا ہے۔ خلیفہ کے معنی ہیں نائب یا صوبے دار یعنی اللہ تعالیٰ نے اس عالم میں ایک ایسی مخلوق پیدا کی جو اس عالم میں اُس کا اختیار اور اُس کے اوصاف کی نیابت کرے۔ نیابت وہی کرسکتا ہے جو خالق کے صفات اور اختیارات سے متصف ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ تمام خوبیاں اور کمالات دئے جن کو وہ خود رکھتا تھا۔ سماعت۔ بصارت۔ اختیار وغیرہ کے جو صفات اللہ تعالیٰ میں تھے وہ سب یہاں بھی پائے جاتے ہیں یہی نہیں بلکہ آفاقی کائنات اور انفسی کائنات میں ایک قسم کی مناسبت پائی جاتی ہے۔

ہم اس عالم کو دیکھتے ہیں کہ اُس میں آب۔ آتش خاک وباد ہیں۔ یہی چار عناصر انفس میں بھی ہیں اول تو خود انسان انھیں چار چیزوں سے بنا ہوا ہے دوسرے یہی اشیاء ہر وقت اس کے جزو بدن بنتے رہتے ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ انسانی بدن کے لیئے انھیں اشیاء کی ضرورت ہے۔ باہر میں پہاڑ

ندیاں اور درخت پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح اندر میں ہڈیاں۔ خون اور بال ہیں جس طرح باہر میں ہر کام انجام دینے کیلئے ایک فرشتہ مقرر ہے اور وہ اپنے منصب کو پورا کرتا ہے اسی طرح اندر میں بھی قویٰ ہیں۔ سامعہ۔ باصرہ۔ لامسہ۔ شامہ وغیرہ وہ اپنے منصب کو بخوبی پورا کرتے ہیں جیسے باہر میں شیاطین ہیں اسی طرح اندر میں بھی بعض قوتیں ہیں جو انسان کو برائی یا خواہشات کی طرف کھینچتی ہیں جس طرح باہر کی کل کائنات کا مرکز عرش ہے اسی طرح اندرون میں کل جسم کا مرکز قلب ہے۔ جس طرح بیرونی کائنات اللہ تعالیٰ کے قبضہ اقتدار میں ہے اسی طرح اندرونی کائنات انا کے قبضہ قدرت میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کائنات کے ہر ذرے میں ہے اسی طرح میں خود کو اپنی پیر کی انگلی میں بھی پاتا ہوں جس طرح اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے اور کہیں نہیں اسی طرح میں خود کو سر سے پیر تک ہر جگہ پاتا ہوں اور پھر میرے لئے کوئی ایک جگہ مشخص نہیں۔ میں رات کی اندھیری میں اس چیونٹی کو جو میرے پیر پر چلتی ہے محسوس کرتا ہوں اسی طرح خداوند قدیر اس چیونٹی کو جانتا اور محسوس کرتا ہے جو رات کی تاریکی میں اس عالم میں چلتی ہے میں اپنے جسم پر محیط ہوں اسی طرح اللہ تعالیٰ اس عالم پر محیط ہے۔ اس مثال سے سمجھ میں آگیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا تعلق سمجھنے اور اس کے صفات جاننے کیلئے ہم کو باہر ٹٹولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اندر ہی سے ہم کو سب جوابات تشفی بخش مل جاتے ہیں۔

یہ مسئلہ سمجھنے کے بعد ہم ایک اور سوال کرتے ہیں وہ یہ کہ انسان کام کیوں کرتا ہے۔ ہم غریب اور امیر ہر ایک کو مصروف عمل پاتے ہیں تو یہ کیوں بعض لوگ جواب دیتے ہیں کہ پیٹ پالنے کے لئے ہم غور سے دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ جواب دینے والا دھوکا دے رہا ہے غور فرمائیے کہ اگر ہم صرف ضرورت کے تحت کام کرتے تو سب سے زیادہ ضرورت ہوا کی ہے وہ اللہ تعالیٰ نے مفت دیدی ہے اس کے بعد پانی کی ضرورت ہے وہ بھی گو ہوا کی طرح مفت نہیں تاہم غریب و امیر سب کو یکساں اور بہ فراوانی میسر ہے۔ گو تھوڑا ٹیکس اس کے لئے دینا ہوتا ہے مگر وہ نا قابل ذکر ہے۔ تیسری ضرورت غذا کی ہے وہ دن میں دو یا تین مرتبہ سے زیادہ نہیں کھائی جاتی اور جزو بدن ہونے کیلئے نہایت قلیل مقدار کی ضرورت ہے۔ جو غریب و امیر دونوں کو برابر میسر آتی ہے۔ اور سماعت اور بصارت اور دیگر قویٰ کو دونوں میں برابر پیدا کرتی ہے۔ خواہ لذیذ غذا کھائی جائے خواہ بدمزہ غذا کھائی جائے۔ اس کا اثر صرف زبان کی حد تک رہتا ہے۔ اس کے بعد جو اور پلاؤ برابر ہو جاتے ہیں بلکہ پلاؤ کا اثر معدے کے لئے مضر اور جو کا اثر مفید ہونے کا احتمال ہے۔ اس کے بعد لباس اور مکان کی ضرورت ہے جو ایک تن پوش کپڑے اور پھوس کے چھپر سے پوری ہو سکتی ہے۔ مگر انسان جو فاخرہ لباس پہن کر ایک لاکھ کے

مکان میں رہتا ہے جس میں متعدد کمرے اور فرنیچر اور طرح طرح کے آرائش کے سامان ہوتے ہیں یہ سب ضرورت کے تحت نہیں ہے بلکہ اُس کا منشا یہ ہے کہ وہ اپنی قوتوں کو بڑھانا چاہتا ہے۔ اور پھر اُن قوتوں کی نمائش کرنا چاہتا ہے یہ ایک فطری جذبہ ہے اس مسئلے کو اور نظر تعمق سے دیکھئے ایک مالدار پہلوان جو اپنی قوت کا مظاہرہ کرتا ہے وہ پیٹ کی خاطر نہیں بلکہ اپنی قوت کے مظاہرہ کے لئے۔ اپنے کمال کے اظہار کے لئے جو اُس کے اندر پوشیدہ ہیں۔ ایک مالدار شاعر جو شعر کہتا ہے اور کسی مجمع میں جا کر امیر اور داغ کا کلام سنا کر یہ کہتا ہے کہ میں نے بھی اس ردیف و قافیہ میں کچھ کہا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ وہ پیٹ یا پیسوں کی خاطر نہیں کہتا بلکہ اُس کے اندر جو کمال ہے اُس کا اقتضاء یہ ہوا کہ اس کا ظہور ہوا اور وہ اُس کے ظاہر کرنے کے لئے بے چین ہوا۔ بس ٹھیک اسی طرح جو صفات و کمالات اللہ تعالیٰ میں پوشیدہ تھے اُن کا یہ اقتضاء ہوا کہ وہ اُن کو ظاہر کرے۔ یہ مطلب ہے اُس حدیث کا کنت کنزاً مخفیا۔ ایک خطاط لکھتا ہے اور بہت خوبصورت حروف بناتا ہے۔ وہ اسی طرح لکھتا جائے اور مٹاتا جائے تو اُس کے فن میں کسی طرح کا نقص وارد نہیں ہوتا۔ اسی طرح عالم کے بننے اور بگڑنے سے خالق کے کمال میں کسی طرح کا نقص وارد نہیں ہوتا۔ اس سے واضح ہو گیا ہوگا کہ کمال کا اقتضا ظہور ہے۔ اور کمال کا دوسرا اقتضا یہ ہے کہ اُس کی نمائش ہو۔ اُس کے دیکھنے اور تعریف کرنے والے ہوں۔ پہلوان اپنی قوت کے مظاہرہ کے لیے چاہتا ہے کہ کوئی برابر کی جوڑ ہو جس سے قوت آزمائی کرے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں برابر کی قوت تو نہ تھی اس لئے اُس نے ایسی مخلوق پیدا کی کہ اُس کے صفات و کمالات کی حامل ہو۔ پھر اُس کو بزرگی اور برتری عطا کی۔ وَلقد کرمّنا بنی آدم۔ گو مختلف انسانوں میں یہ کمالات کمی اور زیادتی کے ساتھ دیئے گئے مگر جس کو یہ کمالات پورے پورے طور پر عطا ہوئے۔ اُس ہستی کا نام نامی محمدٌ الرسول اللہ ہے۔ اُس ہستی کو کمالات کے اعلیٰ درجہ پر پہونچا دیا۔ پھر اُس سے بندگی کا مطالبہ کیا وہ بندہ کامل جھکا اور اس کا جھکنا کائنات کے مطیع و فرمانبردار ہونے کا اعلان تھا اس نے تمام صفات خداوندی کو جوں کا توں واپس کر دیا تو گویا انسانیت کی تکمیل ہو گئی۔ پس ایک طرف معبود کامل ہے اور دوسری طرف محمود کامل۔ ایک طرف رب العالمین ہے جس کے لیے تمام خوبیاں ہیں اور دوسری طرف بندہ کامل ہے جس میں وہ تمام خوبیاں بدرجۂ اتم موجود ہیں اور اس کو حمیدٌ مجیدٌ کہہ رہا ہے۔ قیامت کے میدان میں جب مخلوق پریشان پھرے گی اُس وقت "بندہ کامل اُس کی جناب میں سفارش کرنے آمادہ ہوگا۔ وہ بندہ وہی ہوگا جس کی عبدیت کے دامن میں کوئی شکن نہ ہوگی۔ دوسرے انبیاء اپنی زندگی کے بعض واقعات سے شرمندہ ہو کر شفاعت کی جسارت نہیں کریں گے۔

مگر اس موقع پر حضور اکرمؐ سر بسجود ہو کر اللہ تعالیٰ کی تحمید و تقدیس بیان کریں گے۔ اور شفاعت کے خواستگار ہوں گے۔

جس جگہ اللہ تعالیٰ کی جملہ کمالات وصفات کا مظہر اتم تھا بس وہ ایک ہی بندہ کامل تھا جو منشاء تخلیق تھا۔ اس کے بعد دوسروں کی ضرورت نہ تھی مگر پھر تماشا اور نمائش کا مقصد پورا نہ ہوتا۔ اس لئے کمالات کی کمی اور زیادتی سے یہ رنگارنگی پیدا کرنے کی ضرورت ہوئی جو اُس کے مختلف کمالات کے حامل اور مظہر ہیں۔ جیسے کسان گیہوں پیدا کرنے کے لئے ایک دانہ زمین میں ڈال دیتا ہے پانی۔ مٹی۔ ہوا اور روشنی اُس کے اوپر سے گذرتے رہتے ہیں وہ دانہ ان کے مختلف اجزاء کو چوستا رہتا ہے اور پھر درخت کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ اس میں پانی مٹی اور ہوا کے اثرات سے کچھ حصہ جڑ بن جاتا ہے کچھ حصہ تنہ کچھ پتے۔ اور کچھ پھول اور کچھ پھر اخیر میں پھل کی صورت میں نمودار ہوتے ہیں۔ اب اس درخت کی غایت پوری ہو جاتی ہے۔ پھلوں میں بھی ایک دانہ تو بڑا اور عمدہ ہوتا ہے مگر دوسرے چھوٹے بڑے ہوتے ہیں اُن میں بعض پُر مرے اور بدشکل ہوتے ہیں مگر تب بھی گیہوں کی شکل ضرور رکھتے ہیں۔ جب یہ گیہوں پک جاتے ہیں تو کسان اُس درخت کو کاٹ لیتا ہے۔ غلہ تو انبار خانے میں بھیج دیتا ہے۔ پتہ اور ٹہنیاں جانوروں کو ڈال دیتا ہے جڑوں کو ایندھن بنا کر آگ میں جھونک دیتا ہے۔ ٹھیک یہی مثال اس عالم کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے نور محمدی کو پیدا کیا۔ اس میں تمام صفات و کمالات بھر کر اُس سے عالم کو پیدا کیا۔ اُس میں بعض بولہب اور بوجہل ہوئے اور بعض ابوبکر اور عمر ہوئے اور بعض گنہ گار و عاصی مگر جو گیہوں کی خاصیت اور مشابہت رکھتے تھے وہ سب دانے کے ہمراہ انبار خانے میں یعنی بہشت میں گئے جو جڑوں کی حیثیت رکھتے تھے وہ دوزخ میں جھونک دے گئے۔ جو پتہ اور تنہ کا حکم رکھتے تھے جیسے جانور وغیرہ وہ نابود کر دے گئے جس طرح کسان کا فعل کسی طرح قابل بازپرس یا بعید از انصاف نہ تھا۔ اسی طرح مختلف انسانوں کا بہشت اور دوزخ میں جانا بالکل انصاف ہے۔

اس مثال سے سمجھ میں آگیا ہوگا کہ تکوین عالم میں حضور اکرمؐ کی پوزیشن اُس دانہ کی ہے جو ابتداء میں بویا گیا تھا مگر جب وہ حقیقت میں تخم ہے تو اُس پر سلام بھیجنا ایسا ہی ہے جیسے کسی درخت کی جڑ میں پانی دینا۔ کمالات خداوندی تو اُس کے ہر پتہ اور ہر شاخ سے ظاہر ہیں اُن کی توصیف میں رطب لسان ہونا ایسا ہی ہے جیسے پتہ پتہ اور ٹہنی ٹہنی پر پانی ڈالنا۔ جو آخرش سودمند نہیں ہوتا۔ ضرورت اس کی ہے کہ جڑ میں پانی پہونچا دیا جائے تو سب پتوں کو پہنچ جائے گا۔ اور اُس کی شادابی ہر پتہ سے ٹپکے گی۔ پس حضور پر درود بھیجنا بھی بہ منزلہ جڑ میں پانی پہونچانے کے ہے صفات و کمالات خداوندی کی توصیف

کرنے اور تمجید کرنے کے لئے اُس کے مظہر اتم کو سمجھنا اور اُس کی توصیف کرنا کافی ہے۔ چونکہ یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ اور وہ اس کے جواب میں دس بار درود بھیجتا ہے تو یہ توصیف خداوندی کا بہتر طریقہ ہوا۔

دوسرے سوال کا جواب صاف یہ ہے کہ جب ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ تو محمدؐ پر درود بھیج تو اُس میں تو حضرت اکرمؐ کی عبدیت کا اقرار ہے اور یہ بتلاتا ہے کہ ایسی مظہر اتم ہستی کے لئے بھی دعا کی جاتی ہے یہ تو اللہ تعالیٰ کی وحدت و بے نیازی کا علی الاعلان اظہار ہے نہ کہ اُس کے ساتھ کسی کو ملانا۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ۔ معروف کے لغوی معنی جانی پہچانی چیز کے ہیں اور اصطلاح میں ہر وہ فعل مراد ہے جس سے عقل آشنا ہو اور جس کی خوبی کو فطرت سلیمہ جانتی اور سمجھتی ہو۔ اس کی ضد منکر ہے یعنی وہ فعل جس کو فطرت سلیمہ پسند نہ کرے۔ اس طرح معروف تمام نیکیوں پر حاوی ہے اور منکر تمام برائیوں پر۔ نیکیوں پر خود عمل کرنا اور دوسروں کو آمادہ کرنے کا نام امر بالمعروف ہے۔ اسی طرح خلاف فطرت اعمال سے خود احتراز کرنا اور دوسروں کو باز رکھنا نہی عن المنکر ہے۔ اس آیت میں خود نیک بننا اور بدی سے خود پرہیز کرنا مقدم رکھا گیا اور نیک بنانا اور بدی سے روکنا موخر۔ چنانچہ اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ مقدم ہے۔ اور وأمروا بالمعروف ونھوا عن المنکر موخر۔ اس سے ظاہر ہے کہ اصلاح نفس اصلاح غیر سے مقدم ہے۔

انسان کی فطرت ہے کہ اگر کوئی چیز ناپسند ہوتی ہے تو چھوڑ دیتا ہے۔ اگر ناپسندی ایک درجہ بڑھ کر ہوتی ہے تو اُسے دیکھنا یا سننا بھی برداشت نہیں کر سکتا نفرت سے ایک درجہ بڑھ کر دشمنی ہو جاتی ہے تو وہ اُسے مٹانے کا درپے ہو جاتا ہے۔ اگر دشمنی سے بڑھ کر اس کے دل میں جذبات ہوں تو پھر وہ اُس کو مٹانے کو اپنی زندگی کا مشن بنا لیتا ہے۔ اور ہاتھ دھو کر اُس کے پیچھے پڑ جاتا ہے۔ اسی طرح جب وہ کسی چیز کو پسند کرتا ہے تو خود اختیار کرتا ہے جب محبت کرتا ہے تو اُس کو دیکھنے اور اُس کی گفتگو سننے سے خوشی ہوتی ہے۔ جب محبت سے بڑھ کر عشق کا درجہ آتا ہے تو چاہتا ہے کہ دنیا کے ذرہ ذرہ میں اُس کا جمال ہو اور زندگی کا کوئی لمحہ بھی اس کے غیر کو دیکھنے یا غیر کا ذکر سننے اور غیر کے تصور کرنے میں ضائع نہ ہو۔ پھر اگر یہ عشق فدائیت کی حد تک بڑھ جائے تو وہ اپنی زندگی کو اُس کی خدمت کے لیے وقف کر دیتا ہے۔ اور اپنی جان و مال۔ عیش و آرام۔ عزت و آبرو غرض سب کچھ

اُس پر نثار کر دیتا ہے۔ پس امر بالمعروف جس چیز کا نام ہے وہ دراصل نیکی سے انتہائی شیفتگی اور نہی عن المنکر دراصل بدی سے انتہائی بغض و عناد ہے۔

دوسرا جذبہ جس پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی بنیاد ہے جذبۂ انسانیت اور ہمدردیٔ بنی نوع کا جذبہ ہے۔ خودغرض آدمی کو اللہ جو نعمت دیتا ہے اُس میں وہ دوسروں کو شریک نہیں کرتا۔ اسی طرح اپنی مصیبت کے رفع کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر دوسروں کی مصیبت میں مدد نہیں کرتا۔ برخلاف اس کے جو شخص ہمدرد اور محبِ انسانیت ہو وہ اپنی راحت میں سب کو شریک کرتا ہے اور دوسروں کی مصیبت میں بے چین ہو کر مدد کرنے کیلئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ اچھی چیز کو ہر انسان کے لئے اچھی سمجھتا ہے اور بری چیز کو ہر انسان کے لیے بری۔ یہاں ایک اور پہلو بھی ہے۔ چونکہ انسان متمدن ہے اور الگ زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ اس لئے دوسروں کی بُرائی سے بچ نہیں سکتا۔ اگر شہر کی غلاظت سے وبا پھیلے تو صاف وستھرا رہنے والا آدمی بچ نہیں سکتا۔ وہ بھی اُسی طرح متاثر ہوگا جس طرح غلیظ اور میلا کچیلا رہنے والا آدمی۔ اسی طرح شہر کی بداخلاقی کا اثر بداخلاق شخصوں تک محدود نہیں رہے گا بلکہ دوسروں تک بھی پہونچے گا۔ اس لئے امر بالمعروف ونہی عن المنکر صرف دوسروں ہی کی خدمت نہیں بلکہ اپنی خدمت بھی ہے۔ اور درحقیقت مجموعی بہتری میں اپنی بہتری مضمر ہے اور یہ دانشمندانہ حکمت عملی کا دوسرا نام ہے۔ اجتماعی فلاح اور بہبود کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ ایک جماعت ایسی موجود ہو جو دوسرے کو نیکی کا حکم کرنے اور بدی سے روکنے کا اہتمام کرے۔ جب کسی قوم سے یہ اسپرٹ نکل جائے تو وہ تباہی میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ بنی اسرائیل میں یہ پہلا نقص تھا جو پیدا ہوا کہ اُن کے دلوں سے برائی کی نفرت دور ہوگئی اور جھوٹی رواداری پیدا ہوگئی جو برائی کی برداشت کرتے کرتے خود برائی میں مبتلا ہو جانے پر انسان کو آمادہ کر دیتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ "جب اُن میں کا ایک آدمی دوسرے سے ملتا تو کہتا کہ اے شخص اللہ سے ڈر اور یہ فعل چھوڑ دے کیونکہ یہ تیرے لئے جائز نہیں ہے مگر جب دوسرے دن اس سے ملتا تو اُسی کا ہم پیالہ اور ہم نشین بننے سے کوئی چیز اُسے باز نہ رکھتی آخر اُن پر ایک دوسرے کی برائی کا اثر پڑ گیا اور اُن کے ضمیر مردہ ہو گئے"۔ جب حضور یہ فرمار ہے تھے تو دفعتاً لیٹے لیٹے اٹھ بیٹھے اور جوش میں آکر فرمایا "اُس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تمھیں لازم ہے کہ نیکی کا حکم کرو اور بُرائی سے روکو۔ بدکار کا ہاتھ پکڑ لو اور اُسے حق کی طرف موڑو۔ ورنہ اللہ تمہارے دلوں پر بھی اثر ڈال دے گا یا تم پر بھی اسی طرح لعنت کرے گا جس طرح اُن پر کی تھی"۔

پس امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی حقیقت یہی نہیں ہے کہ وہ فی نفسہٖ ایک اچھی چیز ہے۔

اور بنی نوع سے ہمدردی ایک بہترین جذبہ ہے بلکہ درحقیقت وہ نظام تمدن کو فساد سے محفوظ رکھنے کی ایک بہترین اور ناگزیر تدبیر ہے وہ ایک خدمت ہے جو دنیا میں امن قائم کرنے ۔ دنیا کو شریف انسانوں کی بستی کے قابل بنانے اور دنیا والوں کو حیوانیت کے درجہ سے انسانیت کاملہ کے درجے تک پہونچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک بہترین گروہ کے سپرد کی ہے۔

یہ عالم گیر خدمت جو مسلمانوں کے سپرد کی گئی ہے اُس کے دو جزو ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ سوسائٹی کا ایک اچھا رکن بننے کے لئے کم از کم انسانی فرض کیا ہے۔ وہ یہ کہ بُرے کاموں سے بچے دوسروں کے حق نہ چھینے اُن کے امن میں خلل نہ ڈالے۔ اگر کوئی شخص اُن فرائض کو انجام نہ دے تو سوسائٹی اُس کو مجبور کرسکتی ہے کہ ادا کرے۔

دوسرا درجہ وہ ہے جس سے سوسائٹی کا معزز رکن بن سکتا ہے اور وہ درجہ فضائل اخلاق کے پیدا کرنے سے حاصل ہوسکتا ہے مثلاً حقوق پہچاننا انھیں ادا کرنا۔ خود نیک بننا اور دوسروں کو نیک بنانا سوسائٹی کی خدمت کرنا اور حق کی حمایت اور حفاظت کرنا۔ یہ فرائض اجباری نہیں اختیاری ہیں۔ انسان کی مرضی پر منحصر ہے کہ خواہ معزز اور اعلیٰ درجہ کا انسان بنے یا نہ بنے۔

حیوانیت کے درجہ سے نکال کر انسانیت کی سطح پر لانا اور اوسے سوسائٹی کا غیر مفید اور نقصان دہ رکن بننے سے روکنا نہی عن المنکر کا کام ہے۔ اُسے انسانی سوسائٹی کا مفید اور معزز رکن بنانا امر بالمعروف سے متعلق ہے۔ اسلام کا مقصد تو انسان کو اعلیٰ انسان بنانا ہے مگر معروف کا بیج ڈالنے سے پہلے اُس کی فطرت کو منکر سے پاک کرکے ہموار کردینا ضروری ہے۔ اسلام ہر شخص کو معروف کی طرف دعوت دیتا ہے مگر چونکہ منکر ایک پردہ ہے۔ زنگ ہے اس لیے پہلے اُسے کھرچ دینا ضروری سمجھتا ہے اگر اُس کے بعد بھی کوئی معروف کا جمال نہ دیکھے تو اُس کا معاملہ خدا پر چھوڑ دیتا ہے۔

چنانچہ اسلام کی حیثیت ایک دعوت کی ہے نیکی اور تقویٰ کی جانب۔ دوسرے وہ اللہ کا قانون ہے۔ دعوت کا منشا تو یہ ہے کہ وہ خلافت کا اہل بن جائے اور قانون کا منشا یہ ہے کہ انسان اگر منصب خلافت کی خدمات انجام نہ دے تو کم از کم خونریزی تو نہ کرے۔ پہلی چیز باطن کی صفائی پر منحصر ہے مگر دوسری چیز وعظ و تلقین کے علاوہ بعض اوقات قوت کے استعمال سے بھی ممکن ہے اس لئے فعل و عمل کی برائی کو طاقت و قوت کے زور سے روکنے کا حکم دیا۔ جب حدیث بالا میں مرقوم ہے کہ لازم ہے کہ بدکار کا ہاتھ پکڑ لو مگر دعوت کے لئے اُدْعُ اِلٰی سبیل ربك بالحکمۃ

والموعظة الحسنہ فرمایا۔ چنانچہ بُرائی سے روکنا یہ مسلمانوں کی قدرت اور استطاعت پر منحصر ہے اگر یہ قوت ہے تو تمام دنیا کو منکر سے روک کر قانون عدل کا مطیع بنالیں تو اُن کا فرض ہے کہ اس قوت کا استعمال کریں لیکن اگر اتنی قوت نہیں ہے تو جس حد تک ممکن ہو اس خدمت کو انجام دینا چاہیئے۔

منکر کی وہ قسم جس میں اللہ تعالیٰ نے قوت کے استعمال کا حکم دیا ہے اور اس کو بزور شمشیر مٹانے کا حکم ہے وہ فتنہ و فساد ہے گو لفظ فتنہ اُس دکھ۔ درد اور مصیبت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو انسان کو حق سے غافل کر کے غلط کاریوں میں بتلا کر دے مگر صحیح معنی یہ ہیں کہ اپنے حدود سے تجاوز کرنے والوں کی سرکشی سے بندگان خدا کی اخلاقی۔ روحانی اور مادی زندگانی پر تباہی لاتا ہے فساد کہتے ہیں کسی چیز کے حد اعتدال سے نکل جانے کو۔ مگر عموماً اُس کا اطلاق بدکاری کی شدت اور کثرت پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی بزور مٹانے کا حکم دیا ہے۔

تبلیغ کا اصل الاصول

اسلام کی دو حیثیتیں ہیں (۱) وہ دنیا کے لئے اللہ کا قانون ہے۔ (۲) نیکی یا تقویٰ کی جانب ایک پکار یا دعوت۔ پہلی حیثیت کا منشاء دنیا میں امن قائم کرنا اور اس کو ظالم انسانوں کے ہاتھوں سے تباہ ہونے سے روکنا ہے۔ دوسری حیثیت میں وہ قلوب کا تزکیہ کرنے والا ارواح کو پاک کرنے والا اور بنی آدم کو اعلیٰ انسان بنانیوالا ہے جس کے لئے تلوار کی دھار نہیں بلکہ دلوں کا جھکاؤ کارآمد ہو سکتا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ کو مجبورانہ ایمان درکار نہ تھا۔ وہ تو ایسی مخلوق چاہتا تھا کہ جسے کوئی قوت ایمان لانے پر مجبور کرنے والی نہ ہو۔ بلکہ وہ خود اپنی عقل سے خدا کو پہچانے۔ اپنی جستجو سے پالے۔ اور خود اپنی آزاد خواہش سے اُس کی بندگی اور عبادت کرے۔ اور اُس کے احکام پر خلاف ورزی کرنے کی قدرت رکھنے کے باوجود اس کی طاعت و فرمانبرداری کرے۔ اللہ تعالیٰ نے خود نہ چاہا اسی لئے پیغمبر علیہ السلام کو بار بار سمجھایا ہے کہ دین میں جبر و اکراہ کا کام نہیں ہے۔

اسلام چند عقائد ہی کا مجموعہ نہیں بلکہ قانون بھی ہے۔ جس کی پابندی سے ہر انسان بہترین انسان بن سکتا ہے۔ اُن عقائد کی پابندی سے انسان باوقعت اور قابل احترام بن سکتا ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کو چاہیئے کہ ہر انسان تک یہ عقائد پہونچا دئے تاکہ دنیا اس سے بے خبر نہ رہے کہ ہدایت کا راستہ اور بنی نوع کے فلاح کا طریقہ کیا ہے۔ صداقت پہونچنے کے بعد ہر شخص اپنی جگہ ٹھنڈے دل سے غور کر سکتا ہے۔ جس حد تک عقل و صداقت سے کام لے گا راہ راست پر آئے گا۔ اور جس قدر عصبیت اور قومیت کو دخل دے گا صداقت سے دور رہے گا۔ باز پرس کا انحصار بھی اُسی حد تک رہے گا جس

حد تک اس کو تبلیغ پہونچی ہے۔

جہاد فی الاسلام

انسانی تمدن کی بنیاد جس قانون پر قائم ہے اُس کی پہلی دفعہ یہ ہے کہ انسان کی جان اور اُس کا خون محترم ہے۔ مدنی حقوق میں اُس کو اولین حق زندہ رہنے کا ہے۔ اگر انسانی جان کی قیمت نہ ہو اُس کا احترام نہ ہو تو سوسائٹی کیسے قائم رہ سکتی ہے۔ اس لئے ذاتی فائدہ کے لئے کسی انسان کی جان لینا بدترین سنگدلی کہلاتی ہے جس سے انسان درجہ انسانیت پر قائم نہیں رہ سکتا۔ اسلامی تعلیم سے پہلے انسانی جان کی کچھ زیادہ وقعت نہ تھی۔ روم کے کلوسلیم کے افسانے اب تک تاریخ کے صفحات پر موجود ہیں جہاں شمشیر زنی کے کمالات دکھلانے یا رومی امراء کے تماشے کے خاطر صدہا جانیں نذر ہوتی تھیں مہمانوں کی تفریح کے لیے غلاموں کو درندوں سے پھڑوا دیا جاتا تھا۔ غلاموں کو عذاب دینا۔ اولاد کو مار ڈالنا۔ خاوند کا بیوی کو مار ڈالنا یہ سب فعل جائز سمجھے جاتے تھے۔ ہندستان میں بھی ستی کی رسم جاری تھی۔ پہلی اولاد کو گنگا کی نذر کر دینا ایک عام رسم تھی۔ ایسے تاریک دور میں اسلام نے آواز بلند کی کہ اللہ تعالیٰ نے جان کا لینا حرام قرار دیا ہے الا بالحق۔ قرآن کریم نے انسان کو اُس کی جان کی صحیح قیمت سے آگاہ کر دیا۔ مگر اُس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ جہاں چاہے فساد پھیلاتا پھرے۔ یا دوسروں کی جان لے اگر وہ ایسا کرے گا تو اپنے حق حیات کو خود بخود کھو دے گا۔ اور اُس کے خون کی حرمت زائل ہو کر حلت سے بدل جائے گی۔ قتل بہت بُری چیز ہے۔ مگر اُس سے زیادہ بری چیز فتنہ و فساد ہے۔ اسلام نے قصاص میں اعلیٰ و ادنیٰ کا تفرقہ نہیں رکھا بلکہ جان کے بدلے جان کہا ہے۔ خواہ وہ غلام کی ہو خواہ امیر کی۔

ایک طرف دنیا میں ایک گروہ وہ تھا جو انسانی جان کی کوئی قیمت نہیں سمجھتا تھا اور نفسانی خواہشات پر اُسے قربان کر دینا جائز سمجھتا تھا اور دوسری طرف وہ غلط فہم اور غلط بیں گروہ تھا جو خون کے تقدس اور ابدی حرمت کا قائل تھا اور کسی حال میں بھی اُسے بہانا جائز نہیں سمجھتا تھا۔ اسلامی شریعت نے ان دونوں غلط خیالیوں کی تردید کی۔ اُس نے بتایا کہ نفس انسانی کی حرمت نہ تو ابدی ہے کہ کسی طرح حلت سے بدل ہی نہ سکے۔ اور نہ اُس کی قیمت اس قدر کم ہے کہ نفسانی جذبات کی تسکین کی خاطر اُسے ہلاک کر دینا جائز ہو اسلام نے بتایا کہ انسان جب تک سرکشی نہ کرے۔ اقامت حدود کی پابندی کرے تو اُس کا خون واجب الاحترام ہے اور جب وہ سرکشی کر کے حق پر دست درازی کرے تو اپنے خون کی قیمت کھو دیتا ہے۔ جس طرح افراد سرکش ہوتے ہیں اسی طرح جماعتیں اور قومیں بھی سرکش ہوتی ہیں اُن میں بھی اخلاقی امراض پھیلتے ہیں اور اُن کو قابو میں رکھنے کے لیئے بھی جنگ ناگزیر ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں جنگ جائز ہی نہیں بلکہ

فرض ہو جاتی ہے۔ اس وقت انسانیت کی سب سے بڑی خدمت یہی ہے کہ اُن ظالموں کے خون سے زمین کو سُرخ کر دیا جائے۔ اور اُن مفسدوں کے شر سے اللہ کے مظلوم اور بے بس بندوں کو نجات دلائی جائے۔

عملی اخلاق جس کا مقصد تمدن کا صحیح نظام قائم کرنا ہے در اصل ایک دوسرا ہی فلسفہ ہے جس میں خیالی لذت کا سامان ڈھونڈھنا بیکار ہے جس طرح علم کا مقصد لذت کام و دہن نہیں بلکہ اصلاح بدن ہے خواہ کڑوی دوا سے ہو خواہ میٹھی دوا سے۔ اسی طرح اخلاق کا مقصد بھی لذت ذوق نظر نہیں ہے بلکہ دنیا کی اصلاح ہے خواہ سختی سے ہو خواہ نرمی سے۔ کوئی سچا مصلح تلوار اور قلم میں سے کسی ایک چیز کو اختیار کرنے اور ایک ہی ذریعہ سے فریضۂ اصلاح کو انجام دینے کا فیصلہ نہیں کر سکتا اس کو اپنا کام پورا کرنے کے لئے دونوں چیزوں کی یکساں ضرورت ہے۔ جب تک زبانی تبلیغ انسانیت کے حدود کا پابند بنانے میں کارگر ہو سکتی ہے تو اُس کے خلاف تلوار استعمال کرنا ناجائز بلکہ حرام ہے مگر جب کسی جماعت کی شرارت حد سے گزر چکی ہو اور اُس کو باز رکھنے کی اور کوئی صورت باقی نہ رہے تو انسانیت کا یہ فرض اولین ہے کہ اس کے خلاف تلوار اٹھائے اور اُس وقت تک آرام نہ لے جب تک کہ خدا کی مخلوق کو اُس کے کھوئے ہوئے حقوق واپس نہ مل جائیں چنانچہ اسلام میں جب پہلی آیت جنگ کے متعلق اتری اُس میں اُن لوگوں کا جن کے خلاف جنگ کا حکم ہے یہ قصور بتایا گیا ہے کہ وہ ظلم کرتے ہیں اور لوگوں کو بے قصور اُن کے گھروں سے نکالتے ہیں اس لیے ایسی جنگ کو جو مظلوموں کی اعانت کے لئے کی جائے اللہ تعالیٰ نے راہ خدا کی جنگ قرار دیا ہے۔ چنانچہ حق و باطل کی حد بندی بھی اسی سے کی ہے کہ جو لوگ ظلم و سرکشی کی راہ سے جنگ کرتے ہیں وہ شیطان کے دوست ہیں۔ اور جو ظلم مٹانے کے لئے جنگ کرتے ہیں وہ راہ خدا کے مجاہد ہیں بہ الفاظ دیگر اپنی تمنا اور خود غرضی کے تحت لڑنا جنگ ہے اور دوسروں کے حقوق کی حفاظت اور ظلم کو مٹانے کے لئے لڑنا جہاد ہے۔ جس جنگ سے اللہ کے نام لینے والوں کو ستانا مقصود ہو وہ سبیل طاغوت کی جنگ ہے اُس سے اللہ سے کوئی واسطہ نہیں۔ ایسی جنگ کرنا ایمانداروں کا کام نہیں ہے۔ البتہ جو مظلوموں کی حمایت اور مدافعت میں مدد کرتے ہیں جو دنیا سے ظلم و طغیان مٹا کر عدل و انصاف قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اُن کی جنگ راہ خدا کی جنگ یا جہاد ہے۔ وہ مظلوموں کی کیا مدد کرتے ہیں گویا خدا کی مدد کرتے ہیں۔ اور اللہ کی نصرت کا وعدہ انھیں کے لئے ہے۔

جو فضیلت جہاد کی کلام اللہ میں آئی ہے اُس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے درجے دینے کا

وعدہ کیوں کیا ہے۔ اس لئے کہ اللہ نہیں چاہتا کہ اُس کی زمین پر فتنہ وفساد پھیلایا جائے۔ اُس کو یہ گوارا نہیں کہ اُس کے بندوں کو بے قصور ستایا جائے۔ اُس کو یہ پسند نہیں کہ طاقت ور کمزوروں کو کھا جائیں اس لئے اُس نے جہاد فی سبیل اللہ کی بڑی فضیلت رکھی ہے۔ اُس کو انسانی اعمال میں ایمان باللہ کے بعد سب سے بڑا درجہ دیا ہے۔ اور غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ درحقیقت یہی چیز تمام فضائل ومکارم اخلاق کی روح ہے۔ انسان کی یہ اسپرٹ کہ وہ بدی کو کسی حال میں برداشت نہ کرے اور اُسے رفع کرنے کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار ہو جائے انسانی شرافت کی سب سے اعلیٰ اسپرٹ ہے۔ اور عملی زندگی کی کامیابی کا راز اسی اسپرٹ میں ہے۔

جو شخص دوسروں کے لئے بدی کو برداشت کرتا ہے اُس کی اخلاقی کمزوری اُسے بہت جلد اس پر بھی آمادہ کر دیتی ہے کہ وہ خود اپنے لئے بدی کو برداشت کرے اور جب اُس میں برداشت کا وہ مادہ پیدا ہو جاتا ہے تو پھر اُس پر ذلت کا وہ درجہ آتا ہے جسے خدا نے اپنے غضب سے تعبیر کیا ہے اور اُس درجہ میں پہونچ کر اُس کے اندر شرافت وانسانیت کا کوئی احساس باقی نہیں رہتا وہ جسمانی اور مادی غلامی ہی نہیں بلکہ ذہنی اور روحانی غلامی میں مبتلا ہو جاتا ہے اُس کے برخلاف جس شخص میں یہ اخلاقی قوت موجود ہو کہ وہ بدی کو محض بدی ہونے کے باعث بُرا سمجھے وہ سچا اور اعلیٰ درجہ کا انسان ہوتا ہے اور اُس کا وجود عالم انسانی کے لئے رحمت ہوتا ہے۔ ایسے شخص کو چاہے کسی معاوضہ کی خواہش نہ ہو مگر دنیا اتنی احسان ناشناس نہیں ہے جو اُس خادم انسانیت کو اپنا سرتاج اور اپنا سردار تسلیم نہ کرے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ بھی اس کو دنیا کا سردار بنا دیتا ہے۔ اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ۔ اور یہیں سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ اولٰئک ھم الفائزون۔

جہاد کی دو قسمیں ہیں مدافعانہ جنگ اور مصلحانہ جنگ۔ جہاد کی حقیقت سمجھنے کے بعد یہ سمجھ لینا بہت آسان ہے کہ قوموں کی زندگی میں جہاد کی روح کو کیا درجہ حاصل ہے اور نظام تمدن کو درست رکھنے کے لئے کس قدر اُس کی ضرورت ہے اگر دنیا میں کوئی ایسی قوت موجود ہو جو بدی کے خلاف پیہم جہاد کرتی رہے تو نظام تمدن میں بے اعتدالی ہرگز نظر نہ آئے۔ بدی کو دوسروں سے دفع کرنا تو بڑی چیز ہے اگر اُسے اپنے سے دفع کرنے کا احساس بھی کسی قوم میں موجود ہو اور اُس کے مقابلہ میں وہ اپنے عیش وآرام۔ اپنی دولت وثروت۔ اپنی نفسانی لذات۔ اپنی جان کی محبت غرض کسی چیز کو عزیز نہ رکھے تو وہ کبھی ذلیل وخوار ہو کر نہیں رہ سکتی۔ اور اس کی عزت کو کوئی قوت پامال نہیں کرسکتی۔ حق کے آگے سر جھکا اور ناحق کے آگے سر جھکانے پر موت کو ترجیح دینا ایک شریف قوم کا خاصہ ہونا چاہیئے اور اگر وہ اعلائے حق

اور اعانت حق کی قوت نہ رکھتی ہو تو اُسے کم از کم تحفظ حق پر پتی کے ساتھ ضرور قائم رہنا چاہیئے۔ جو شرافت کا کم سے کم درجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے سب معاملات میں تحمل و برداشت کی تعلیم دی ہے مگر ایسے حملہ کو برداشت کرنے کی تعلیم نہیں دی جو دین اسلام کو مٹانے یا مسلمانوں کے حقوق اور اُن کی آزادی کو سلب کرنے کے لیے کیا جائے۔ حفاظت دین اور مدافعت دیار اسلام کا حکم ایسا سخت ہے کہ جب کوئی قوت اسلام کو مٹانے اور اسلامی قومیت کو فنا کرنے کے لیے حملہ آور ہو تو تمام مسلمانوں پر فرض عین ہو جاتا ہے کہ سب کام چھوڑ کر اُس کے مقابلہ پر نکل آئیں اور جب تک اسلام اور اسلامی قومیت کو اس خطرے سے محفوظ نہ کریں اُس وقت تک چین نہ لیں بدایع الصنایع میں لکھا ہے کہ "جب اعلان عام ہو جائے کہ دشمن نے ایک اسلامی ملک پر حملہ کیا ہے تو پھر فرض عین ہو جاتا ہے اور ہر مسلمان پر جو جہاد کی قوت رکھتا ہو فرداً فرداً اس کی فرضیت عائد ہوتی ہے۔ تغیر عام ہونے کے بعد تو ادائے فرض کا حق بغیر اُس کے پورا ہوتا ہی نہیں کہ سب کے سب جہاد کرنے کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ اُس وقت وہ سب مسلمانوں پر اُسی طرح فرض عین ہو جاتا ہے جس طرح روزہ اور نماز۔ پس غلام کو بغیر آقا کی اجازت کے اور عورت کو بغیر اپنی شوہر کے اجازت کے نکلنا چاہیئے کیونکہ اُن عبادات میں جو فرض عین ہیں غلام اور بیوی کی خدمت آقا اور شوہر کی ملک سے مستثنیٰ ہیں جیسے نماز اور روزہ۔ اسی طرح بیٹے کے لئے مباح ہو جاتا ہے کہ وہ بغیر والدین کی اجازت کے نکل کھڑا ہو۔ کیونکہ نماز اور روزہ جیسے فرض عین ہیں والدین کا حق اثر انداز نہیں کر سکتا۔"

مسلمانوں کو اُن دینی فرائض میں جو دنیا سے تعلق رکھتے ہیں سب سے بڑا اور اہم فرض یہ ہے کہ وہ اپنے مذہب اور اپنے قومی استقلال کی سختی کے ساتھ حفاظت کریں۔ اور اپنے قومی اور دینی وجود کو کسی حال میں فتنے سے مغلوب نہ ہونے دیں اس لئے اسلام نے اپنے پیروؤں کو جنگ کی محض اجازت ہی نہیں دی بلکہ تاکید کی ہے۔

مدافعانہ جنگ کے یہ احکام ہیں:

(۱) جب مسلمانوں سے جنگ کی جائے اور اُن پر ظلم و ستم کیا جائے تو مسلمانوں کے لیے اپنی مدافعت میں جنگ کرنا جائز ہے۔

(۲) جب لوگ مسلمانوں سے گھر بار چھینیں اُن کے جائز حقوق سلب کریں اور اُنھیں اُن کی ملکیتوں سے بیدخل کریں تو اُن کے ساتھ جنگ کرنا چاہیئے۔

(۳) جب مسلمانوں پر اُن کے مذہبی عقائد کے باعث تشدد کیا جائے اور انھیں محض اس لیے

ستایا جائے کہ وہ مسلمان ہیں تو اُن کے لئے اپنی مذہبی آزادی کے خاطر جنگ کرنا جائز ہے۔

(۴) دشمن غلبہ کر کے جس سرزمین سے مسلمانوں کو نکال دیں یا مسلمانوں کے اقتدار کو وہاں سے مٹا دیں۔ اس کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور جب کبھی مسلمانوں کو طاقت حاصل ہو تو انھیں اُن تمام مقامات سے دشمن کو نکال دینا چاہیئے جہاں سے اس نے مسلمانوں کو نکالا ہے۔

صد عن سبیل اللہ یعنی اللہ کے راستے سے روکنا بھی ایک جرم ہے جس کے خلاف جنگ ضروری ہے اور اُس کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) جو لوگ دوسرے راستے پر چل رہے ہیں انھیں اس راستہ پر نہ آنے دیا جائے۔

(۲) جو اس راستہ پر چل رہے ہیں اُن کو ہٹا دیا جائے۔

(۳) چلنے والوں کے راستے میں کانٹے بچھا دیئے جائیں۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں سے بھی جنگ کا حکم دیا ہے (۱) جو مسلمانوں سے عہد کر کے توڑیں (۲) اُن سے معاہدہ تو ہو مگر اُن کا رویہ ایسا مخالفانہ اور معاندانہ ہو کہ اسلام اور مسلمانوں کو اُن سے نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہو۔ (۳) جو لوگ بار بار بدعہدی اور دغابازی کریں۔

ان بیرونی دشمنوں کے سوا کچھ اندرونی دشمن بھی ہیں جن کو قرآن حکیم نے منافق کا جامع لفظ استعمال کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ ایک گروہ ایسا بھی ہے جن کے ساتھ مسلمانوں کا سا برتاؤ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ گروہ اسلام قبول کرنے کے بعد علانیہ کفر کرتا ہے یا زبان سے اسلام کا اقرار اور حرکات سے مسلمانوں کا درپے آزار ہوتا ہے۔ تفرقہ برپا کرتا ہے۔ مصیبت کے وقت اسلام کی مدد کے بجائے اُسے مٹانے کی کوشش کرتا ہے۔

مدافعانہ جنگ کے جو احکام اوپر بیان ہوئے اُس کا منشا مسلمانوں کی قومی قوت کو مٹنے سے اور تباہ ہونے سے بچانا ہے مگر اُس کا مصرف کیا ہے۔ قوت کو بچا کر کیا کام لینا مقصود ہے اُس کو قرآن نے اِن الفاظ میں بیان کیا ہے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ۔ اس میں ارشادِ پاک أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ہے یعنی تمام بنی نوع انسان کی خدمت کے لئے پیدا ہوئے ہیں اور بنی نوع کی خدمت یہ ہے کہ نیکی کا حکم کریں اور بدی سے روکیں چنانچہ مسلمانوں کی زندگی کا مقصد یہ ٹھہرا کہ وہ بنی نوع انسان کی خدمت کریں یعنی اُن کو نیکی کا حکم کریں اور بدی سے روکیں۔

حیوانوں سے لے کر انسانوں تک ہر ایک کا فطری تقاضہ یہ ہے کہ اچھا کھائے آرام سے

رہے اور ابنائے جنس پر غلبہ کرے اور اس فکر میں اُس کی عمر کا بڑا حصہ صرف ہوتا ہے مگر ایک مسلمان ہے کہ وہ اپنی زندگی کا نصب العین بہت بلند رکھتا ہے۔ وہ اپنی زندگی اس لئے نہیں سمجھتا کہ تن آسانی سے بسر ہو بلکہ اس لیے سمجھتا ہے کہ بنی نوع انسان کی خدمت ادا کرے۔ اُن کے لیے اپنا مال۔ اپنی جان اپنا سب کچھ اگر ضرورت ہو تو دے دے۔ یہ خدمت جہاد فی سبیل اللہ ہے اور اسی کا اجر ہے۔ اس سے یہ فرق بھی سمجھ میں آجائے گا کہ جہاد کیا ہے اور جنگ کیا ہے جس کی تعریف ابتدا میں کی گئی ہے کہ اپنے اور بقائے نفس کے لئے لڑنا جنگ ہے اور دوسروں کی خدمت کرنا۔ اُن کی زندگی برقرار رکھنے اپنی جان دینا یہ جہاد ہے چونکہ مسلمانوں کی مدافعانہ جنگ میں بھی تحفظ قوت اور اس کا استعمال فی سبیل اللہ مقصد ہوتا ہے اس لئے وہ بھی جہاد ہے مسلمانوں کی قوت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ نیکی کو قائم کریں گے اور بدی کو مٹائیں گے اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی خیر امت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کی خدمت کے لیے نہیں پیدا ہوئے بلکہ اُن کی زندگی کا نصب العین اخرجت للناس میں پوشیدہ ہے۔ اُن کی زندگی کا مقصد تمام عالم انسانی کی خدمت ہے اور خدمت کا دائرہ تمام کرۂ زمین کو محیط ہے۔

غلامی کا مسئلہ

اسلام کے پہلے سے غلامی کا مسئلہ چلا آرہا تھا۔ اسلام نے اُس کی اجازت دی اس لئے کہ دفعتاً اس کا موقوف کر دینا مشکل تھا۔ اسلام کی اسپرٹ تدریجی اصلاح کی ہے۔ اور اس مسئلہ میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا۔ اُس کے کئی وجوہ ہیں۔

(۱) اس عہد میں اسیران جنگ کے تبادلہ کا دستور نہ تھا جب مسلمانوں کے آدمی دوسری قوموں کے پاس قید ہوتے تو غلام بنا کر رکھ لئے جاتے اُس کے تدارک میں اس کے سوا چارہ کار نہ تھا کہ دشمن قوموں کے جو لوگ گرفتار ہو کر آئیں انھیں غلام بنا کر رکھیں تاہم جہاں تبادلہ کا موقع آیا ہے تو مسلمانوں نے بخوشی منظور کیا ہے۔

(۲) جب کسی گاؤں کے اکثر و بیشتر مرد لڑائی میں مر جاتے تو لاوارث عورتوں اور بچوں کی پرورش کا انتظام یہی ہو سکتا تھا کہ فاتح قوم اس کو اپنے ذمہ لے۔

(۳) اسلام نے صرف اجازت دی حکم نہیں دیا بلکہ بے شمار فتوحات میں غلام نہیں بنایا گیا یا رہا کر دیا گیا۔

(۴) جنگ کی مجبوری سے تو اس کی اجازت دی مگر لوگوں کو پکڑ کر بیچنے کی سختی سے مخالفت کی۔ چنانچہ حضور نے فرمایا کہ میں مدعی ہوں گا اگر کوئی آزاد انسان کو بیچ کر اُس کی قیمت کھائے۔

اسلام نے بلا واسطہ اس اصلاح کو مشکل پاکر بالواسطہ ایسے طریقے اختیار کئے جن سے غلامی کی مضرتیں اور خرابیاں دور ہو جائیں۔

(۱) غلام کو آزاد کرنے اور آزادی میں مدد دینے کو بہت بڑا ثواب قرار دیا پھر اُن کے ساتھ نیک سلوک کی سخت تاکید کی اچھا کھلانے اور اچھا پہنانے کی بڑی تاکید کی۔

(۲) غلاموں کو وہ حقوق دئے جن سے وہ آزادوں کے لگ بھگ ہو گئے۔

(۳) اپنے اندر اُن کو مساوات کا درجہ دیا۔ ترقی کی راہیں اُن کے لئے کھلی تھیں۔

خصوصیات قرآنی

صفت تنزیل: قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے بائیس سال کے عرصہ میں نازل ہوا۔ اس سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ صحابہ کو اُترتے ہوئے قرآن پر غور کرنے کا کافی موقع ملا۔ اور عمل پیرا ہونے کا بھی اچھا وقت ہاتھ آیا ایک عمل کے راسخ ہونے کے بعد دوسرے عمل کی طرف رجوع ہونے سے ہر عمل پختہ ہوتا گیا۔ اسی لئے صحابہ کا گروہ ایسا پختہ اعتقاد اور پختہ عمل کا نمونہ ہوا کہ اُن کو دیکھ کر دوسرے اپنے کردار کو درست کر سکے۔ اکثر فرائض تدریجی طور پر نافذ ہوئے اور اکثر کبائر تدریجی طور پر چھڑائے گئے اس سے کردار کے بننے میں بڑی مدد ملی۔

مفسرین نے تنزیل کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا ہے مکی اور مدنی۔ مکی دور کے تنزیل میں زیادہ مخاطبت کفار عرب سے ہے مدنی دور میں زیادہ مخاطبت یہود و نصاریٰ سے ہے۔ مکی دور میں صفات خداوندی کے مثبت اور منفی پہلو۔ رسالت کی ضرورت اور رسول کے کردار، معاد حشر و نشر پر زور دیا گیا ہے۔ جس سے انفرادی ترقی میسر آتی ہے۔ انسانی شخصی کردار بنتا ہے۔ مدنی سورتوں میں معاشی و معاشرتی پہلو مدنیت کے اصول و مسائل۔ آپس کے میل جول کے آداب و طریقے۔ زیادہ وضاحت سے سمجھائے گئے ہیں جس سے اجتماعی ترقی میسر آتی ہے۔ مکی دور میں چھوٹی صورتیں زیادہ ہیں۔ مدنی دور میں لمبی سورتیں زیادہ ہیں۔

اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ ہر سورت اپنی جگہ مکمل ہے۔ جو ترتیب صحیفہ عثمانی میں پیش نظر رکھی گئی ہے وہی حضورؐ سے مروی بھی ہے۔ اکثر سورتیں تہجد میں حضور سے سنی گئی ہیں اور اسی ترتیب میں ربط او تعلق بھی ہے۔ لہذا اکثر مفسرین نے اس ربط کو سمجھانے کی کوشش بھی کی ہے۔

شان نزول کی وضاحت سے اکثر آیات کی وضاحت اچھی طرح ہو جاتی ہے۔ اس لئے مفسرین نے اس پر بہت زور دیا ہے۔ تاکہ اصول کے معلوم کرنے میں اور مسائل کے استنباط کرنے میں سہولت ہو۔

قرآن مجید کا طریقہ بیان یہ ہے کہ جہاں جو شبہ لگتا ہے اُس کا ازالہ وہیں کر دیا جاتا ہے

تاکہ سننے والے کو کسی پچھلے حوالے کا انتظار نہ کرنا پڑے۔ یوں سمجھئے کہ ایک مقرر متعدد بار جب تقریریں کرتا ہے تو ہر تقریر اپنی جگہ مکمل ہوتی ہے اس میں دوسرے تقاریر کے حوالے نہیں دئے جاتے بلکہ جو بات کہنی ہوتی ہے اس کو واضح بیان کر دیا جاتا ہے گو وہ بات کبھی پہلے بھی ذکر ہو چکی ہو۔ بیان کا نہج یہ نہیں ہوتا کہ یہ بات فلاں جگہ بیان ہو چکی ہے دیکھو فلاں صفحہ یا فلاں سورت۔ اس طرز کو اختیار کرنے سے گو بعض باتیں دہرا کر بیان ہوئیں مگر ہر جگہ انداز بیان نرالا ہے اور جس قدر حصہ پر زور دینا تھا اُسی کا ذکر کر کے چھوڑ دیا گیا۔ اس سے اسلوب بیان میں بڑی دلکشی اور دل آویزی ہو گئی۔

چونکہ کتابی شکل میں نازل نہیں ہوا۔ اس لئے کتابی تسلسل کی توقع بھی عبث ہے۔ گو معنوی طور پر ربط و تسلسل دونوں موجود ہیں۔

جہاں ضرورت داعی ہوئی مثالیں ایسی عجیب و غریب دی گئیں ہیں کہ ہر طرح چسپاں ہیں۔ تشبیہات مرکب استعمال ہوئی ہیں اور اکثر پہلو سے ہو بہو چسپاں ہوتی ہیں۔

مناظر و جذبات کا نقشہ ایسی دلکشی سے کھینچا گیا کہ سننے والے کے آنکھوں کے سامنے نقشہ کھنچ جاتا ہے۔ الفاظ سے تصویر کشی کا کام لیا گیا ہے۔ دل پر ایک چوٹ لگتی ہے اور دل بے چین ہو جاتا ہے۔

اکثر مقامات پر باہمی گفتگو اور سوالیہ انداز بیان اختیار کیا گیا ہے جو غیر معمولی طور پر موثر اور دل آویز ہے۔ شروع سے اخیر تک کلام کا دبدبہ ہیبت وقار اس قدر زیادہ ہے کہ اکثر سامعین سُن کر بے ہوش ہو ہو گئے۔ حشر و نشر جنت و دوزخ کے نقشے ایسے عمدہ پیرائے میں کھینچے گئے کہ دلوں میں ہیبت ہو جاتے ہیں۔ ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف گریز ایسی خوبی سے کی گئی کہ اکثر فصحائے نے عاجزی سے سر ٹیک دیا۔ ایجاز بیان۔ اور بلاغت کی خوبی ایسی عجیب ہے کہ کسی فصیح کے کلام میں عشر عشیر بھی نہیں ملتی۔ انداز بیان اس قدر دل کش کہ سننے کے بعد فصحائے عرب نے عاجز ہو کر یہ قبول کر لیا کہ مَا هٰذَا قَوْلُ الْبَشَرِ۔ فیلسوف کندی کے متعلق مشہور ہے کہ اُس کے دوستوں نے کہا کہ آپ بڑے حکیم ہیں۔ ہمارے لئے ان مسلمانوں کے قرآن کے مانند کوئی کتاب بنا دیجئے تاکہ اُن کا دعویٰ اعجاز رد ہو جائے اُس نے کہا بہتر دو ایک سورتوں کے برابر تو بنا دوں گا۔ یہ کہہ کر چند روز کے لئے تخلیہ میں چلا گیا اور پھر جب باہر نکلا تو کہا کہ بھائی اس کا مثل مجھ سے نہیں بن سکتا۔ میں نے جو قرآن کھول کر دیکھا تو میری نظر سورۂ مائدہ پر پڑی جس کی اس آیت نے مجھے حیران کر دیا کہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ عقود میں ہر قسم کے معاملات داخل ہیں۔ اللہ پر ایمان لانے سے لیکر باہمی معاملات

باہمی لین دین۔ یا قوموں کے تعلقات سب آگئے۔ وفائے عہد کا مطالبہ کرتا ہے عہد شکنی سے منع کرتا ہے تحلیل عام کے بعد استثنار کرکے اپنے علم وقدرت اور اُن کے رموز مصلحت کی طرف اشارہ کرتا ہے یہ کام مجھ سے نہ ہوگا۔

اکثر فصحا نے شعر و نثر سب لکھنا چھوڑ دیا پوچھا تو کہا کہ قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت نے زبان عربی کو چھلنی کر دیا۔ اب صرف پڑھنے کا لطف باقی رہ گیا کہنے کا لطف ختم ہوگیا۔

قرآن مجید کے مضامین کی بلندی بھی اس نوعیت کی ہے کہ کوئی کتاب احکام وسائل نصیحت اور موعظت کے اعتبار سے اس بلند پایہ کو نہ پہونچ سکی۔ اکثر جملے کے جملے۔ ترکیبوں کی ترکیبیں گزشتہ ساڑھے تیرہ سو سال سے زبان زد خاص و عام ہو کر رہ گئیں۔ کوئی دوسری کتاب یا کلام اپنا رنگ ہی نہ جما سکا۔

کتاب کی شکل میں نہ ہونے سے مضامین کی تقسیم علیٰحدہ علیٰحدہ نہیں ہے بلکہ ایک دوسرے میں پیوست ہیں۔

جو قصے بیان ہوئے ہیں وہ کثیر الجوانب اور متعدد اعتبار سے عبرت خیز ہوتے ہیں۔ اکثر وہی ہیں جو اس وقت کفار عرب یا یہود و نصاریٰ میں مشہور تھے۔ اُن میں صحت کے پہلو پیش نظر رکھ کر اور اُن کے اسقام دور کرکے عبرت ونصیحت کے انداز میں بیان کر دیا ہے۔ زیادہ تفصیلات جو قصہ گوئی کا رنگ ہوتا ہے اُس کو ترک کر دیا۔ بعض جگہ تو صرف ضرورت کا حصہ لے کر باقی چھوڑ دیا۔

حضرت موسیٰ اور اُن کے قصہ کو متعدد بار ذکر کیا اس لئے کہ اُن سے حضور اکرم کے واقعات وحالات کو خاص مناسبت تھی۔ اُسی قسم کی جد وجہد پیش آنے والی تھی۔ اُسی قسم کا عروج ہونے والا تھا۔ اِن اُمور کے پیشِ نظر حضور کو ڈھارس دلائی حضرت آدم کا قصہ کئی بار دہرایا۔ حضرت مریم کے قصہ کو بھی متعدد جگہ ذکر کیا۔ حضرت نوح۔ حضرت لوط۔ حضرت صالح۔ حضرت شعیب ان کے قصص اُن کی قوم کے تمردانہ روش اور اُن کے انجام بتلانے کے لئے ذکر کئے گئے۔ ان سب کا مقصود عربوں کو عبرت دلانا اور یہود و نصاریٰ کے مروجہ عقائد باطلہ کی تردید تھی۔ اس کے علاوہ صفات خداوندی میں جو جو افراط و تفریط کے خیالات داخل ہو چکے تھے اُن سب کو پاک وصاف کیا رسول کو اُس کے مرتبہ عبدیت سے ہٹا کر جو غلو اُن کی شان میں روا رکھا تھا اُن سب کی تردید غیر مشتبہ الفاظ میں کر دیا۔

غرض قرآن پاک میں ذیل کی خصوصیات واضح طور پر پائی جاتی ہیں۔

(۱) خدائے تعالیٰ کی ذات وصفات کا ایسے دلائل سے ثبوت کہ حکیم اور جاہل دونوں

اپنے ذوق کے مطابق سمجھ سکیں اور متاثر ہوں۔

(۲) عالم غیر محسوس کے حقائق اور وہاں کے حالات کا ایسا پُر اثر۔ سچا اور صاف بیان کہ سننے والے کو عالم باقی کا شوق پیدا ہو۔ اور لذات فانیہ حقیر معلوم ہوں۔

(۳) انسانی سعادت و شقاوت کا صاف سیدھا عقل کے مطابق راستہ دکھانا ہر انسان کو مفید و مضر اعتقادات سے واقف کرانا۔ نیک و بد نتائج پیدا کرنے والے اعمال سے آگاہی کرا دینا۔

(۴) طہارت و نجاست ظاہری و باطنی کی وضاحت۔

(۵) اشیاء کی حلت و حرمت جس کا اثر اخلاق پر پڑتا ہے۔

(۶) فرائض و آداب عبادات مالی و بدنی و روحانی۔

(۷) ذکر الٰہی اور آیات قدرت میں غور و فکر کے فوائد۔

(۸) حوادث دہر اور انسانی انقلاب سے عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے فوائد و تاکید۔

(۹) ناجائز شہوات و لذات دنیوی پر مائل ہونے کی مذمت۔

(۱۰) شکر۔ صبر۔ رضا۔ تسلیم۔ قناعت سخاوت۔ صدق۔ عفاف وغیرہ ملکات فاضلہ کی مدح اور اُن کے مخالف صفات کی مذمت۔

(۱۱) اوقات گراں مایہ کو لغویات و بیکار مشاغل میں صرف کرنے کی بُرائی۔

(۱۲) تمدن کے اُصول۔ عفو کرنا۔ انتقام سے درگزر کرنا۔ برائی کے مقابلہ میں بھلائی کر کے دشمن کو مغلوب کرنا۔ حلم۔ راست بازی۔ معاملات میں دغا و فریب نہ کرنا۔ عہد کی پابندی۔ تواضع و انکسار مخلوق الٰہی پر رحم کرنا۔ ماں باپ اور بزرگوں کی تعظیم۔ چھوٹوں پر شفقت۔ مسافر۔ یتیموں۔ مسکینوں۔ غلاموں۔ اسیروں پر رحم کھانا۔ جھوٹ نہ بولنا۔ تمسخر نہ کرنا۔ غیبت و بدگوئی سے باز رہنا۔ جھوٹی گواہی نہ دینا۔ شراب۔ قتل۔ جوا۔ زنا۔ لواطت۔ چوری وغیرہ مفاسد سے روکنا۔ ہم سایہ۔ اہل قرابت اور دوستوں کے حقوق ملحوظ رکھنا۔ اُن کے ساتھ ہمدردی سے پیش آنا۔ یہ جملہ تمدن کے اصول سکھلاتا ہے۔ اس کے علاوہ۔

(۱۳) میراث۔ بیع و شراء کے قوانین بیان کرتا ہے۔

(۱۴) علم سیاست کا مکمل بیان۔ حاکم کی اطاعت۔ باہمی اتفاق۔ معاملات کو بمشاورت طے کرنا۔ قومی و ملکی حمیت کو محفوظ رکھنا۔ دشمنوں سے بچنے کے لئے ہر قسم کا سامان حرب بہم پہونچانا۔ قواعد حرب سیکھنا۔ جنگ میں استقلال و جوانمردی دکھانا۔ اپنے سے دو چند کو خاطر میں نہ لانا۔ شہیدوں کے فضائل۔ مجاہدوں کے مناقب۔ بزدلوں۔ بخیلوں۔ کاہلوں کی مذمت۔ غنیمت کے احکام۔ یہ سب امور بیان

کردئے گئے ۔

(۱۵) روحانی ترقی کے علوم ۔ روحانی امراض اور اُن کی دوا۔

(۱۶) انسان کے روبرو موجودات اور وجود کے مراتب کو پیش کرنا اور اُن کے عالم محسوس میں آنے اور جانے کا راز بتانا۔

(۱۷) عبادت و پرستش کے لائق ذات واحد کے سوا کوئی غیر ہستی نہیں ہے۔ توحید کی تاکید غیر اللہ اوہام باطلہ۔ ارواح غیر مرئیہ کی پرستش حرام کردی ۔

(۱۸) خدا سے محبت رکھنے کی تاکید ۔ اُس کے صفات رحمان ورحیم کا ہونا۔ اس کی انسانوں سے محبت۔ اُس کی نعمتیں ۔ مصائب میں دستگیری ان سب کو واضح کردیا۔

(۱۹) اُس کے رسولوں کی حیثیت۔ اُن کی عبدیت ۔ اُن کا نمونہ کامل ہونا۔ اُن کی اطاعت و اُن پر اعتقاد لانے کی ضرورت ان سب کو واضح کردیا۔

(۲۰) پیشین گوئیوں کا طویل سلسلہ ہر سورہ میں پایا جاتا ہے۔ جس میں حضور اکرمؐ کی فتح و نصرت حق کی کامیابی ۔ باطل کی سرنگونی ۔ وغیرہ کو وضاحت سے بیان کیا گیا۔

(۲۱) رواج کی پابندی ۔ اندھی تقلید۔ اوہام پرستی ۔ عجائب پرستی ۔ عصبیت کے خیالات باطلہ سے پاک کردیا۔

اس کا اثر یہ ہوا کہ صرف چند سال میں پورے ملک کی کایا پلٹ دی گئی اور اُن میں وہ فضائل حمیدہ راسخ ہوگئے کہ ان کی وجہ سے بنی نوع انسانی پر ایک رنگ جما دیا ۔

ترتیب القرآن

سورتوں کے اسماء جن سے وہ مشہور ہیں اکثر احادیث میں پائے جاتے ہیں۔ اور خود حضور اکرم کی زبان سے مروی ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سورتوں کے اسماء توقیفی ہیں یعنی منجانب اللہ ہیں ۔

سورتیں اپنی تقسیم کے لحاظ سے مکی ومدنی ہیں قبل ہجرت اور بعد ہجرت کی سورتوں میں خاص امتیازی شان ہے اور نازل شدہ وحی میں بین فرق معلوم ہوتا ہے۔ قبل ہجرت زیادہ تر اصولی تعلیم ہے یعنی توحید۔ رسالت معاد وغیرہ پر بحث ۔ اور بعد ہجرت تفصیلات شریعت پر زیادہ زور ہے کیونکہ بعد ہجرت ان تفصیلات کی ضرورت پیش آئی ۔ دوسری بات قبل ہجرت کی سورتوں میں انفرادی زندگی کو درست کرنے کے ہدایات ہیں اور بعد ہجرت اجتماعی ۔ تمدنی ومعاشرتی درستگی کی ضرورت داعی ہوئی ۔ اور تبلیغی کاموں سے سابقہ پڑا اس لئے ہر شخص کو دوسروں کی اصلاح سے پہلے اپنی اصلاح لازمی ہے ۔

قرآن مجید میں ۱۱۴ سورے ہیں۔ ۵۵۶ رکوع اور ۶۶۶۶ آیات۔ ۱۴ سجدے۔

سلسلہ نمبر	سورہ کا نام	مکی یا مدنی	وقت نزول	تعداد آیات ورکوع	مخاطبت ومضمون
۱	سورۂ فاتحہ	مکی ابتدائی	پہلی مکمل سورت ۲ سنہ بعثت	۷/۱	مسلمانان عالم
۲	بقرہ	مدنی	اکثر حصہ بدر سے پیشتر کا ہے	۲۸۶/۴۰	یہود سے زیادہ مخاطبت ہے۔
۳	اٰل عمران	مدنی	جنگ احد کے بعد	۱۹۹/۲۰	عیسائیوں سے زیادہ مخاطبت ہے۔
۴	النساء	مدنی	سنہ ۴ھ	۱۷۶/۲۴	عورتوں کے حقوق ومعاشرت
۵	مائدہ	مدنی	سنہ ۵۔۷ھ	۱۲۰/۱۶	عیسائیوں سے زیادہ مخاطبت۔ خوان کا ذکر
۶	انعام	مکی	آخری سال قبل ہجرت	۱۶۶/۲۰	مشرکانہ رسوم کا ذکر۔ کفار عرب سے زیادہ مخاطبت
۷	الاعراف	مکی	ایضاً	۲۰۶/۲۴	ضرورت نبوت پر زور دیا گیا۔
۸	الانفال	مدنی	سنہ ۲ھ جنگ بدر	۷۵/۱۰	مال غنیمت اور جنگ بدر کا ذکر۔
۹	التوبہ۔ براءت	مدنی	سنہ ۹ھ ذیقعدہ	۱۲۹/۱۶	کفار سے بیزارگی وعلیحدگی۔
۱۰	یونس	مکی	مکی زندگی کا پچھلا زمانہ	۱۰۹/۱۱	کفار کی ہلاکت کی پیشین گوئی۔ صداقت وحی پر زور
۱۱	ہود	مکی	"	۱۲۳/۱۰	نافرمان قوموں اور اُن کے پیغمبروں کا ذکر "
۱۲	یوسف	مکی	"	۱۱۱/۱۲	حضرت یوسف کا ذکر "
۱۳	الرعد	مکی	"	۴۳/۶	وحی الٰہی کو بارش سے تشبیہ "
۱۴	ابراہیم	مکی	"	۵۲/۷	اعدائے رسل کا ذکر اور رسولوں کی آخری کامیابی "
۱۵	الحجر	مکی	"	۹۹/۶	صالح کی وادی کا نام اور انہیں کا ذکر "
۱۶	النحل	مکی	"	۱۲۸/۱۶	شہد کی مکھی سے وحی الٰہی کی طرف توجہ دلانا "
۱۷	بنی اسرائیل	مکی	ابتدائی مکی زمانہ	۱۱۱/۱۲	بنی اسرائیل کے برکات اور وراثت کی منتقلی کا ذکر
۱۸	الکہف	مکی	ایضاً سنہ ۵ بعثت	۱۱۰/۱۲	عیسائی اصحاب کی جائے پناہ یہودیوں کے تین سوال کا جواب۔
۱۹	مریم	مکی	سنہ ۴ بعثت	۹۸/۶	حضرت مریم کے ذکر سے عیسائیوں پر اتمام حجت
۲۰	طٰہٰ	مکی	سنہ ۵ بعثت	۱۳۵/۸	آنحضرت کو مرد کامل بتلا کر نور محمدی کے کمال کی پیشین گوئی

سلسلہ نمبر	سورہ کا نام	مکی یا مدنی	وقت نزول	تعداد آیات و رکوع	مخاطبت و مضمون
۲۱	الانبیاء	مکی	ہجرت حبش سے پہلے	۱۱۲/۷	انبیاء پر اعتراضات۔ اُن کے بلند مقامات۔ اُن کے دشمنوں کی ہلاکت۔
۲۲	الحج	مدنی	بعض مکی کہتے ہیں۔	۷۸/۱۰	انسانی قربانی حج سے پوری ہوتی ہے اور کمال محبت الٰہی عاشقانہ رنگ اختیار کرتا ہے۔
۲۳	المومنون	مکی	آخر زمانہ	۱۱۸/۶	مومنوں کی کامیابی کا انحصار صرف دنیوی ترقی نہیں۔
۲۴	النور	مدنی	۵ھ	۶۴/۹	آنحضرت کے نور کو کامل نور سے مشابہت۔
۲۵	الفرقان	مکی	آخری زمانہ	۷۷/۶	آنحضرت کی تشریف آوری حق و باطل کے درمیان کھلا فرق ہے۔
۲۶	الشعراء	مکی	آخری زمانہ	۲۲۷/۱۱	یہ وحی ہے انبیاء کی طرف۔ کہانت یا شاعری ہونے کی تردید۔
۲۷	النمل	مکی	"	۹۳/۷	حضرت سلیمان کا رعب و قوت اور قوموں کا سر جھکانا یہی شوکت حضور کو ملنے والی ہے۔
۲۸	القصص	مکی	"	۸۸/۹	حضرت موسیٰ کی سرگذشت اور حضور سے مماثلت اس طرح ہجرت کی طرف توجہ دلائی ہے۔
۲۹	العنکبوت	مکی	۶ ھ بعثت	۶۹/۷	مخالفین اسلام کی تدابیر کو مکڑی کے جالے سے تشبیہہ دے کر اُس کے مٹنے اور توحید کے پھیلنے کی پیشین گوئی۔
۳۰	الروم	مکی	"	۶۰/۶	عیسائی ایرانیوں کے ہاتھوں مغلوب ہو گئے
۳۱	لقمان	مکی	"	۳۴/۴	لقمان کا ذکر جو حبش کے رہنے والے تھے۔ اخلاقی تعلیم سے قوموں کو فلاح ملتی ہے۔
۳۲	السجدہ	مکی		۳۰/۳	مسلمانوں کی فلاح قرآن کریم کی فرمانبرداری سے وابستہ ہے۔

سلسلہ نمبر	سورہ کا نام	مکی مدنی	وقت نزول	تعداد آیات رکوع	مخاطبت و مضمون
٣٣	الاحزاب	مدنی	۵-۷ھ	٧٣/٩	جنگ احزاب کے ذکر سے حضور کو کامل نمونہ بتایا ہے۔
٣٤	السبا	مکی	درمیانی زمانہ	٥٤/٦	سبا کی قوم یمن میں رہتی تھی اس کی تباہی کے واقعہ سے بتایا کہ نتائج اعمال حق ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا اٹل قانون ہے۔
٣٥	فاطر	مکی	″	٤٥/٥	اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت بتا کر فطرت انسانی میں خدا سے ملنے کی تڑپ بتائی ہے جو ربوبیت روحانی ہے۔
٣٦	یٰس	مکی	″	٨٣/٥	آنحضرت سے مخاطبت کہ آپ نے انسانیت کو کمال پر پہونچا دیا۔
٣٧	الصّٰفّٰت	مکی	″	١٨٢/٥	خدا کی حضور میں صف باندھنے والوں کا ذکر اور ان کا غلبہ۔
٣٨	صٓ	مکی	″	٨٨/٥	وعدۂ حق کی سچائی و کامیابی
٣٩	الزُّمَر	مکی	″	٧٥/٨	مومنوں اور کافروں کے دو گروہ۔
٤٠	المومن	مکی	″	٨٥/٩	رجل مومن جو فرعون کے روبرو حمایت حق کے لیے کھڑا ہوا۔ اس نے ظاہر کیا کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی نصرت دیتا ہے۔
٤١	حٰم سجدہ	مکی	″	٥٤/٦	اللہ تعالیٰ انسان پر گرفت نہیں کرتا جب تک کہ راہیں کھول کر نہیں بتلا دیتا۔
٤٢	الشوریٰ	مکی	″	٥٣/٥	مشورے کو قومی کاموں کی بنیاد قرار دیا ہے۔
٤٣	الزخرف	مکی	″	٨٩/٧	سونا چاندی و دنیوی آرائش کے ظاہری سامان ہیں جو اللہ تعالیٰ کے پاس بے حقیقت ہیں۔
٤٤	الدخان	مکی	″	٥٩/٣	حضورؐ کے مخالفین کی سزا دخان ہے۔

نمبر شمار	سورہ کا نام	مکی یا مدنی	وقت نزول	تعداد آیات و رکوع	مخاطبت و مضمون
٤٥	الجاثیہ	مکی	درمیانی زمانہ	٣٧/٤	وحی الٰہی کی حقانیت اور جزا سزا کا حق ہونا۔ قیامت کے اہوال کی وجہ گھٹنوں کے بل بیٹھنے والی جماعت۔
٤٦	الاحقاف	مکی	"	٣٥/٤	ریت کے تودے سے انجام مخالفت کی مثال دی ہے قوم عاد کی مثال کا ذکر ہے۔
٤٧	محمد	مدنی	جنگ بدر سے پہلے	٣٨/٤	حضور کے نام لیوا ذلیل وخوار نہیں رہ سکتے۔
٤٨	الفتح	مدنی	ذیقعدہ ٦ھ	٢٩/٤	صلح حدیبیہ کو اسلام کی عظیم الشان فتح کہا۔
٤٩	الحجرات	مدنی	٩ھ	١٨/٢	جماعت اسلامی کے نظام کو قائم کرنا اور باہمی محبت کا پیدا کرنا۔
٥٠	قٓ	مکی	ابتدائی زمانہ	٤٥/٣	اللہ تعالیٰ اس قرآن کے ذریعہ انقلاب عظیم پیدا کرے گا۔
٥١	الذّٰریٰت	مکی	"	٦٠/٣	حق کے پھیلانے والی جماعتوں کو ہوا سے تشبیہہ دی ہے۔
٥٢	الطّور	مکی	"	٤٩/٢	حضرت موسیٰ کی وحی کی طرف اشارہ۔ وحی کی مخالفت کا انجام ہلاکت۔
٥٣	النجم	مکی	" ٥ بعثت	٦٢/٣	مخالفین کا ستارہ اقبال غروب ہو رہا ہے آنحضرتؐ کے مقامات عالیہ کا ذکر۔
٥٤	القمر	مکی	"	٥٥/٣	معجزہ شق القمر کا ذکر ہے۔ کاذب ہلاک ہونگے
٥٥	الرحمٰن	مکی	"	٧٨/٣	نزول قرآن بہ تقاضائے رحمانیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کے سامان پیدا کر دیے
٥٦	الواقعہ	مکی	"	٩٦/٣	انسانوں کے تین گروہ کا ذکر ہے جو مقربین صالحین اور مکذبین ہیں۔
٥٧	الحدید	مدنی	حدیبیہ کے بعد	٢٩/٤	جب لوگ حق کو نابود کرنے تل جاتے ہیں تو

نمبر شمار	سورہ کا نام	مکی یا مدنی	وقت نزول	تعداد آیات و رکوع	مخاطبت و مضمون
					پھر انبیا کو بھی تلوار اٹھانی پڑتی ہے۔
۵۸	المجادلہ	مدنی	سنہ ۳ھ	۲۲/۳	مخالفین کی منصوبہ بازیوں اور شرارتوں کا ذکر ہے۔
۵۹	الحشر	مدنی	سنہ ۴ھ	۲۴/۳	اس میں بنی نضیر کی جلاوطنی کا ذکر ہے جو کہ سزا تھی اُن کے کرتوتوں کی۔
۶۰	الممتحنہ	مدنی	صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کا درمیانی حصہ	۱۳/۲	مسلمانان اور کفار کے تعلقات کا ذکر اور اُن کے ترک موالات۔
۶۱	الصّف	مدنی	ابتدائی زمانہ	۱۴/۲	مسلمانوں کو قربانی دینے کے لیے اور جنگ کے لیے ابھارا ہے۔
۶۲	الجمعہ	مدنی	"	۱۱/۲	حضورؐ ہی تا قیامت معلم اور مزکی رہیں گے۔ اور علم پھیلے گا۔
۶۳	المنافقون	مدنی	"	۱۱/۲	منافقوں کا ذکر ہے۔
۶۴	التغابن	مدنی	"	۱۸/۲	انفاق فی سبیل اللہ پر زور ہے۔
۶۵	الطلاق	مدنی	سنہ ۶ھ	۱۲/۲	مسئلہ طلاق کو بتا کر احکام کا تکملہ کر دیا۔
۶۶	التحریم	مدنی	سنہ ۹ھ	۱۲/۲	سورہ بقرہ کی تکمیل کرتی ہے اور فلاح کی راہیں بتاتی ہے۔ مومنوں کی تطہیر و تزکیہ۔
۶۷	الملک	مکی	ابتدائی	۳۰/۲	ایک خدا کا قانون ہی ساری دنیا میں چلتا ہے۔
۶۸	القلم	مکی	بالکل ابتدائی	۵۲/۲	قلم دوات کی مدد سے جو علوم پھیلے وہ حضورؐ کی عظمت ظاہر کریں گے۔
۶۹	الحاقہ	مکی	ابتدائی	۵۲/۲	بدی اور اللہ تعالیٰ سے قطع تعلق کا نتیجہ نیک نہیں سکتا۔
۷۰	المعارج	مکی	"	۴۴/۲	جو عین اعلیٰ کو حاصل کرتے ہیں اور تزکیہ نفس کرتے ہیں اُن کے بڑے مراتب ہیں۔

نمبر شمار	سورہ کا نام	مکی یا مدنی	وقت نزول	تعداد آیات و رکوع	مخاطبت و مضمون
۷۱	نوح	مکی	ابتدائی	۲۸/۲	نوح کی نصیحت نہ ماننے کا نتیجہ ہلاکت ہوا۔
۷۲	اَلجِن	مکی	″	۲۸/۲	حق مشکلات سے دنیا میں قائم ہوتا ہے۔
۷۳	المزمّل	مکی	اقراء اور ۳۷ کے بعد	۲۰/۲	بہ لحاظ حضور قلب رات کی نماز بہترین نماز ہے
۷۴	المدثر	مکی	اقراء کے بعد ۳۷ سے پہلے	۵۶/۲	تکمیل نفس کے بعد اوروں کی تکمیل کرو۔
۷۵	القیامہ	مکی	ابتدائی	۴۰/۲	قیامت کو بطور شہادت پیش کر کے روحانی قیامت اور اپنے اندر زندگی پیدا کرنے کی ترغیب ہے۔
۷۶	الدّھر	مکی	″	۳۱/۲	انسانی روحانی ترقیات کا ذکر ہے کہ بدی کو دبانے کی قوت پیدا کرے۔
۷۷	المرسلٰت	مکی	″	۵۰/۲	رسولوں کی تکذیب کا ثمرہ یہ ملتا ہے کہ نام تک مٹ جاتا ہے۔
۷۸	النبا	مکی	″	۴۰/۲	حضور کی مخالفت خبر عظیم ہے۔
۷۹	النّزعٰت	مکی	″	۴۶/۲	مدارج روحانی میں خواہشات نفسانی سے باہر نکلنا پہلا مرتبہ ہے۔ بعد دوسرے مراتب۔
۸۰	عَبَسَ	مکی	″	۴۲/۱	غریب اور چھوٹے لوگ قرآن کی بدولت عظیم الشان مرتبہ پہ پہونچ جائیں گے۔
۸۱	التکویر	مکی	″	۲۹/۱	پہلے مذاہب کی صف لپٹنے کا ذکر ہے۔
۸۲	الانفطار	مکی	″	۲۹/۱	کس طرح روحانی بارش سے قوار انسانی نشو ونما پا کر کمالات انسانی کا ظہور ہوتا ہے۔
۸۳	التطفیف	مکی	″	۳۶/۱	قویٰ کو صحیح استعمال نہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اعمال ترقی نہیں کرتے۔
۸۴	الانشقاق	مکی	″	۲۵/۱	تمام ترقیات انشقاق سے وابستہ ہیں جیسے

سلسلہ نمبر	سورہ کا نام	مکی یا مدنی	وقت نزول	تعداد آیات و رکوع	مخاطبت و مضمون
					آسمان کے انشقاق سے بارش ہوتی ہے۔
۸۵	البروج	مکی	ابتدائی	۲۲/۱	ملک عرب میں ایک قوم پیدا ہوگی جو ملک کو بھر دے گی جیسے ستاروں سے آسمان بھرا ہے۔
۸۶	الطارق	مکی	"	۱۷/۱	تیز روشنی سے تاریکی پاش پاش ہو جائے گی۔
۸۷	الاعلیٰ	مکی	"	۱۹/۱	اللہ تعالیٰ کا علو تمام عیوب سے منزہ ہے انسان اُس کی جو صفت پیش نظر رکھتا ہے ویسا ہی ہو جاتا ہے۔
۸۸	الغاشیہ	مکی	"	۲۶/۱	تزکیہ نہ کرکے دنیا میں لوث رہنا مصیبت میں گرفتار ہونا ہے۔
۸۹	الفجر	مکی	"	۳۰/۱	انسانی اعلیٰ حالت جو نفس مطمئنہ ہے عبادت سے پیدا ہوتی ہے۔
۹۰	البلد	مکی	"	۲۰/۱	آپ کو تکالیف اٹھانا پڑے گی کیونکہ تمام ترقیات کا انحصار اسی پر ہے۔
۹۱	الشمس	مکی	"	۱۵/۱	اضدادی صفات انسان میں جمع ہیں وحی خارجی روشنی ہے جس سے فائدہ اٹھانا مراتب عالیہ تک پہونچاتا ہے۔
۹۲	واللیل	مکی	"	۲۱/۱	رات و دن جیسے یکساں نہیں ویسے ہی اللہ کی راہ میں چلنے والا اور حق کی تکذیب کرنے والا یکساں نہیں ہو سکتے۔
۹۳	والضحیٰ	مکی	"	۱۱/۱	جد و جہد کے بعد سکون کا زمانہ آئے گا اور اسلام ترقی کرے گا۔
۹۴	الانشراح	مکی	"	۸/۱	اللہ تعالیٰ نے اسلام کی صداقت کے دلائل قائم کر دیے ہیں اس لئے اسلام ناکام نہیں ہو سکتا۔

نمبر شمار	سورہ کا نام	مکی یا مدنی	وقت نزول	تعداد آیات و رکوع	مخاطبت و مضمون
۹۵	والتین	مکی	ابتدائی	۸/۱	انسان کو بلند مرتبہ اخلاق فاضلہ پر قائم رہنے سے ملتا ہے۔
۹۶	العلق	مکی	پہلی وحی	۲۹/۱	انسانی ابتدائی زندگی کا ذکر کر کے بتایا ہے کہ اب روحانی نئی زندگی دیجاتی ہے جو وحی کے تعلق سے پیدا ہوئی۔
۹۷	القدر	مکی	ابتدائی	۵/۱	خیر و برکت و نزول قرآن لیلۃ القدر میں ہوا۔
۹۸	البینہ	مکی	"	۸/۱	رسول اکرمؐ کو کھلی دلیل قرار دیا۔ دنیا گناہ میں ملوث تھی۔ آسمانی بارش سے یہ غلاظت دور ہوئی۔
۹۹	الزّلزال	مکی	"	۸/۱	اُس روحانی بیداری سے جو حضورؐ لائے ہیں انقلاب عظیم رونما ہوگا۔
۱۰۰	والعٰدیٰت	مکی	"	۱۱/۱	انقلاب عظیم کا پیش خیمہ لڑائیاں ہوں گی جن کی شہادت گھوڑے دینگے۔
۱۰۱	القارعہ	مکی	"	۱۱/۱	قیامت ایک مصیبت کا زمانہ ہوگا۔
۱۰۲	التکاثر	مکی	"	۸/۱	کثرت مال کی خواہش اور تڑپ انسان کو اصل مقصد سے دور رکھتی ہے۔
۱۰۳	والعصر	مکی	"	۳/۱	وقت کی شہادت سے کہا ہے کہ جو قوائے خداداد کو ضائع کر رہا ہے وہ گھاٹے میں ہے۔
۱۰۴	الھُمَزَہ	مکی	"	۹/۱	مال دنیا کی محبت کی وجہ سے اپنی اصلاح کی بجائے دوسروں کی عیب شماری میں لگے رہتے ہیں۔
۱۰۵	الفیل	مکی	"	۵/۱	جو حق آنحضرت لائے اُس کو اللہ تعالیٰ تمام طاقتوں کے مقابلے میں بچائے گا۔

نمبر شمار	سورہ کا نام	مکی یا مدنی	وقت نزول	تعداد آیات و رکوع	مخاطبت مضمون
۱۰۶	القریش	مکی	ابتدائی	۴/۱	قریش پر احسان کیا کہ اُن کو بھوک اور خوف سے بچایا تو چاہیئے تھا کہ اُس کی عبادت کرتے۔
۱۰۷	الماعون	مکی	"	۷/۱	دین محمدی بیکسوں اور غریبوں کی ہمدردی ہے یہ نہ ہو تو نماز بھی دکھاوا ہے۔
۱۰۸	الکوثر	مکی	"	۳/۱	حضورؐ کو خیر کثیر دی۔ تمام دینوں پر غلبہ نصرت اور شفاعت۔
۱۰۹	الکٰفرون	مکی	"	۶/۱	دین محمدی میں کفر کی تاریکی نہیں۔ توحید کو عملی رنگ میں پیش کیا۔
۱۱۰	النصر	مدنی	آخری زمانہ	۳/۱	اُس نتیجہ کا ذکر کیا جو حضور کو ملا۔
۱۱۱	اللھب	مکی	ابتدائی	۵/۱	جو عداوت حق کرے اُس کا انجام ہلاکت ہے۔ ابولھب کی طرف اشارہ ہے۔
۱۱۲	الاخلاص	مکی	"	۴/۱	توحید باری ہر قسم کے شرک سے خالص ہے۔
۱۱۳	الفلق	مدنی		۵/۱	اللہ تعالیٰ تاریکی پھاڑ کر روشنی نمودار کرتا ہے اسی طرح ظلمتوں سے کامیابی کی طرف لیجاتا ہے۔
۱۱۴	الناس	مدنی		۶/۱	وسوسہ شیطانی سے انسان نیکی سے محروم ہوجاتا ہے۔ پناہ مانگنے کی ہدایت کی ہے۔

قصص القرآن

تاریخی شفق : ۱۵۸۰ ـــ ۴۰۰۰ قبل مسیح

تاریخی سویرا : ۹۰۰ ـــ ۱۵۸۰ قبل مسیح

تاریخی اجالا : ۵۵۰ ـــ ۹۰۰ قبل مسیح

بابل کی حکومت: ۱۷۰۰ ـــ ۴۰۰۰ قبل مسیح۔ حمورابی ۲۱۶۹ قبل مسیح ہوا۔ بابل فرات پر واقع ہے۔

قتائیت : ۱۱۰۰ ـــ ۱۷۰۰ قبل مسیح

اسیریا کی حکومت: ۷۴۵ ـــ ۱۷۰۰ قبل مسیح۔ اسور دجلہ پر

مصری حکومت۔ بسلسلۂ عروج: ۹۰۰ ـــ ۱۵۸۰ قبل مسیح

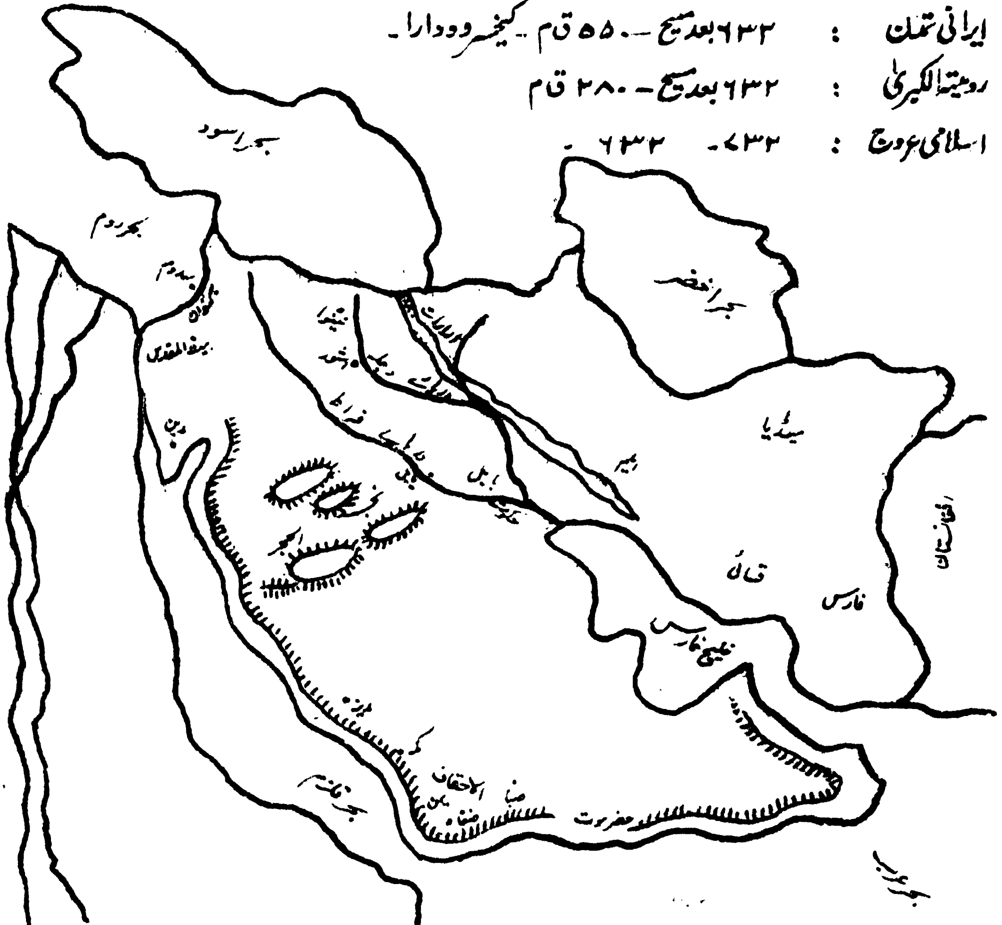
نینوا کی حکومت: ۶۱۲ ـــ ۷۰۰ قبل مسیح (دجلہ پر) اسور سے ۱۰۰ میل اوپر

یونانی تمدن : ۲۸۰ ـــ ۷۶۴ ق م (عروج بہ زمانہ سکندر ۳۳۶ ق م)

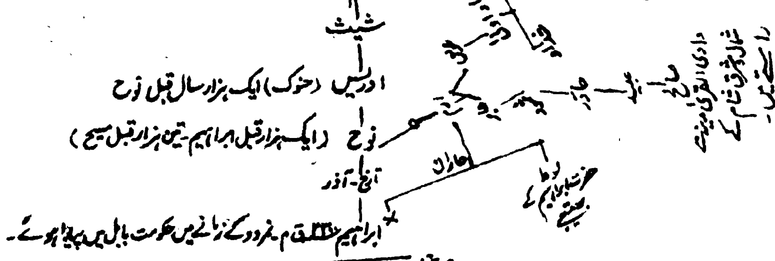
ایرانی تمدن : ۶۳۲ بعد مسیح ـــ ۵۵۰ ق م۔ کیخسرو و دارا۔

رومیۃ الکبریٰ : ۶۳۲ بعد مسیح ـــ ۲۸۰ ق م

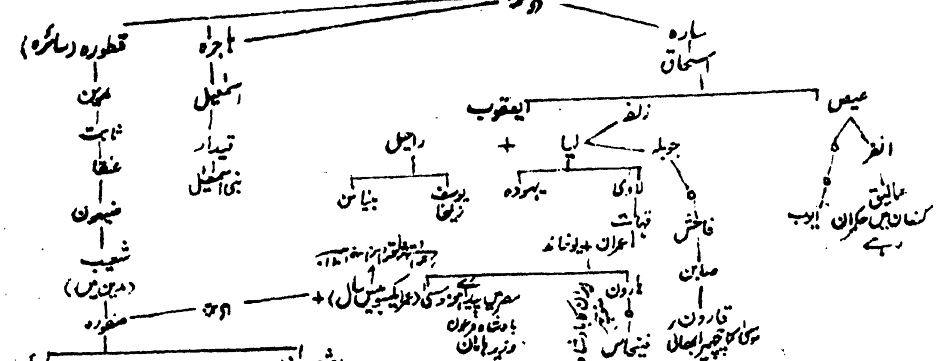
اسلامی عروج : ۷۳۲ ـــ ۶۳۲۔



آدم + حوا (۶۰۰۰ سال قبل مسیح بروایت انجیل)



ابراہیم ۲۰۰۰ ق م نمرود کے زمانے میں حکومت بابل میں پیدا ہوئے۔



صفورہ

بنی اسرائیل

یوشع بن نون

صموئیل ۱۰۹۳ ق م

بادشاہ جالوت

طالوت

داؤد

عمر ۷۰ سال وفات ۹۳۵ ق م

ہمعصر لقمان حکیم

سلیمان نے ۷ سال میں بیت المقدس تعمیر کیا - یمن کی ملکہ بلقیس سے شادی کی

رحبعام - (بد شکل و بے وقوف)

الیاس (۸۶۰ ق م)

شاگرد - الیسع

دانیال

زکریا

یحییٰ

مریم

خاوند یوسف نجار

عیسیٰ عمر ۳۳ سال

دقیانوس کے زمانے میں اصحاب کہف تھے

یونس (دیوتا)

ملک شام میں پیدا ہوئے۔ نینوا جو کہ شام سے مشرق کی جانب دجلہ کے کنارے آباد ہے اُس کی طرف بھیجے گئے۔

عراق کے شہر بابل پر بخت نصر ۹۵۲ ق م میں تخت پر بیٹھا۔ ۹۹۹ ق م میں بیت المقدس پر حملہ آور ہو کر تباہ کیا۔ حضرت دانیال کو قید کر کے لے گیا۔ تورات کو جلا دیا۔ عزیر نے اُس کے بعد تورات کو دوبارہ جمع کیا۔ بیت المقدس پہلے ایرانیوں کے اور پھر روما کے تحت رہا۔ روما نے ہیروڈوٹس کو شام کا گورنر مقرر کیا۔

عراق۔شام۔فلسطین

(۱) حضرت آدم - ابوالبشر سب سے پہلے بشر تھے۔ نسل انسانی کب سے ہے اس کا تعین قرآن مجید نے نہیں کیا مگر بائبل میں ہے کہ چھ ہزار برس قبل مسیح شروع ہوئی۔ آدم کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا اور اس کو اسماء کی تعلیم کی یعنی اس میں استعداد علمی رکھی۔ اس کے بعد ملائکہ کو فرمانبرداری کا حکم دیا یعنی جو کچھ آسمانو اور زمینوں میں ہے سب کچھ انسان کے لئے مسخر کر دیا۔ گویا دوسری استعداد استعدادِ حکومت تھی فرشتے کا سجدہ کرنا انسانی تکمیل نفس میں معاون ہوتا ہے اور ابلیس کا انکار انسان کی ترقی کی راہ میں حارج ہوتا ہے۔ یہ قوت بہیمیہ کو اکسا کر اپنا مطلب نکالتا ہے۔ یہاں تک کہ انسان اس کو فرمانبردار بنا لیتا ہے یعنی اس کے قوائے بہیمیہ اعتدال پر آجاتے ہیں خلق آدم میں تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ اس کو جنت ملے یعنی راحت و آرام کی زندگی۔ یہاں آدم کے ساتھ ان کی بیوی حوا بھی شامل ہو جاتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ راحت و آرام کی زندگی اکیلا انسان حاصل نہیں کر سکتا۔ علم و طاقت حاصل کر سکتا ہے۔ سکون قلب اس وقت تک رہتا ہے جب تک انسان بدی کا ارتکاب نہیں کرتا۔ بدی کے ارتکاب کے بعد سکون روحانی دور ہو جاتا ہے۔

اللہ کے حکم سے حضرت آدم و حوا جنت میں رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ تم کو کوئی روک ٹوک نہیں خوب کھاؤ پیو مگر اس درخت گندم بعض کہتے ہیں انجیر اور بعض انگور کے پاس نہ جانا ورنہ خرابی میں پڑ جاؤ گے لیکن شیطان نے آدم کو بہکایا اور کہا میں ایسا درخت بتلاتا ہوں جس کے کھانے سے تم ہمیشہ زندہ رہو گے اور ہمیشگی کی سلطنت ملے گی اور تمہارے رب نے تم کو اس لئے منع کیا ہے کہ تم فرشتہ نہ ہو جاؤ۔ اس کے کہنے سے آدم نے اس درخت کو چکھ لیا جس کی تاثیر یہ ہوئی کہ آدم و حوا برہنہ ہو گئے۔ اور شرم کے مارے درختوں کے پتے چپٹانے لگے۔ اور عتاب الٰہی نازل ہوا کہ نکلو اب یہ جگہ تمہارے قابل نہیں۔ اترو اور زمین پر جا کر رہو وہاں باہمی عداوت کی تکلیف اٹھاؤ اور موت تک وہیں رہو بعض مورخین کا خیال ہے کہ حضرت آدم سراندیپ میں ڈالے گئے اور مدت تک پریشانی کی حالت میں گناہ پر روتے رہے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کو ان کی گریہ وزاری پر رحم آیا اور ان کی دعا قبول کر لی۔ اور حوا سے بمقام عرفات ملے۔

حوا اکیس بیس بار حاملہ ہوئیں اور بروایت دیگر ایک سو اسی بار۔ ہر بار ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتی۔ قابیل کی بہن بہت خوبصورت تھی اور ہابیل کی بہن حسین نہ تھی جب حضرت آدم نے ہابیل کا عقد قابیل کی بہن سے کرانا چاہا تو قابیل نے انکار کیا حضرت آدم کے مشورے سے دونوں نے مقام منیٰ پر قربانی دی۔ ہابیل کی قربانی قبول ہوئی۔ قابیل کی قربانی قبول نہ ہوئی۔ اس سے عداوت اور بڑھ گئی۔ ایک روز قابیل نے ہابیل کو سوتا پا کر ایک بڑا پتھر اس کے سر پر ڈال کر مار ڈالا۔ اور کوؤں کے دیکھا دیکھی بھائی کی لاش کو زمین میں دفن کر دیا

مگر اُس کے بعد قابیل کو بھی چین نصیب نہ ہوا۔
حضرت آدم کے بڑے بیٹے شیث تھے جو حضرت آدم کے بعد پیغمبر ہوئے۔ حضرت حوا کی قبر جدہ میں ہے۔

(۲) ادریس (حنوک) ایک ہزار برس قبل نوح پیدا ہوئے۔ ہر روز پیراہن سیتے تھے اور سیتے ہوئے تسبیح پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عزرائیل نے اُن سے دوستی کی اور وہ اونچے مکان پر جارہے۔

(۳) نوح نوحہ سے نکلا۔ حضرت نوح کا اصلی نام شکر تھا۔ بائبل نے ان کا وقت ایک ہزار برس قبل ابراہیم اور تین ہزار برس قبل مسیح متعین کیا ہے۔ اُن کے پوتے ارم کی اولاد سے عاد اور ثمود تھے۔ دوسرے بیٹے کی اولاد سے ابراہیم۔ ارم کی اولاد سے حضرت لوط بھی تھے جو حضرت ابراہیم کے بھتیجے اور ہم عصر تھے۔ نوح نے ایک عرصے تک اپنی قوم کو نصیحت کی بروایت بعض ۹۵۰ سال۔ یہ قوم بعض مورخین کے خیال سے فرات اور دجلہ کے درمیان آباد تھی۔ جب حضرت نوح کی قوم نے نافرمانی کی تو حضرت نوح نے بددعا کی۔ نوح کو حکم ہوا کہ کشتی کو تیار کریں اور اس میں سب قسم کے جوڑے رکھ لیں۔ اس کے بعد طوفان آیا اور وہ بستیاں تباہ ہوگئیں۔ بروایت بعض فرات اور دجلہ دونوں مل گئے تھے اور درمیانی بستیاں غرقاب ہوگئیں۔ نوح کی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری۔ اس کے بعد از سرِ نو زندگی شروع ہوئی۔

(۴) حضرت ہود علیہ السلام حضرت نوح کے پوتے ارم کی اولاد سے تھے۔ ارم کی اولاد میں عاد اولیٰ ہوا اور اُس کی چوتھی پشت میں حضرت ہود پیدا ہوئے۔ عاد ایک زبردست قوم تھی جو عرب کے جنوب میں بمقام الاحقاف آباد تھی۔ ان کا عروج اس قدر ہوا کہ اُنھوں نے بہت سے ملکوں پر قبضہ جمالیا۔ اس قوم کی دوسری شاخ ثمود کی اولاد سے تھی جس کو عاد ثانیہ بھی کہتے ہیں۔ اس قوم کے تاریخی نشانات اور کتبے بھی ملے ہیں۔ انھوں نے چار دیوتا قرار دیے تھے۔ حضرت ہود ان کی طرف مبعوث ہوئے۔ یہ قوم بڑی قد آور اور طاقت ور تھی۔ شداد بھی اُسی زمانے میں تھا۔ اُس نے ایک بہشت بنایا تھا مگر داخل نہ ہوسکا مر گیا۔
قوم عاد پر عذاب آندھی کی شکل میں آیا۔

(۵) ثمود۔ قوم ثمود جو ارم کے دوسرے پوتے کے نام پر مشہور ہوئی۔ قوم عاد سے قریبی تعلق رکھتی ہے۔ مگر عاد کے دو سو برس بعد اُس کا عروج ہوا۔ یہ قوم مدینہ کے شمال میں الحجر کے علاقہ میں آباد تھی جو پہاڑی علاقہ ہے۔ حضرت صالح اُن کی طرف مبعوث ہوئے۔ اور ایک اونٹنی بطور نشانی دی گئی۔ اُن کے سات قبیلے تھے اور گائے بھینس۔ بھیڑ۔ بکری بہت رکھتے تھے۔ ایک روز اُن کے جانور پانی پیتے اور ایک روز اونٹنی۔ ایک فاحشہ عورت نے قدار کو اونٹنی کے مار ڈالنے پر آمادہ کیا۔ اونٹنی کے قتل کے تین روز بعد بھونچال کا

عذاب آیا جس میں خطرناک آواز بھی تھی۔ عذاب کے نزول کے بعد حضرت صالح شام میں جا رہے اور وہیں مدفون ہوئے۔

(۶) حضرت لوط حضرت ابراہیم کے بھتیجے تھے۔ یہ سدومیوں کی طرف مبعوث ہوئے اور اپنی قوم کی اصلاح میں مصروف رہے۔ اس قوم میں لواطت کا بہت رواج تھا۔ حضرت کے سمجھانے پر بھی یہ قوم راستے پر نہ آئی۔ تو اللہ تعالیٰ کا حکم حضرت لوط کو ہوا کہ بستی چھوڑ کر چلے جائیں۔ حضرت لوط کی روانگی کے بعد اُن کی قوم تباہ ہوگئی۔ اُن کی بیوی جو قوم کی جاسوسی کرتی تھی اور جس نے بارہ نوجوان لڑکوں کے آنے کی اطلاع دی تھی وہ بھی تباہ ہونے والوں میں تھی۔ ان پر کوہ آتش فشاں پھٹ پڑا جس کو پتھر کی بارش سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۷) حضرت ابراہیم ایک جلیل القدر پیغمبر تھے۔ خلیل اللہ اُن کا خطاب تھا۔ دو ہزار تین سو برس قبل مسیح اور حضرت نوح سے ایک ہزار برس بعد نمرود بادشاہ بابل کے زمانے میں تھے۔ یہ بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل دونوں کے مورث اعلیٰ تھے۔

نمرود کو بعض کنعان کی اولاد کہتے ہیں۔ بعض اس کو منوچہر کا مورث اعلیٰ بتاتے ہیں اس بادشاہ نے ترکستان اور ہندوستان کے بعض حصے فتح کئے اور بابل کو اپنا پایہ تخت بنایا۔ یہ بادشاہ بڑا متکبر تھا۔ چونکہ بادشاہ پرستی کی رسم اُس زمانے میں جاری تھی اس لئے لوگ اُسے خدا یا خدا کا نائب مانتے تھے اُس کا نگران تارخ نامی ایک سپاہی تھا جس کے گھر میں حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔ یہ قوم کواکب پرستی اور بت پرستی کرتی تھی۔ حضرت ابراہیم نے ایک روز جب کہ سب لوگ جاترہ میں شہر سے باہر گئے تھے بتوں کو توڑ کر تبر بڑے بت کے کندھے پر رکھ دیا۔ جب اُس کی اطلاع لوگوں کو ہوئی تو وہ سب ناراض ہوئے۔ جب بادشاہ وقت نے سنا تو اُس کی دریافت کر کے حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالنے کا حکم دیا۔ آگ تیار کی گئی اور منجنیق سے حضرت ابراہیم کو آگ میں پھینکا۔ مگر وہ آگ باغ میں منتقل ہوگئی۔ نمرود کی بیٹی ایمان لے آئی مگر نمرود ایمان نہ لایا۔ اُس کے بعد حضرت ابراہیم وہاں سے نکل کر شام کی طرف چل دیئے۔ راستے میں حضرت ابراہیم نے جزائر الوجہ میں لوگوں کو جمع ہو کر ایک باغ کی طرف جاتے دیکھا جہاں شہزادی شوہر کا انتخاب کر رہی تھی حضرت ابراہیم بھی اُن لوگوں کے ساتھ ہو لئے اور شہزادی نے آپ کو انتخاب فرمایا اور شادی ہوگئی۔ یہ بیوی سارہ خاتون تھیں جن کا حسن شہرۂ آفاق تھا۔ چند روز کے بعد حضرت بیوی کو لے کر شام جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک اور بادشاہ کی سرحد سے گزرنا ہوا بعض کا خیال ہے کہ یہ مصر کے بادشاہ کی سرحد تھی اس سرحد پر بادشاہ کے حکم سے حسین عورتوں کو پکڑ کر بادشاہ کی خدمت میں بھیجا جاتا تھا۔ حضرت ابراہیم نے اپنی بیوی کو ایک صندوق میں

چھپا دیا۔ مگر پتہ چل گیا اور سارہ خاتون دربار میں پہنچائی گئیں۔ حضرت ابراہیم سے پوچھا کہ یہ عورت تمہاری کون ہے تو حضرت نے بہن فرمایا اُس کے بعد بادشاہ نے خلوت میں جب سارہ خاتون کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس کا ہاتھ شل ہو گیا۔ بادشاہ بہت گھبرایا اور سمجھا کہ یہ کوئی بزرگ ہے وعدہ کیا کہ اگر اُس کا ہاتھ درست ہو جائے تو وہ اپنے ملک کے دو حصے کرکے آدھا حضرت ابراہیم کو دیگا۔ چنانچہ حضرت کی دعا سے وہ اچھا ہو گیا اور حسب وعدہ آدھا ملک دیا۔ اور ایک خوبصورت صاحبزادی عفو کے شکرانہ میں بی بی سارہ کو دی۔ یہ صاحبزادی بی بی ہاجرہ تھیں۔ وہاں سے نکل کر حضرت ابراہیم بیت المقدس کی طرف گئے۔ یہاں حضرت جبرئیل نے ایک بہشت کا پتھر بیت المقدس کی جگہ پر رکھ دیا جو ابراہیمی قبلہ قرار پایا۔ حضرت ابراہیم یہاں رہے۔

اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ بابل جا کر نمرود کو دعوت دو تو حضرت تنہا روانہ ہوئے۔ اور نمرود کو جا کر خدا کی دعوت دی۔ وہ نہ مانا اور اللہ تعالیٰ سے لڑنے آمادہ ہو گیا اور ایک بڑا لشکر تیار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مچھروں کو بھیجا جنھوں نے ہر شخص پر مسلط ہو کر پورے لشکر کو تباہ کر دیا۔ ایک مچھر نمرود کے سر میں چڑھ گیا۔ چالیس روز کے بعد اُس کا خاتمہ ہوا۔ بہت سے لوگ حضرت کے پیرو بن گئے۔ اور حضرت کو بادشاہت کی دعوت دی حضرت نے قبول نہ کیا اور شام کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں بہت سے شہر بساتے ہوئے کنعان میں آکر اُس کو آباد کیا۔ یہاں ایک نہر دیکھی جس کا پانی شہر ملاد۔ قامور۔ حنایم اور زعوم کے لوگوں کی طرف جاتا تھا۔ یہ قوم بعد ازاں لواطت میں مبتلا ہوئی، جن کی طرف حضرت لوط بھیجے گئے۔ انھوں نے لوگوں کو سمجھایا۔ نہ ماننے پر عذاب آیا حضرت ابراہیم وہاں سے چل کر بیت المقدس تشریف لائے۔ جہاں سارہ خاتون نے بڑی خوشیاں منائیں۔ واپسی پر حضرت ہاجرہ حاملہ ہوئیں۔ سارہ خاتون کو حسد ہوا انھوں نے حضرت ہاجرہ کے پہلے کان چھید دے۔ اور پھر ختنہ کر دی جب حضرت اسمٰعیل پیدا ہوئے تو سارہ خاتون کو زیادہ رنج ہوا اور ہاجرہ کو علیحدہ کرکے ریگستان میں چھوڑ دینے کی خواہش کی اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیم نے بی بی ہاجرہ کو ایک اونٹ پر بٹھا کر اور آپ دوسرے اونٹ پر سوار ہو کر جنوب کی طرف روانہ ہوئے اور اب جہاں خانہ کعبہ ہے یہاں لا کر چھوڑ دیا۔ اور آپ روتے ہوئے بیت المقدس روانہ ہوئے۔ جب دو گھڑی گذری اور ابراہیم نہ آئے تو بی بی ہاجرہ کو پیاس معلوم ہوئی۔ بی بی نے بچے کو لٹا کر پانی کی تلاش میں صفا و مروا کے سات چکر لگائے۔ نشیب میں دوڑنے لگتیں اس لئے کہ بچہ وہاں سے دکھائی نہ دیتا۔ جب پانی نہ ملا تو مایوس واپس آئیں تو دیکھا کہ حضرت اسمٰعیل نے جہاں پاؤں مارے تھے وہاں ایک چشمہ جاری تھا۔ بی بی ہاجرہ نے خوش ہو کر اُس پانی کے اطراف منڈیر باندھ دی۔ ایک قافلہ

ادھر سے گزر رہا تھا اُنھوں نے دیکھا کہ بی بی ہاجرہ وہاں پانی کے پاس بیٹھی ہیں اُن کو تعجب ہوا اور بی بی ہاجرہ سے اجازت لے کر وہاں رہ پڑے۔ کئی سال کے بعد حضرت ابراہیم ایک مرتبہ دیکھنے آئے مگر بی بی سارہ نے اُن سے وعدہ لیا کہ وہ سواری سے نہ اتریںگے۔ اس لئے حضرت کھڑے کھڑے دیکھ کر واپس ہو گئے۔

حضرت ابراہیم نے خواب دیکھا کہ اُن کو قربانی کا حکم دیا جارہا ہے تو انھوں نے دو سو اونٹ ذبح کئے۔ اُس کے بعد بھی یہی حکم ہوا۔ دوسرے اور تیسرے روز بھی دو دو سو اونٹ ذبح کئے۔ چوتھے روز حکم ہوا کہ اپنے فرزند اسمٰعیل کی قربانی کر۔ تو حضرت شتر پر سوار ہو کر ہاجرہ کے پاس پہونچے۔ اور حضرت اسمٰعیل کو لے کر منٰی کی طرف روانہ ہوئے۔ منٰی میں شیطان نے حضرت اسمٰعیل کو بہکایا تو حضرت اسمٰعیل نے اُس پر کنکر مارے۔ پھر حضرت ابراہیم نے بیٹے کے مشورہ سے اُس کو لٹا کر اور آنکھ پر پٹی باندھ کر ذبح کرنا چاہا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے بجائے بیٹے کے دنبے کی قربانی دی اور لڑکے کو بچا لیا۔ اُس کے بعد حضرت ابراہیم واپس بیت المقدس چلے گئے۔ چند روز کے بعد کعبہ بنانے کا حکم ہوا تو اور حضرت اسمٰعیل کی مدد سے خانہ کعبہ کی بنیاد ڈالی اور اس کو امن اور پھلوں والا شہر بنانے کی دعا دی۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم شام میں جا رہے۔

بعد ازاں حضرت ابراہیم کا دستور تھا کہ روزانہ ایک مہمان کو لا کر اس کے ساتھ کھانا تناول فرماتے۔ وہیں کیف تحی الموتی حضرت نے پوچھا تھا۔ نو دسال کی عمر تک بچہ نہ ہونے سے حضرت مایوس تھے۔ ایک مرتبہ سات روز تک کوئی مہمان نہ آیا۔ اس کے بعد بارہ نوجوان لڑکے آئے حضرت نے اُن کے لئے ایک گوسالہ کاٹا۔ اور اُن کی ضیافت کی۔ مگر جب انھوں نے کھانا نہ کھایا تو وجہ پوچھی۔ انھوں نے اپنا فرشتہ ہونا ظاہر کیا اور سارہ خاتون کو اولاد کی بشارت دی۔ اُس کے بعد حضرت اسحٰق پیدا ہوئے انھیں فرشتوں نے یہ کہا کہ وہ حضرت لوط کی بستیوں کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ حضرت ابراہیم اُن کے ہمراہ جا کر ڈیڑھ کوس پر ٹھہر گئے۔ جب حضرت لوط سدوم کی تباہی کے بعد واپس آئے تو اُن کو ساتھ لے کر گھر گئے۔

حضرت ابراہیم نے ایک سو بیس برس کی عمر میں انتقال کیا۔ ان کی تین بیویاں تھیں۔ سارہ۔ ہاجرہ۔ قتورہ۔ سارہ کی اولاد حضرت اسحٰق تھے ہاجرہ کی اولاد حضرت اسمٰعیل۔ اور قتورہ کے دو بیٹے مدین اور مداین۔ مدین کی اولاد میں چوتھی پشت میں حضرت شعیب تھے جن کی لڑکی صفورہ سے حضرت موسیٰ کا عقد ہوا حضرت ابراہیم صاحب صحیفہ تھے جو اب نابود ہیں۔ مگر جو وعدے اُن کے ساتھ کئے گئے تھے وہ

بائبل میں موجود ہیں اور قرآن مجید میں اُن کی طرف اشارہ ہے۔ ختنہ رسم ابراہیمی ہے۔ بنی اسمٰعیل اور بنی اسرائیل دونوں میں رائج رہی حضرت ابراہیم کے دونوں لڑکوں سے قوم بڑھانے کا اور اُن کی نسل کو کنعان کا تمام ملک دینے کا وعدہ بائبل اور قرآن دونوں میں موجود ہے۔

حضرت ابراہیم کی زبان عبرانی تھی اور بقول بعض فارسی تھی۔ شام میں رہنے کے بعد عبرانی سیکھی

(۸) حضرت اسمٰعیل کی زبان عربی تھی۔ بچپنے میں دوبار حضرت ابراہیم کو دیکھا تھا۔ نو برس کی عمر میں حضرت ابراہیم کے خواب کا دیکھنا اور حضرت اسمٰعیل کو ذبح کرنے کیلئے لیجانے کا واقعہ پیش آیا اُس کے بعد جو قافلہ وہاں سکونت پذیر تھا اُس کے سردار نے اپنی لڑکی کو حضرت اسمٰعیل سے بیاہ دیا۔ اُس کے بعد حضرت ہاجرہ کا انتقال ہوگیا۔ حضرت ابراہیم آئے تو حضرت اسمٰعیل اُس وقت باہر گئے ہوئے تھے۔ اُن کی بیوی سے حال دریافت کیا تو انھوں نے تنگی معاش کی شکایت کی حضرت ابراہیم چلتے وقت کہہ گئے کہ اسمٰعیل سے کہدینا کہ گھر کی سردابی نہیں اس کو بدل دو۔ جب حضرت اسمٰعیل نے سُنا تو سمجھ گئے کہ حضرت ابراہیم تھے اور اُس عورت کو چھوڑ دیا۔ دوسری مرتبہ جب آئے تو دوسری عورت نے تواضع کی اور معاش کے بارے میں شکر گزاری کی حضرت ابراہیم کہہ گئے کہ اسمٰعیل سے کہنا کہ گھر کی سرد اچھی ہے رہنے دے۔ تیسری مرتبہ آئے تو تعمیر کعبہ میں حضرت اسمٰعیل کو شریک کیا۔ اُس کے بعد شام چلے گئے۔ حضرت اسمٰعیل اُن کے انتقال سے قبل آکر ملے تھے اور ہر سال قبر کی زیارت کو جاتے۔ حضرت اسمٰعیل کے بارہ لڑکے تولد ہوئے۔ بڑے کا نام قیدار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل کو حکم دیا کہ مغرب کی طرف جاکر بت پرستوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلا۔ تب حضرت نے پچاس برس وہاں رہکر ہدایت کی۔ تمام بت پرست مومن ہو گئے۔ حضرت اسمٰعیل کی ایک لڑکی تسمیہ تھی جس کو آپ نے حضرت اسحٰق کے بیٹے عیص سے بیاہ دیا۔ ایک سو تیس برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ مکے میں حضرت ہاجرہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ اُن کے بیٹے متفرق ہو گئے مگر ثابت اور قیدار مکہ ہی میں رہے اور اکثر اہل عرب وحجاز انھیں کی اولاد سے ہیں۔

(۹) حضرت اسحٰق حضرت ابراہیم کے دوسرے بیٹے تھے۔ حضرت اسمٰعیل نے جب باپ کے مرنے کے بعد کوئی نشانی مانگی تو اسحاق نے کہا کہ تم ہمارے برابر نہیں ہو محروم الورث ہو حضرت اسمٰعیل بہت رنجیدہ ہوئے۔ حضرت جبرئیل نے آکر حضرت اسحٰق سے کہا کہ اسمٰعیل پر فوقیت مت کر کہ حضرت محمد اُن کی نسب سے ہوں گے اور سب مومن اُن کی نسب سے اور تمہاری نسب سے تمام جہود وگمراہ۔ اُن کی اولاد تمہاری اولاد کو ذلیل وخوار رکھے گی۔ یہ بات سُن کر حضرت اسحٰق اس قدر روئے کہ آنکھوں میں چھالے پڑ گئے۔ اور نابینا ہو گئے۔ دو برس کے بعد حضرت جبرئیل نے بشارت دی کہ تیری

پشت سے چار ہزار پیغمبر ہونگے۔ ان میں سے ایک حضرت موسیٰ ہونگے۔ تم چاہو تو اللہ تم کو بینا کردے لیکن اگر ویسے ہی رہو گے تو قیامت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا حضرت اسحٰق نے نابینا رہنا پسند فرمایا۔ حضرت اسحٰق بڑے بیٹے عیص کو چاہتے تھے اور ان کی بیوی چھوٹے بیٹے یعقوب کو۔ ایک مرتبہ حضرت اسحٰق نے فرمائش کی کہ اگر عیص جنگلی بکری یا ہرن شکار کرکے اس کے کباب کھلائے تو وہ اس کے لئے پیغمبری کی دعا کریں گے عیص شکار کو چلے گئے۔ اُن کی ماں نے یعقوب سے کہا کہ گھر میں بکری ہے۔ اس کے کباب تیار کرکے باپ کو کھلا۔ یعقوب نے ایسا ہی کیا۔ کباب کھلانے کے بعد بیوی نے کہا کہ کیا تم کھلانے والے کے لیے دعا نہ کرو۔ گے۔ حضرت اسحٰق نے اُس کو عیص سمجھ کر دعا کی۔ اُس کے بعد جب عیص نے شکار لاکر باپ کے سامنے رکھا۔ تو باپ کو معلوم ہوا کہ اُن کی بیوی نے یعقوب کے لئے دعا کرائی ہے تو انھوں نے عیص سے کہا کہ تیری دعا یعقوب نے لے لی۔ عیص کو بہت غصہ آیا اور کہا کہ میں یعقوب کو مار ڈالوں گا۔ حضرت اسحٰق نے کہا مت ماریں تیرے لئے بھی دعا کردوں گا کہ تیری نسل بہت زیادہ ہو۔ حضرت اسحٰق نے ایک سو ساٹھ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ اور سارہ خاتون کی قبر کے پاس مدفون ہوئے۔

(۱۰) حضرت یعقوب جان کے خوف سے ایک سال تک ڈرتے رہے اُس کے بعد راتوں رات اپنے ماموں کے پاس چلے گئے۔ جن کا نام لابن بن نحور تھا۔ یہ بہت مالدار تھے۔ چونکہ رات کو نکلے تھے اس لئے اُن کو اسرائیل کہنے لگے۔ اُن کے ماموں نے اُن کو رکھا۔ ماموں کی دو لڑکیاں تھیں لیاہ اور راحیل۔ چھوٹی خوب صورت تھی۔ یعقوب نے کہا کہ راحیل کو بیاہ دو۔ ماموں نے کہا کہ باپ کی کوئی چیز تمہارے پاس نہیں مہر کیا دو گے۔ تب سات سال بکریاں چرانا ٹھہرا۔ سات سال کے بعد ماموں نے بڑی بیٹی لیا کو یعقوب کی خلوت میں بھیج دیا۔ دوسرے روز حضرت یعقوب نے شکایت کی تو ماموں نے جواب دیا کہ بڑی کو رکھ کر جو بدصورت تھی میں چھوٹی کو نہیں دے سکتا تھا۔ اب اگر راحیل کو چاہتے ہو تو سات سال بکریاں اور چراؤ اُس وقت کی شرح کے بموجب دو بہنوں کو عقد میں رکھنا جائز تھا۔ یہ دستور حضرت موسیٰ کے زمانے تک جاری رہا۔ حضرت یعقوب نے اور سات سال ماموں کی بکریاں چرائیں تب اُن کی راحیل سے شادی کردی۔ لیا کے بطن سے چھ لڑکے تولد ہوئے۔ چار لڑکے دو لونڈیوں سے اور پھر دو لڑکے راحیل سے۔ راحیل کے لڑکوں کا نام یوسف اور بنیابن تھا۔

حضرت ابراہیم حاران سے کوچ کرکے ملک کنعان میں آرہے تھے۔ اُن کی بود و باش حبرون کے پاس تھی۔ اسحاق بھی یہیں رہے۔ یعقوب باپ کی وصیت کے مطابق اپنے ماموں کے پاس حاران کی طرف گئے تھے۔

یعقوب کی اولاد یہ تھی:

لیاہ = روبن۔ سغون۔ لاوی۔ یہودہ۔ اشکار۔ زبلون۔

زلفہ = جد اور آشر (یہ لونڈی لیاہ کے ساتھ آئی تھی)

راحیل = یوسف۔ بنیامن۔

جوبلہ = دان۔ سفتالی (یہ لونڈی راحل کے ساتھ آئی تھی۔)

بیس برس کے بعد یعقوب اپنی بیویوں۔ بیٹوں اور گلے کو لیکر کنعان آئے۔ یوسف کی عمر پانچ سال تھی اور اُن کے بھائی بنیامن شیر خوار تھے کہ اُن کی والدہ راحیل نے انتقال کیا۔ حضرت یعقوب کی بہن نے حضرت یوسف کو مانگ لیا اور خود پرورش کرنے لگیں۔

(۱۱) یوسف کی عمر ۱۷ برس کی تھی جب انھوں نے خواب دیکھا۔ حضرت یعقوب یوسف کو بہت چاہتے تھے کیونکہ اُن کی والدہ کا انتقال ہوچکا تھا۔ دوسرے بھائیوں نے حسد سے قتل کا ارادہ کیا اور اندھے کنوئیں میں ڈال دیا۔ اور قریب ہی کھانے کے لئے بیٹھے۔ اتنے میں ایک اسماعیلی قافلہ آیا۔ اُس نے یوسف کو نکال لیا۔ بھائیوں کو خبر ہوئی تو آکر مالک بن دغر کے ہاتھ اٹھارہ مصری درم کے معاوضہ میں جو کنعانی نو درم ہوتے ہیں بیچ ڈالا اور یہ درھم آپس میں تقسیم کرلیے۔ قافلہ والوں نے مصر جاکر بوتیفار کے ہاتھ جو فرعون کا ایک امیر اور لشکر کا سردار تھا جس کو عزیز کہتے تھے یوسف کو فروخت کردیا۔ عزیز نے یوسف کو اپنے کارخانوں کا مختار کردیا۔ عزیز کی بیوی زلیخا جس کا نام راعیل تھا یوسف پر فریفتہ ہوگئی اور اپنے ساتھ ہم بستر ہونے کی خواستگار ہوئی جب یوسف نے نہ مانا تو ایک روز تخلیہ پاکر یوسف کا پیرہن پکڑ کر طلبگار ہوئی۔ یوسف بھاگے اور زلیخا بھی بھاگی۔ دروازے پر عزیز مل گیا تو زلیخا نے الٹی یوسف پر تہمت لگائی زلیخا کے خاندان کے ایک شخص نے کہا کہ اگر پیراھن سامنے سے پھٹا ہے تو عورت سچی ہے اور اگر پیچھے سے پھٹا ہے تو یوسف سچا۔ جب پیراہن پیچھے سے پھٹا دیکھا تو عزیز سمجھ گیا کہ زلیخا کی چالاکی ہے۔ اس بات کا شہر کی عورتوں میں چرچا ہوا۔ زلیخا کو خبر ہوئی تو اُس نے دعوت دیکر اُن عورتوں کو بلایا اور ترنج کاٹنے چھری ہاتھ میں دی اور یوسف کو بلایا۔ یوسف کو دیکھ کر عورتوں نے حیرت سے چھری سے اپنے ہاتھ کاٹ لئے۔ زلیخا نے کہا یہ وہی ہے جس کے لئے تم مجھے ملامت کرتی تھیں اور یوسف کو قید خانے بھیج دیا۔ اُن کے ساتھ دو شخص بھی اتفاقاً قید خانے بھیجے گئے ایک فرعون کا ساقی اور دوسرا نان پزوں کا داروغہ۔ ایک رات دونوں نے خواب دیکھا۔ یوسف سے ساقی نے بیان کیا کہ میں نے ایک انگور کا درخت دیکھا اُس کی تین شاخیں نکلیں اور اس کے

پھل پھول آئے۔ اور اس کے گچھوں میں انگور پکے فرعون کا پیالہ میرے ہاتھ میں تھا۔ میں نے اس میں انگور کو نچوڑا اور فرعون کے ہاتھ میں دیا۔ دوسرے نے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ میرے سر پر تین ٹوکرے روٹیوں کے ہیں جو فرعون کے لئے ہیں اوپر کے ٹوکرے میں سے پرند کھا رہے ہیں۔ یوسف نے پہلے اُن کو دین حق کی تعلیم کی۔ اس کے بعد خواب کی تعبیر بیان کی کہ تین خوشوں سے مراد تین روز ہیں۔ تین روز کے بعد تو فرعون کو شراب پلانے کے عہدے پر مقرر ہوگا۔ اور دوسرے سے کہا کہ تین ٹوکروں سے مراد تین دن ہیں۔ تین دن کے بعد تو سولی دیا جائے گا۔ پرندے تیرے سر کا بھیجا کھائیں گے۔ چنانچہ تین روز کے بعد فرعون نے جشن سالگرہ کیا اور ہر دو کو وہی ملا جو یوسف نے کہا تھا۔ گو ساقی سے یوسف نے اپنا حال کہا تھا مگر وہ بادشاہ سے کہنا بھول گیا۔ فرعون نے دوسرے سال کے آخر میں ایک خواب دیکھا کہ وہ لب دریا کھڑا ہے کہ دریا سے سات موٹی اور خوبصورت گائیں نکلیں اور نیستان میں چرنے لگیں کیا دیکھتا ہے کہ اُس کے بعد سات گائیں بدشکل اور دبلی دریا سے نکلیں اور گھاٹ پر آکر اُن موٹی اور خوبصورت گائیوں کو کھا گئیں۔ اور پھر سو گیا۔ دوبارہ پھر دیکھا کہ سبز اور اناج سے بھری ہوئی سات بالیں ایک ٹہنی میں ظاہر ہوئیں اور اُس کے بعد سات بالیں پتلی اور خشک نکلیں اور اُن بالوں کو کھا گئیں۔ صبح کو فرعون جاگا۔ اُس کا جی گھبرایا۔ مصر کے تمام دانشمندوں کو بلایا۔ کسی سے تعبیر نہ دی گئی تب اُس ساقی کو یاد آیا۔ اُس نے فرعون سے ماجرا بیان کیا اور بادشاہ کی اجازت سے یوسف کے پاس آیا۔ اور خواب بیان کیا۔ یوسف نے دونوں خوابوں کا ایک ہی ہونا بیان کیا۔ کہ پہلے سات سال ارزانی کے اور خوشحالی کے ہونگے اور دوسرے سات سال قحط اور گرانی کے فرعون کو چاہیے کہ ایک ہوشیار آدمی مصر کی زمین پر مختار مقرر کرے تاکہ ارزانی کے زمانے میں ذخیرہ جمع کریں اور قحط کے سالوں میں اُس کو کھالیں۔ ساقی نے آکر فرعون سے بیان کیا۔ اُس نے سُن کر بہت پسند کیا اور تمام ارکان دولت نے تحسین کی۔ فرعون مشتاق ملاقات ہوا۔ چوبدار شاہی حضرت کو لینے آئے۔ فرمایا کہ پیشتر میرے جرم کی تحقیق کر لو۔ چنانچہ تحقیقات میں یوسف کی پاکدامنی کا اقرار عزیز کی بیوی نے کیا۔ حضرت نے کسر نفسی کے طور پر فرمایا مَآ اُبَرِّئُ نَفْسِی اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ میں اس بات سے اپنا تفاخر نہیں چاہتا۔ اس کے بعد آپ فرعون کے پاس گئے۔ فرعون نے حسن صورت اور خداداد قابلیت کو باتوں سے دریافت کر کے شیفتہ ہوگیا اور اپنی رعیت پر تمام اختیارات دے کر اپنی انگشتری اُن کے ہاتھ میں پہنا دی۔ اُس وقت آپ کی عمر تیس سال کی تھی۔ حضرت نے محاصل ملک کے انتظامات بڑی عمدگی اور ایمانداری سے انجام دیئے۔ جب قحط کے سال شروع ہوئے تو فرعون نے یوسف کے مشورے کے مطابق غلہ فروخت کرنا شروع کیا۔ یوسف کے دس بھائی بھی غلہ لینے آئے

یوسف نے پہچان کر بھی ناواقف ظاہر کیا اور کہا کہ تم جاسوس معلوم ہوتے ہو۔ اپنی صفائی میں بھائیوں نے
ایک باپ کے بارہ بیٹے ہونا۔ ایک کا کھو جانا اور ایک کا گھر میں رہنا بیان کیا۔ تصدیق کے لئے
چھوٹے بھائی کو لانے کی تاکید کی۔ اور شمعون کو قید کر لیا۔ اور حکم دیا کہ اُن کے بورے غلہ سے بھر دیں
اور نقدی بھی بورے میں رکھ کر پھیر دی۔ یعقوب نے چھوٹے بیٹے کو بھیجنے سے انکار کیا تو یہودہ ضامن
ہوا۔ نقدی اور ہدیہ لیکر روانہ ہوئے۔ یعقوب نے تاکید کی کہ ایک دروازے سے داخل نہ ہونا۔ جب
یوسف کے پاس پہونچے تو چھوٹے بھائی کو دیکھ کر یوسف کا دل بھر آیا اور علٰحدگی میں اس سے کہا کہ میں تمہارا
بھائی ہوں اور بنیامن کو روکنے کی یہ ترکیب کی کہ چاندی کا پیالہ اُس کے بورے میں رکھوا دیا۔ جب وہ
سب غلہ لیکر روانہ ہوئے تو پیچھے سے آدمی دوڑتا آیا اور کٹورے کی چوری کا الزام لگایا سب نے انکار کیا اور
کہا کہ جس کے پاس سے نکلے وہ غلام بنا لیا جائے۔ غرض اسباب کی تلاشی ہوئی اور بنیامن کے اسباب سے
پیالہ نکلا۔ بھائیوں نے بہت گریہ وزاری کی مگر یوسف نے نہ مانا۔ بڑا بھائی روبن وہیں رہ پڑا۔ یعقوب نے
جب واقعات سنے تو بہت روئے اور بیٹوں کو بنیامن کی تلاش میں بھیجا۔ بیٹے آکر بہت عاجزی کرتے
رہے جس کو سن کر یوسف سے ضبط نہ ہو سکا اور اپنا یوسف ہونا ظاہر کیا۔ بھائی شرمندہ ہو کر اقرار جرم کرنے لگے
فرعون کو جب معلوم ہوا تو اُس نے یوسف سے کہا کہ اپنے گھرانے کو یہیں بلا لو۔ یوسف نے بھائیوں کو
بڑے سامان کے ساتھ اپنا پیرہن دے کر روانہ کیا کہ میرے باپ کے منھ پر ڈال دو تو وہ بینا ہو جائیں گے۔
جب قافلہ چلا تو یعقوب کو کئی منزل سے یوسف کے پیراھن کی خوشبو معلوم ہوئی کہتے ہیں کہ یہودہ یہ پیرہن
لے کر گیا تھا اور یوسف کے جاہ وجلال کی داستان بیان کی۔ یعقوب بیحد مسرور ہوئے۔ بیٹوں سے کہا
میں نہ کہتا تھا کہ جو علم مجھ کو ہے تم کو نہیں۔ تب بیٹے باپ کے قدموں پر گر پڑے اور خطا کی معافی چاہی۔
یعقوب معہ اپنے بیٹوں اور پوتوں کے جو ستر اشخاص تھے یہ سن کر فرعون کی سواریوں میں بیٹھ کر مصر روانہ
ہوئے۔ یہودہ کو پیشتر بھیجا۔ یوسف استقبال کو نکلے اور باپ سے مل کر دیر تک رویا کئے اور لیجا کر
اپنے محل میں اُتارا اور اپنے تخت پر یعقوب اور اپنی سوتیلی ماں کو بٹھایا۔ سب نے سجدۂ شکر ادا کیا اور
یوسف نے کہا یہی میرے خواب کی تعبیر ہے۔ فرعون نے یعقوب کی بڑی عزت کی اور جداگانہ ایک زمین
کا قطعہ عطا کیا حضرت یعقوب جب مصر تشریف لائے تو اُن کی عمر ایک سو تیس برس کی تھی۔ ۱۴۷ برس کی
عمر میں بقول اہل کتاب انھوں نے انتقال کیا اور وصیت کی کہ مجھے مصر میں مت گاڑنا۔ مرنے کے وقت
اولاد کو خدا پرستی کی وصیت کی یوسف اور اُن کے خاندان نے لاش کنعان لاکر اُن کے قبرستان میں دفن
کیا اور حسرت کے ساتھ واپس ہوئے۔ حضرت یوسف کی عمر ایک سو دس برس کی ہوئی۔ اور اپنے بیٹوں کے

بیٹے بھی دیکھے بھائیوں کو وصیت کی کہ میری لاش کو شام لیجانا۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ مصر سے شام کو چلے تو اُن کی ہڈیاں بھی ساتھ لیں اور بنی اسرائیل نے اُن کو کنعان میں دفن کیا۔ زلیخا کا بقیہ قصہ قرآن مجید میں نہیں ہے۔ اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ اُس کی شادی یوسف سے ہوئی اور دو بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔

فلسطین کے تمام علاقہ کی طرح حضرت یعقوب کی زندگی اور اُن کے خاندان کی زندگی بھی بدویانہ تھی۔ مویشی چراتے تھے۔ اُن کے گوشت۔ اون اور دودھ پر گذران کرتے تھے۔ لیکن اس علاقے سے تھوڑے فاصلہ پر مصر کی سرزمین تمدن میں شہرۂ آفاق تھی۔ اُس کا دارالحکومت رعمیسس تھا جو وقت کے علوم وصنائع

[illegible]

عبرانی اُن کی نگاہوں میں بڑے ہی ذلیل تھے۔ وہ انھیں چرواہا کہکر پکارتے اور اس قابل نہ سمجھتے کہ اپنی مجلسوں میں جگہ دیں۔ یہ بات بھی اُن میں عام تھی کہ کوئی مصری کنعانی کے ساتھ ایک دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا نہ کھاتا۔ اور مصر کے دیہاتی بھی انھیں اسی طرح بُرا سمجھتے کہ اپنی آبادیوں میں اُن کا بسنا گوارا نہ کرتے۔

لیکن قدرت الٰہی سے ایک عجیب وغریب واقعہ پیش آیا۔ کنعان کے اس بدوی قبیلہ کا ایک کمسن لڑکا بغیر اپنی خواہش اور مرضی کے مصر پہونچ گیا۔ کچھ عرصے کے بعد دنیا نے دیکھا کہ اُس عظیم الشان مملکت کی باگ اُس کنعانی کے ہاتھ میں ہے۔ اور بادشاہ سے لیکر مصر کی ادنیٰ رعایا تک سب اُس کی عظمت اور فضیلت کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔ گویا وقت کی سب سے بڑی پُرشوکت۔ سب سے بڑی متمدن۔ سب سے بڑی مغرور مملکت کے تخت حکمرانی پر اچانک کون پہنچ گیا؟ اسی بدوی قبیلہ کا ایک چرواہا۔ جسے اس متمدن آبادی کا ہر فرد نفرت وحقارت کی نظر سے دیکھتا تھا اور پھر یہ عجیب وغریب معاملہ کن حالات میں ظہور پذیر ہوا؟ ایسے حالات میں جو اصل معاملہ سے بھی کہیں زیادہ عجیب وغریب تھے۔

اُسے اُس کے سوتیلے بھائیوں نے ہلاکت کرنے کے لئے کنوئیں میں ڈال دیا۔ کنواں خشک تھا اور شاہراہ سے الگ۔ اِس لئے انھیں یقین تھا کہ کوئی انسان وہاں نہیں پہونچ سکے گا۔ لیکن اتفاق سے ایک قافلہ راہ بھول کر وہاں آنکلتا ہے۔ اور پانی کے لئے ڈول ڈالتا ہے۔ لڑکا سمجھتا ہے کہ میرے بھائیوں کو رحم آگیا۔ اب مجھے نکالنے کے لئے ڈول ڈال رہے ہیں وہ اُس میں بیٹھ جاتا ہے اور اس طرح اُس کی رہائی کا سامان ہوجاتا ہے۔

لیکن کیسی رہائی؟ ایسی رہائی جس میں ایک ہلاکت سے جو تھوڑی دیر کی تھی نجات مل گئی لیکن دوسری ہلاکت جو عمر بھر رہنے والی ہلاکت تھی نمودار ہوگئی یعنی بھائیوں نے اُسے بھاگا ہوا غلام ظاہر کرکے

قافلہ والوں کے ہاتھ بیچ ڈالا وہ اُسے کسی دوسرے گاہک کے ہاتھ بیچنے کے لئے اُسے مصر لے آئے۔ اس طرح مصر میں اُس کا داخلہ ایک غلام کا داخلہ تھا اور غلام بھی ایسا جو کم سے کم قیمت میں خریدا گیا اور اب کم سے کم قیمت پر فروخت کیا جا رہا ہے۔ بہرحال ایک خریدار کے گھر میں تو خرید غلام کی حیثیت سے داخل ہوتا ہے مگر اپنے حسن عمل سے خواجگی اور آقائی کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ یہ انقلاب حال بجائے خود عجیب وغریب تھا لیکن اُس سے بھی عجیب تر معاملہ وہ تھا کہ جب اُس زرخرید غلام کے سامنے بیک وقت دو باتیں پیش کی گئیں کہ دونوں میں سے جسے چاہے اپنے لئے پسند کرلے۔ وَلَئِن لَّمْ يَفْعَلْ مَا آمُرُهُ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُونًا مِّنَ الصَّاغِرِينَ۔ نفسانی زندگی کی سب سے بڑی عشرت و کامرانی اور انسانی زندگی کی سب سے بڑی محرومی و نامرادی پہلی میں نفس کی عشرت مگر حق کی معصیت تھی۔ دوسری میں نفس کی محرومی مگر حق کی اطاعت تھی وہ پہلی سے بھاگتا ہے اور دوسری کے لئے آرزوئیں کرتا ہے۔ پہلی سے اسی طرح بھاگتا ہے گویا اُس سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں۔ دوسری کے لئے اسی طرح التجائیں کرتا ہے گویا اس سے بڑھ کر کوئی محبوب شئے نہیں۔ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ۔

مصر میں کسی انسان کی ذلت و نامرادی کے جتنے سامان ہو سکتے تھے اب وہ سب جمع ہو گئے۔ اول تو عبرانی قبیلہ کا ایک فرد۔ پھر کیا فرد۔ زرخریدہ غلام۔ کیا غلام؟ جس کو اُس کے آقا نے ایک بڑے جرم کا مرتکب پایا اور سزا کا مستحق تصور کیا کیسی سزا؟ قید خانے میں ڈالے جانے کی سزا۔ جو ذلت وخواری تعذیب وعقوبت کی بڑی سے بڑی سزا سمجھی جاتی تھی اب وہ مصریوں کی نگاہ میں قابل نفرت عبرانی بھی ہے۔ غلام بھی ہے۔ مجرم بھی ہے اور قیدی بھی۔

لیکن پھر غور کرو۔ دنیا کی کونسی بات اس سے زیادہ عجیب ہو سکتی ہے کہ اُسی قیدی کے لئے اچانک قید خانے کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ اور کھولنے والا کون ہے؟ خود مصر کا بادشاہ۔ اور پھر کیوں کھولتا ہے؟ اس لئے کہ ایک عبرانی قیدی کو قید خانے سے نکالے اور مصر کے تخت فرمانبرداری پر بٹھائے۔ گویا مصر کے قید خانے اور مصر کے تخت حکومت کا درمیانی فاصلہ ایک قدم سے زیادہ نہ تھا۔ اُس نے قید خانے سے قدم اٹھایا اور اُس نے تخت فرمانبرداری پر قدم رکھ دیا۔

پھر اس عجیب وغریب انقلاب کا نتیجہ کیا نکلا؟ ایسا کہ اُن ساری باتوں سے بھی زیادہ عجیب ہے اور جس کو قرآن کی ایجاز بلاغت نے صرف ایک جملہ میں واضح کر دیا ہے وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ۔ اللہ نے سرزمین مصر میں اُس کے قدم اس طرح جما دیے کہ اُس کو جس حصہ کو چاہے اپنے کام میں لائے۔ چنانچہ اُس نے اپنے تمام خاندان کو

کنعان سے مصر بلالیا۔ اور عین دار الحکومت میں کہ جش کی سرزمین تھی عزت واحترام کے ساتھ وہ بسائے گئے۔ اب وہی صحرا کے بدوی جو مصر میں قابل نفرت سمجھے جاتے تھے۔ مصری دار الحکومت کے معزز باشندے ہو گئے۔ اور وہاں اُن کی نسل میں اس درجہ برکت ہوئی کہ جب چار سو برس کے بعد مصر سے نکلے تو کئی لاکھ تک تعداد پہنچ چکی تھی۔

کئی لاکھ انسانوں کی یہ قوم جو مصر سے نکلی کن لوگوں کی نسل سے بنی تھی؟ اُسی لڑکے کی نسل سے جو غلام بن کر آیا تھا اور فرما نروا بن کر چکا تھا اور اُس کے گیارہ بھائیوں کی نسل سے جنھوں نے اس کو ہلاک کرنا چاہا۔ لیکن اُس نے انھیں زندگی اور زندگی کی کامرانیاں بخش دیں۔

سب سے پہلی بات جو اس سلسلے میں سامنے آتی ہے وہ روحانی صداقت اور مادی ترقیات کا مقابلہ ہے۔ حضرت یعقوب کا گھرانا دین حق کی امانت رکھتا تھا۔ وحی الہٰی کی برکتوں سے فیض یاب تھا لیکن مادّی ترقیوں اور دنیوی شوکتوں میں سے کوئی بات بھی اُسے میسر نہ تھی حتیٰ کہ شہری زندگی کی ابتدائی خصوصیات سے بھی آشنا نہیں ہوا تھا۔ اس کے تمام افراد صحرا میں رہتے تھے۔ مویشی چراتے تھے اور قدرتی زندگی کی سادگی پر قانع تھے۔ لیکن مصر کی حالت بالکل اس سے مختلف تھی وہ دین حق کے علم وعمل اور وحی الہٰی کے فیضان سے محروم تھا لیکن وقت کی تمام مادی ترقیوں کا سرمایہ دار تھا۔ اُس کی حکومت کے لوگ لکھنے پڑھنے میں ماہر تھے۔ اس کے امراء واشراف حکمرانی اور دانشوری میں ترقی یافتہ تھے۔ اس کے مندروں کے کاہن حقائق اشیاء کے بھید جاننے والے تھے۔ اُس کے حکیم علوم وصنائع کے عجائب وغرائب کے سکھلانے والے تھے مصر کی تاریخ بتلاتی ہے کہ اُس وقت کا فرعون آپومی کے نام سے پکارا جاتا تھا اُس کے عہد میں مصری تمدن پوری طرح ترقی کر چکا تھا۔

لیکن عجیب وغریب اتفاقات نے اُس صحرائی گھرانے کے ایک فرد کو مصر پہنچا دیا اور ایسی حالتوں میں پہونچایا جو کسی حالت میں بھی عزت وکامرانی کا ذریعہ نہیں ہو سکتی تھیں۔ تو پھر نتیجہ کیا نکلا؟ یہ نکلا کہ دونوں قوتوں میں مقابلہ ہوا۔ اور بالآخر دین حق کے علم وعمل اور وحی الہٰی کے فیضان نے وقت کی تمام مادی فضیلتوں کو مسخر کر لیا۔

حضرت یوسف کے پاس دین حق کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ مصریوں کے پاس دین حق کے سوا سب کچھ تھا۔ یہ صرف دین حق کی فضیلت سے آراستہ تھے۔ وہ ہر طرح کی مادی فضیلتوں میں تفوق رکھتے تھے۔ باایں ہمہ ہر مقابلہ میں فتح مندی حضرت یوسف ہی کے سیرت وعمل کو ہوئی اور قدم قدم پر مادی فضیلتوں کو تفوق سے دست بردار ہونا پڑا۔ حتیٰ کہ جب مملکت کی سلامتی خطرے میں پڑ گئی تو اُس کی نجات کے لئے

مادی فضائل کی کوئی پیداوار بھی کام نہ دے سکی۔ اس عبرانی نوجوان کے آگے مصر کو جھکنا پڑا کہ اُس کی سلامتی کی راہ نکال دے۔

جب حضرت یوسف نے بادشاہ مصر سے کہا تھا۔ اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ تو درحقیقت یہ دین حق اور فیضان وحی کا ایک اعلان تھا جو وقت کے سب سے بڑے مرکز تمدن کے مقابلہ میں کیا گیا تھا۔ یعنی آج مملکت کی نجات کے لئے ایسے شخص کی ضرورت ہے کہ جو علم اور کاروانی کے ساتھ حفاظت کرنے والا ہو لیکن ایسا شخص پیش کرنے سے مصر کی پوری مدنیت عاجز ہو گئی اُس کا عظیم الشان دارالحکومت جو کارفرماؤں۔ دانشمندوں اور کاہنوں سے بھرا ہوا ہے ایک فرد بھی پیش نہ کرسکا جو یہ بوجھ اُٹھانے کا اہل ہو لیکن یوسف نے کہا کہ میں تیار ہوں کہ یہ بوجھ اٹھاؤں میں دنیا کی سب سے بڑی مملکت کو اس ہلاکت کی گھڑیوں میں بچالونگا۔ کیونکہ میں حفاظت کرنے والا اور علم رکھنے والا ہوں۔

متمدن مصر نے کنعان کے صحرائی کا یہ اعلان سنا اور اُس کے آگے سر نیاز خم کردیا۔ یہی معنی ہیں نصیب برحمتنا من نشآءُ وَلَا نضیع اَجْرَ المحسنین وَلَاجرُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ آمنو وکانو یتّقُوْن۔

لیکن یہ معاملہ کتنا ہی عجیب معلوم ہوتا ہو اور کیسی ہی عجیب حالتوں میں پیش آیا ہو قرآن مجید کہتا ہے کہ یہ قوانین الٰہی کے قدرتی نتائج کا ظہور تھا اور حقیقت شناسوں کے لئے اس میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ یہ سب کچھ ٹھیک اُسی طرح ہوا جس طرح آگ کے جلانے سے گرمی نکلے یا پانی سے پیاس بجھ جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اشیاء کی طرح اعمال کے بھی خواص و نتائج ٹھہرا دے ہیں اور جب کبھی ایک خاص طرح کا عمل وجود میں آتا ہے تو ایک خاص طرح کا نتیجہ بھی ضرور ظہور میں آجاتا ہے۔ یہاں ہر گوشہ میں علت کے ساتھ معلول کا دامن باندھ دیا گیا ہے۔ بھائیوں نے جو کچھ یوسف کے ساتھ کیا وہ اس کے سوا کیا تھا کہ ایک خاص طرح کا انسانی عمل تھا جس کا نتیجہ نکلنا تھا اور وہ نکلا حضرت یوسف زندگی کے مختلف آزمائشوں میں جو کچھ کرتے رہے اُس کی حقیقت بھی اس کے سوا کیا تھی کہ ایک خاص سیرت کے خاص اعمال تھے جس کا نتیجہ بھی ویسا ہی نکلا جیسا چاہئے تھا۔ اسی طرح سرگزشت کے تمام سیرتوں پر نظر ڈالو۔ ہر سیرت ایک خاص طرح کے عمل میں لگی ہوئی ہے اور اسی طرح کا نتیجہ تیار کر رہی ہے۔ سنۃ اللہ فی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قبل ط وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تبدیلًا۔

تم جب چاہو اپنے حسن عمل کی قوت سے ہر طرح کے کرشمے اور اچنبھے پیدا کرسکتے ہو یوسف کی سرگذشت ایک ہی مرتبہ گزری مگر حسن عمل کی سرگذشت ایک ہی مرتبہ کے لیے نہ تھی۔ مصر کا بازار باقی

نہ رہا مگر دنیا کا بازار کس نے بند کیا ہے آج بھی شان یوسفیت پیدا کر کے دیکھ لے۔ دنیا کے تخت عظمت واجلال اُس کا استقبال کرتے ہیں یا نہیں؟ اسی وجہ سے سورہ میں جا بجا اس حقیقت کی طرف اشارات کئے گئے کہ ارباب دانش کے لئے اس میں عبرتیں ہیں۔ موعظتیں ہیں۔ نشانیاں ہیں۔ سرگذشت کی ابتداء ہی میں اعلان ہے کہ لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِلسَّائِلِيْنَ پھر خاتمہ بھی اسی پر ہوتا ہے کہ لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ۔

حسد و بغض کا نتیجہ وہی ہے جو بھائیوں نے پایا۔ راست بازی اور نیک عملی کا نتیجہ وہی ہے جو حضرت یوسف کو ملا۔ صبر جمیل کبھی اُس نتیجہ سے محروم نہیں رہ سکتا جو حضرت یعقوب کے حصہ میں آیا معصیت کے بیج سے وہی پھل پیدا ہوگا جو امراۃ العزیز کو نصیب ہوا تھا۔ جھوٹ کتنا ہی سوچ سمجھ کر بنایا گیا ہو سچ نہیں ہو جا سکتا۔ سچ کتنے ہی ناموافق حالات میں اپنے کو پائے لیکن جھوٹ نہیں ہو جا سکتا۔ علم وفضیلت ہر حال میں ایک حکمران قوت ہے سب کو اُس کے آگے جھکنا پڑیگا۔ حسن عمل ہر حال میں ایک فتح مند حقیقت ہے سب کو اس کا لوہا ماننا پڑے گا۔

سرگذشت کی اصلی عبرت اُس کی خاص خاص شخصیتیں ہیں اور ضروری ہے کہ اُن کو اچھی طرح پہچان لیا جائے:

سب سے پہلے حضرت یعقوبؑ کی شخصیت نمایاں ہوتی ہے اور اس میں درد وغم کی انتہا ہے مگر ساتھ ہی صبر ویقین کی روح بھی چھائی ہوئی ہے اور اس طرح چھائی ہوئی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ درد وغم کے طوفان اُٹھ رہے ہیں مگر صبر ویقین سے ٹکرا کر رہ جاتے ہیں اُن پر غالب نہیں آسکتے اور یہی صورت حال اس سیرت مقدس کا اسوۂ حسنہ ہے۔ صورت حال کی ساری عظمت اس میں ہے کہ ایک کامل صابر و مومن کی زندگی کی تصویر سامنے آگئی ہے۔

حضرت یعقوب کے بعد حضرت یوسف کی سیرت نمایان ہے۔ یہی سرگذشت کی اصلی شخصیت ہے۔ جس رخ سے دیکھئے انسانی سیرت (کیرکٹر) کی فضیلت اور اُس کی اٹل کامرانیاں سامنے آجاتی ہیں۔ ان کی سیرت کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ انسانی زندگی کی سب سے بڑی قوت اُسکی سیرت کی فضیلت ہے۔ اگر یہ فضیلت موجود ہو تو پھر اُس کے لئے فتح و کامرانی کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ دنیا کی ساری رکاوٹیں اُس کی راہ روک لیں تب بھی وہ اپنی راہ نکال لے گا۔ حوادث و وقائع اُس پر قابو نہیں پا سکتے۔ احوال و ظروف اُس پر غالب نہیں آسکتے۔ افراد و جماعات کی کوششیں اُسے مسخر نہیں کرسکتیں۔ اُس کے لئے ہر حال میں کامرانی ہے۔ اُس کے لئے ہر گوشہ میں فتح مندی ہے۔ اُس کے لئے ہر طاقت میں فرمانروائی ہے۔ سترہ برس کا

ایک کمسن لڑکا باپ کی آغوش محبت سے جبراً چھین لیا جاتا ہے اور اچانک اپنے آپ کو کن لوگوں میں پاتا ہے اُن میں جو چند سکّوں کے بدلے اُسے غلام بنا کر بیچ رہے ہیں۔ دنیا کی اور طبیعتیں کیا کرتیں؟ اور اُس نے کیا کیا؟۔ اُس نے دانشمند کی طرح صورت حال کا جائزہ لیا اور فیصلہ کیا کہ جو حالت بھی پیش آجائے صبر وسکون کے ساتھ جھیل لینا چاہیئے۔ اور اُسی کے مطابق عمل پیرا ہونا چاہیئے۔ قافلہ والوں نے انھیں غلام کی حیثیت میں پیش کیا وہ غلام کی طرح پیش ہو گئے۔ عزیز مصر نے غلام کی طرح خریدا۔ انھوں نے اسی طرح خدمت شروع کر دی۔ اُس کے ساتھ اس طرح پیش آئے جس طرح ایک اطاعت شعار اور وفادار غلام کو اپنے آقا کے ساتھ پیش آنا چاہیئے۔ کہیں سے بھی کوئی ایسی بات مترشح نہیں ہوتی کہ انھیں ایسا کرنے میں کوئی تامل ہوا ہو۔ گویا یہ ناگہانی مصیبت جو ہزاروں لاکھوں انسانوں کے لئے پوری زندگی کی سوگواری بن جاتی اُن کے لئے کوئی مصیبت ہی نہ تھی۔ نہ پچھلی حالت کا ماتم ہے اور نہ موجودہ حالت سے جھجک۔ نہ گذشتہ کی یاد میں سوگواری ہوئی اور نہ آیندہ کے اندیشہ میں بدحالی۔ ہر اُس انسان کے لئے جو دنیا کی مصیبتوں اور ناموافقوں میں اپنی راہ نکالنی چاہتا ہو اس معاملہ میں کیسی عظیم الشان عبرت ہے اگر حضرت یوسف نے مصائب ومحن کی پہلی ہی منزل میں صبر۔ عزم۔ اعتماد نفس اور توکل علی اللہ کی یہ روح عظیم اپنے اندر نہ پیدا کر لی ہوتی تو کیا یہ ممکن تھا کہ اس منزل مقصود تک پہونچ سکتے؟

زمانے کی گردشیں آزمائشوں پر آزمائشیں پیدا کرتی رہیں مگر اُن کی غیر متزلزل سیرت فتح مندی پر فتح مندی حاصل کرتی گئی۔

سب سے پہلے عزیز مصر کے ساتھ اُن کا معاملہ سامنے آتا ہے اُس نے بہ حیثیت زرخرید غلام کے انھیں خرید کیا تھا۔ اور مصریوں کا سلوک غلاموں کے ساتھ ویسا ہی سنگدلانہ تھا جیسی پرانی قومیں کرتی آئی ہیں تاہم انھوں نے تھوڑے ہی دنوں کے اندر اپنی حسن سیرت سے اس کا دل مسخر کر لیا کہ غلامی کی جگہ آقائی کرنے لگے اور اُس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اکرمی مثواہ عسیٰ ان ینفعنا او نتخذہٗ ولداً۔ غور کرو یہ انقلاب حال کیونکر پیدا ہوا۔ وہ کیسی وفاداری۔ دیانت۔ راست بازی۔ اور امانت شعاری ہو گی جس نے ایک مصری امیر کو اس درجہ متاثر کر دیا کہ ایک عبرانی غلام کو اپنے فرزند کی طرح چاہنے لگا۔ اور اپنے تمام گھربار اور علاقہ کا مختار بنا دیا۔

پھر امراۃ العزیز کا واقعہ رونما ہوتا ہے۔ پچھلی آزمائش ذہن ودماغ کی آزمائش تھی لیکن یہ آزمائش جذبات کی آزمائش تھی۔ انسان کے لئے سب سے بڑی آزمائش یہی ہوتی ہے۔ نفس کی چھوٹی سی ترغیب کا معاملہ مشکل ہے۔ حضرت یوسف کی سیرت کی چٹان یہاں بھی متزلزل نہ ہو سکی۔ امراۃ العزیز کی دعوت عیش کے

جواب میں جو کچھ اُن کی زبان سے نکلا وہ کیا تھا۔ معاذ اللہ اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ۔ تیرا شوہر میرا آقا ہے اُس نے مجھ پر اعتماد کیا۔ عزت و احترام کے ساتھ رکھا پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اُس کے حسن سلوک کا بدلہ میں یہ دوں کہ اُس کی امانت میں خیانت کرنے لگوں۔

بد آں بندہ کہ چوں مولیٰ نہ بیند ۔۔۔۔ رود بر مسند مولیٰ نشیند

غور کرو یہ برائی ایسی برائی تھی کہ اُسے بُرائی دکھلانے کے لیے کتنی ہی باتیں کہی جاسکتی تھیں لیکن یوسف کا ذہن اُسی بات کی طرف گیا اور اُسی کو قرآن عظیم نے بھی نمایاں کر کے دکھایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یوسف کی سیرت کا اصلی جوہر یہیں ڈھونڈھنا چاہیئے۔ امانت داری۔ راست بازی اور ادائے فرض کی روح اُن پر اس طرح چھائی ہوئی تھی کہ ہر موقع پر سب سے پہلے وہی سامنے آتی تھی۔

اس کے بعد لائمات کا فتنہ پیش آتا ہے اب صرف ایک امراۃ العزیز ہی کا فتنہ نہ تھا دارالحکومت مصر کے تمام فتنہ گران حسن جمع ہو گئے تھے کہ اُن کی متاع ضبط و تحمل کی غارتگریوں میں حصہ لیں ع

وائے بر صید کہ یک باشد و صیادے چند

مگر یہاں بھی کیا نتیجہ نکلا۔ قلن حاش للہ۔ ماھٰذا بشراً۔ اِنْ ھٰذَآ اِلَّا مَلَکٌ کَرِیْمٌ۔

پھر دیکھو راست بازی اور حق پرستی کی آزمائش نے اچانک کیسی صورت اختیار کر لی دنیا میں انسانوں کو سزائیں اس لئے ملتی ہیں کہ جرم و معصیت سے اپنے کو نہیں روک سکتے۔ لیکن اب حضرت یوسف کے سامنے قید کی سزا اس لئے لائی جا رہی ہے کہ جرم و معصیت سے کیوں اپنے آپ کو روک رہے ہیں۔ لوگوں کو قید و بند کی مصیبتیں اس لئے برداشت کرنی پڑتی ہیں کہ عیش حیات ڈھونڈھتے ہیں اور جب نہیں ملتا تو جبراً لینا چاہتے ہیں لیکن حضرت یوسف کو اس لئے قید خانے کی دھمکی دی جا رہی ہے کہ عیش حیات نے اپنی ساری دلفریبیوں اور رعنائیوں کے ساتھ انھیں دعوت دی اور انھوں نے اُس سے منھ موڑ لیا۔

یہ حضرت یوسفؑ کی سیرت کا سب سے زیادہ عظیم الشان مظاہرہ ہے۔ یہ عشق حق کا نمونہ ہے۔ یہ پرستاری صدق کا دستور العمل ہے یہ ایمان کامل کا معیار ہے۔ جب اُن کے سامنے دو باتیں پیش کی گئیں زندگی کا عیش مگر معصیت حق کی راہ میں یا زندگی کے شدائد مگر راست بازی کی راہ میں تو اُن کا فیصلہ قطعی اور بغیر کسی تامل کے یہ تھا کہ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ۔ قید خانہ مجھے محبوب ہے مگر وہ بات نہیں جس کی طرف مجھے دعوت دی جا رہی ہے۔

پھر دیکھو! حضرت یوسف کی یہی سیرت ہے جو قید خانے کی تنگ و تاریک کوٹھری کو بھی روشن

کر دیتی ہے۔ قید خانے کی زندگی میں داعیہ حق کی خواہش اُن کے قلب میں اٹھتی ہے اس وقت تک انھوں نے مصر میں حق کی تبلیغ نہیں کی تھی دو نئے قیدیوں کو تعلیم حق سے آشنا کرتے ہیں۔ ان کی توجہ اور رجوع سے فائدہ اٹھا کر ایک دوسراہی بیان شروع کر دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قید خانے کی زندگی بھی ادائے فرض سے مانع نہ ہوئی۔ اس بات کی فکر نہ تھی کہ رہائی کیونکر حاصل ہو بلکہ فکر اس کی تھی کہ خدا کے بندے جہل وگمراہی سے کیونکر نجات پائیں۔ ہدایت پانا ہر انسان کا قدرتی حق ہے زندہ رہنے والا اور مرنے والا دونوں کو فوراً حق ملنا چاہیئے۔

معاملہ یہیں ختم نہیں ہوتا بلکہ ساقیوں کے سردار کو تاکید ہوتی ہے اُذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ یعنی آقا کے پاس جائیو تو مجھے اس تعلیم سے یاد رکھیو اور بعنوان مناسب تذکرہ کر دیجیو ممکن ہے کہ پیام حق کام کر جائے۔ تعبیر دینے قصداً تاخیر اس لیئے کی کہ اُن کی احتیاج کی وجہ سے اُن کی توجہ ان کی طرف ہے۔

جب بادشاہ مصر خواب دیکھتا ہے اور سردار ساقی یہ معاملہ انھیں آکر سناتا ہے تو دنیا کا ہر انسان ایسے موقع پر کیا کرتا؟ یقیناً اُسے تائید غیبی سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھاتا اور کہتا کہ میں یہ مشکل حل کیئے دیتا ہوں بشرطیکہ یہاں سے نکلنے اور بادشاہ کے روبرو حاضر ہونے کا موقع دیا جائے۔ مگر حضرت یوسف کی جانب سے ایسی کوئی خواہش ظاہر نہیں ہوئی۔ انھوں نے خواب سنتے ہی تعبیر بیان کر دی یہی نہیں بلکہ تعبیر کے ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ آنے والی ہولناک مصیبت سے بچنے کی سبیل کیوں کر ہو سکتی ہے سوال بادشاہ کی طرف سے تھا مگر قیدخانے کی کوٹھری میں بیٹھا ہوا انسان بادشاہوں سے زیادہ فیاض تھا۔

حضرت یوسف نے ایسا کیوں کیا؟ اس لیئے کہ دنیا نے اُن کے ساتھ کچھ بھی کیا ہو وہ دنیا کی خدمت وہدایت کے سوا اور کوئی شئے اپنے سامنے نہیں رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنے علم وبصیرت سے انسانوں کی رہبری کی۔

جب بادشاہ ملاقات کا مشتاق ہوا پیامبر بھیجا تو چاہیئے تھا کہ جوش مسرت سے اُس پیام کا استقبال کرتے کیونکہ اب خود بخود رہائی سامنے آگئی تھی مگر حضرت یوسف کی نگاہوں میں معاملے نے دوسری ہی شکل اختیار کر لی تھی۔ انھوں نے قید خانہ چھوڑنے اور بادشاہ سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا اور کہلا بھیجا کہ پہلے میرے معاملہ کی تحقیقات کرلی جائے۔ یہاں پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دنیا کا ہر مظلوم قیدی ایسی حالت میں کیا کرتا اور اُس پیکر صدق وصفا نے کیا کیا۔ انھوں نے زبان حال سے کہہ دیا کہ ایسی رہائی کیا خوشی لا سکتی ہے جو محض عطیہ اور بخشش ہو یہ تو احسان ہوا۔ حق وانصاف کا فیصلہ نہ ہوا۔ نہیں میں رہائی بطور احسان کے قبول نہیں کر سکتا۔ اگر میں مجرم ہوں تو سزا کا سزاوار ہوں ورنہ میری

بے گناہی کا اعتراف ہونا چاہیئے عزت نفس اور استقامت حق کا کیسا بلند مقام ہے۔ اخلاقی سیرت کی کیسی عجیب مضبوطی ہے۔

اُس کے بعد یوسف کے بھائی اُن کے سامنے آکر کھڑے ہوتے ہیں۔ کون بھائی؟ جنھوں نے قتل کا سامان کیا۔ غلام بنا کر اجنبیوں کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ اور کس کے سامنے کھڑے ہیں۔ وقت کی سب سے بڑی مملکت کا مالک۔ قحط سالی کی سب سے بڑی مصیبت میں زندگی بخشنے والا نفس انسانی کے لئے ولولۂ انتقام کی کیسی صبر آزما آزمائش۔ لیکن یوسف کا طرز عمل اول سے آخر تک کیسا رہتا ہے۔ کوئی بات نہیں دکھائی دیتی کہ بغض و انتقام کی ہلکی سی پرچھائیں بھی پڑ رہی ہو۔ تیسری مرتبہ جب بھائی آئے اور مصیبتوں کی داستاں سنائی تو جوش محبت سے بیقرار ہو گئے صرف یہی کہا کہ وہ بات بھی یاد ہے کہ تم نے یوسف اور اُس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا؟ ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ وہ نادانیوں کا زمانہ تھا تاکہ شرمندگی کا بوجھ محسوس نہ کریں جب بھائیوں نے ندامت سے سر جھکا لیا تو بلا تامل جواب دیا کہ لاتثریب الیوم۔ اور پھر کہا کہ شیطان نے مجھ میں اور بھائیوں میں اختلاف ڈلوا دیا تھا۔ اُس کو محض ایک طرح کے اختلاف سے تعبیر کیا۔ یہ عفو و بخشش کا کیسا بلند ترین مقام ہے۔ ہمت کا کیسا علو ہے۔ ظرف کی کیسی پہنائی ہے اور خُلق کی کیا عظمت ہے۔ جو دشمنی کرنے والوں کے ساتھ ایسا سلوک کر سکتا ہے اس کی سیرت و فضیلت میں کونسی کمی رہ جاتی ہے۔ مظلومی اور بیچارگی کی حالت میں صبر کر لینا بلاشبہ ایک بڑائی ہے لیکن طاقت اور اختیار کی حالت میں بدلہ نہ لینا اور بخش دینا سب سے بڑی بڑائی ہے۔ اس سیرت کی عظمت میں دونوں مقام جمع ہو گئے۔ جب بیچارگی تھی تو اُف تک نہ کیا۔ جب طاقت ملی تو انتقام کا وہم و گمان بھی نہ گذرا۔ بلاشبہ یہ اُس زندگی کا سب سے بڑا اسوۂ حسنہ ہے۔

سب سے آخر اُن کی دعا میں سیرت کے خط و خال دیکھ لئے جا سکتے ہیں۔ ساری کامرانیوں کا ماحصل یہی ہے کہ اطاعت حق پر خاتمہ ہو۔ اور الحاق صالح بندوں کے ساتھ ہو۔

حضرت یوسف کے حالات میں تاویل الاحادیث کا ذکر آیا ہے جس کے معنی ہیں مآل بوجھنے کا علم یعنی انسان میں علم و بصیرت کی ایسی قوت کا پیدا ہو جانا کہ ہر بات کا مطلب و مآل سے شناسا ہو جائے معاملات کی تہ کو پہنچ جائے۔ اور سارے معاملات کی کل ٹھیک بٹھا لینا۔ مصری تمدن میں ایک بدوی کا کامیاب نظم و نسق چلانا اس امر کی دلیل ہے کہ اُن کو مآل پالینے کا علم آتا تھا جس کے لئے تعلیم کی ساری کاوشیں تربیت ذہنی کی ساری محنتیں۔ تجربہ و اختیار کی ساری کوششیں ہوتی ہیں۔

عزیز مصر کا اپنی بیوی کے ساتھ معاملہ اس عہد کے مصری تمدن و معاشرت اور اُن کے اخلاقی احساسات کا نقشہ ہے۔ اُس وقت سوسائٹی کا وہی حال تھا جو ایک ہزار برس بعد رومۃ الکبریٰ میں ہمیں دکھائی دیتا

ہے۔ مصر کی یہ حالت امراۃ العزیز سے لیکر کلیو پٹرا تک تمدن نسوانی میں حسن و جمال کی رعنائیوں میں اور ازدواجی زندگی کے بے باکیوں اور مطلق العنانیوں میں ویسی ہی شہرۂ آفاق رہی۔

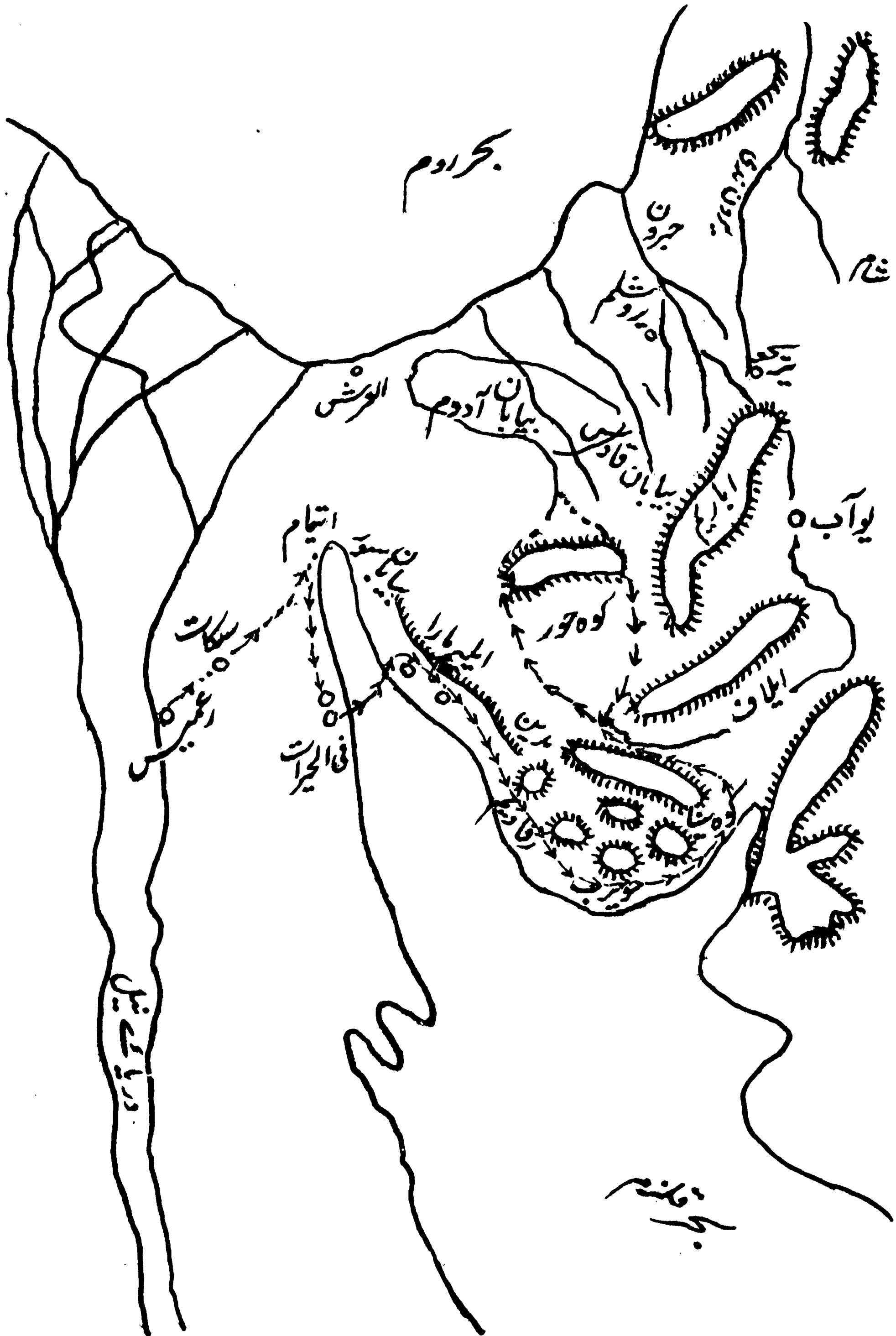
حضرت یوسف نے ایک سو دس سال کی عمر میں وفات پائی۔

(۱۲) حضرت ایوب کے متعلق زیادہ واقعات نہیں ملتے۔ ابن جریر حضرت ایوب کو حضرت اسحاق کے بیٹے کا پوتا قرار دیتے ہیں۔ ابن عساکر کہتے ہیں کہ اُن کی ماں لوط کی بیٹی تھیں۔ ایک اور قول ہے کہ وہ سلیمان کے بعد ہوئے۔ بائیبل کے لحاظ سے وہ فلسطین کے مشرق کے رہنے والے تھے۔ ایک بڑے سردار کی حیثیت رکھتے تھے اور بہت سی مال و دولت کے مالک تھے۔ کسی سفر میں وہ اپنے اہل و عیال و ساتھیوں سے جُدا ہو گئے۔ اُن کو بہت تکالیف اٹھانی پڑیں جن پر اُنھوں نے صبر کیا۔ کہا گیا ہے کہ حضرت ایوب کی سب اولاد مرگئی اور وہ پھر سب زندہ ہو گئی مگر قرآن شریف میں اُس کا ذکر نہیں ہے۔ ان کی جسمانی تکالیف ایک چشمہ پر نہانے سے دور ہو گئیں مگر شیطان نے اُن کی بیوی سے کہا کہ میں طبیب ہوں اگر ایوب اچھے ہو گئے تو تم مشہور کرنا کہ میں نے شفا دی ہے۔ ایوب نے اس پر قسم کھائی کہ وہ بیوی کو سو کوڑے ماریں گے مگر خدا نے حکم دیا کہ سو کاڑیوں کی جھاڑو مار کر اپنی قسم پوری کریں۔

(۱۳) حضرت شعیب حضرت ابراہیم کی بیوی قتورہ اور بیٹے مدین کی نسل میں سے پانچویں پشت میں ہیں۔ یہ شہر مدین میں رہتے تھے اللہ تعالیٰ نے اُن کو اہل مدین کی طرف نبی بنا کر بھیجا۔ یہی لوگ اصحاب ایکہ کہلاتے ہیں۔ ایکہ گھنے درختوں کو کہتے ہیں۔ یہ لوگ وسیع الرزق تھے۔ مگر باوجود اس کے اللہ تعالیٰ سے کفر کرتے اور مخلوق کو ناپ اور وزن میں دھوکے سے کم دیتے۔ ملک میں فساد پھیلا رکھا تھا۔ حضرت شعیب کی نصیحتوں کا اُن پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ اپنی ضلالت میں بڑھتے ہی چلے گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر یوم الظُلّہ کا عذاب بھیجا۔ بدلی آئی اور وہ سائبان کی طرح چھا گئی اُس میں سے بجلی گری اور وہ تباہ ہو گئے۔ تباہی کے بعد حضرت شعیب نابینا ہو گئے۔ اُن کی دو لڑکیاں تھیں حضرت موسیٰ جب مدین جا کر پناہ گزیں ہوئے تو حضرت شعیب نے اُن کا قصہ سن کر اُن کو اپنے پاس رکھ لیا اور اپنی بیٹی صفورہ سے عقد کر دیا۔ دس سال کے بعد حضرت موسیٰ مدین سے مع اپنی بیوی کے چلے گئے۔

۱۴۔ حضرت موسیٰ

حضرت موسیٰ مصر میں عمران کے گھر میں جو قہات کا بیٹا تھا اور حضرت یعقوب کے بیٹے لاوی کی اولاد سے تھا۔ پیدا ہوئے۔ ان کا زمانہ مسیح علیہ السلام سے ۱۵۷۱ برس پیشتر منوچہر شاہ ایران کے دور حکومت میں تھا۔ اُس زمانے میں فرعون [illegible] بنی اسرائیل پر سختیاں کر رہی تھیں۔ لڑکوں کو قتل کرتا تھا۔ لڑکی زندہ رہنے دیتا۔ کیونکہ وہ بنی اسرائیل کی کثرت سے خوف کرتا تھا اس لئے



بحر روم
شام
حبرون
یروشلم
الورشس
بیابان آدوم
بیابان قادس
یوآب
کوہ حور
مدین
ایلاف
سکات
رعمسیس
فی الحیرات
اتیام
کوہ سینا
دریائے نیل
بحر قلزم

اُن کو مٹانا چاہتا تھا۔ یہ لوگ اپنی مصیبت پر آسمان کی طرف منہ اُٹھا کر آہ وزاری کرتے اور درد سے روتے تھے مگر اُس ظالم کو رحم نہ آتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کو رحم آیا۔ اُس نے حضرت موسیٰ کو پیدا کیا۔ اُن کی والدہ نے کئی روز اُن کو چھپایا مگر جب دیکھا کہ راز فاش ہوا جاتا ہے تو بہ الہام الٰہی یہ تدبیر سوجھی کہ ایک صندوق میں ڈال کر دریائے نیل میں چھوڑ دیا اور اپنی بیٹی سے کہا کہ اس صندوق کو دیکھتی ہوئی کنارے کنارے انجان چل۔ صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس آیا فرعون کی بیوی آسیہ نے جو بڑی خدا ترس اور پاکباز عورت تھی اُس کو دیکھ کر نکالا۔ بچہ دیکھ کر اُس پر ترس کھایا۔ فرعون کی بیٹی نے کہا اُس کو بیٹا بنا لو۔ فرعون نے دیکھ کر شبہ کیا کہ غالباً کنعانی لڑکا ہے اور قتل کرنا چاہا مگر اُس کی بیوی مانع ہوئی اور اُس کو پال لیا۔ انّا کی تلاش ہوئی مگر جو انّا آتی حضرت موسیٰ اُس کا دودھ نہ پیتے۔ موسیٰ کی بہن نے جو فرعون کی بیوی کے پاس آتی جاتی تھی کہا کہ میں تم کو ایسی انّا کا پتہ دیتی ہوں جو خیر خواہی سے اس بچے کو پالے گی۔ اس طرح حضرت موسیٰ پھر اپنی ماں کے پاس پہنچ گئے۔ ایک مدت حضرت موسیٰ محل میں پرورش پاتے رہے اور شہزادے کہلاتے رہے جب جوان ہوئے تو فرعون کی زیادتیاں اور اپنی قوم کی پریشانی دیکھ کر مغموم رہتے تھے۔ ایک دن بازار میں ایک قبطی ایک اسرائیلی کو بیگار میں پکڑ رہا تھا۔ اسرائیلی نے فریاد کی تو موسیٰ نے قبطی کو منع کیا جب وہ نہ مانا تو اُس کو ایک مکا مارا جس سے وہ گر کر مر گیا۔ موسیٰ اور اس اسرائیلی نے اس کو ریتی میں دبا دیا۔ واپسی پر حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے بہت استغفار کی اور آیندہ ظلم نہ کرنے کا حتمی وعدہ کیا۔ دوسرے روز جب بازار گئے تو اسی اسرائیلی کو پھر کسی قبطی سے لڑتا پایا۔ اور اسرائیلی نے موسیٰ سے مدد چاہی موسیٰ خفا ہوئے کہ تو شریر ہے مگر قبطی کو ہٹانے ہاتھ بڑھایا تو اسرائیلی سمجھا کہ اُسے مارتے ہیں۔ چیخا کہ جس طرح کل ایک شخص کو مار ڈالا اسی طرح آج مجھے مارتے ہو۔ اس طرح راز فاش ہوا۔ فرعون کو خبر ہوئی۔ وہ پہلے ہی سے موسیٰ سے بدگمان تھا۔ اب طیش میں آکر قتل کا حکم دیدیا۔ کسی نے موسیٰ کو بھی اس راز سے مطلع کر دیا۔ موسیٰ بھاگے اور مشرق کا راستہ لیا۔ مدین پہونچ کر بھوکے پیاسے ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے تھے کہ میں تیرا فقیر ہوں مجھے کچھ عطا کر۔ وہاں ایک کنواں تھا۔ دیکھا کہ چرواہے چرس کھینچ کر اپنی بکریوں کو پانی پلاتے ہیں۔ وہاں دو لڑکیاں بھی اپنی بکریاں لئے کھڑی تھیں اُن سے پوچھا تو وہ بولیں کہ ہمارے والد بوڑھے ہیں۔ ہم سے چرس کھینچ نہیں سکتا جب چرواہے اپنی بکریاں پلا لیتے ہیں اُن کا بچا کھچا پانی ہم اپنی بکریوں کو پلا دیتے ہیں حضرت موسیٰ طاقت ور نوجوان تھے۔ تنہا اُس چرس کو کھینچ کر بکریاں سیراب کر دیں اور پھر درخت کے نیچے آبیٹھے لڑکیوں نے یہ ماجرا اپنے باپ حضرت شعیب (جن کو تیرو بھی کہتے ہیں) سے کہا۔ حضرت شعیب نے موسیٰ کو بلا بھیجا اور اُن سے پورا قصہ سنکر اُن کو ڈھارس دی۔ لڑکیوں میں سے ایک نے مشورہ دیا کہ اباجان آپ اُن کو نوکر رکھ لیں حضرت

شعیب نے موسیٰ کے سامنے یہ شرط رکھی کہ میں تمہارا عقد ان لڑکیوں میں ایک سے کر دیتا ہوں اگر آپ آٹھ سال تک میری بکریاں چرائیں اگر دس سال کی مدت پوری کر دیں تو مہربانی ۔حضرت موسیٰ نے منظور کیا کہ جو مدت میں چاہوں پوری کر دونگا۔ اللہ کو اپنا گواہ بنایا ۔غرض حضرت موسیٰ کا نکاح صفورا سے ہوگیا اور مدت مقررہ تک بکریاں چراتے رہے ۔اس عرصے میں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام جیرسوم تھا ۔ایک بار موسیٰ کو وطن کا خیال آیا ۔بیوی اور بیٹے کو لے کر چلے ۔سردی کا موسم تھا۔ راستے میں سردی معلوم ہوئی حضرت موسیٰ نے کوہ طور کی طرف آگ کا شعلہ دیکھا ۔آگ یا خبر لانے گئے تو وہ اللہ تعالیٰ کی تجلی تھی ۔آواز آئی کہ جو آگ کے پاس اور اندر ہے وہ مبارک ہے اے موسیٰ میں رب العالمین ہوں ۔جوتا اتار دے ۔ اُس کے بعد ارشاد ہوا کہ موسیٰ ہم نے بنی اسرائیل کی آواز دردناک سنی اور اُن پر رحم آیا ۔تو فرعون سے جا کر کہہ اُن کو اُن کے ملک میں جانے دے ۔موسیٰ نے کہا کہ الٰہی وہ میری بات کب مانے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے ۔کہا عصا ۔فرمایا اس کو زمین پر ڈال دے ۔ وہ سانپ ہوگیا ۔موسیٰ ڈر کے بھاگے ۔فرمایا ڈرو نہیں اور اُس کو پکڑ لو وہ پھر عصا بن گیا ۔پھر فرمایا اپنا ہاتھ کرتے کی گریباں میں ڈال کر باہر لا وہ باہر لائے تو نہایت سفید اور روشن ہو کر چمکنے لگا ۔کہا پھر گریباں میں ڈال کر دوبارہ نکال ۔ نکالا تو اصلی حالت پر تھا ۔ فرمایا میں نے تم کو یہ دو معجزے دیے ۔حضرت موسیٰ نے کہا میں نے ایک قبطی کو مار ڈالا ہے کہیں مجھے قصاص میں نہ پکڑ لیں دوم میری زبان میں لکنت ہے ۔میرے ساتھ میرے بھائی کو بھی مقرر کر دیجئے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تیرے بھائی کو تیرا قوت بازو بنائیں گے اور تم کو غلبہ دینگے ۔

موسیٰ چلے تو راستے میں اُن کے بھائی ہارون ملے ۔اُس کے بعد بنی اسرائیل کو دونوں معجزے دکھائے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام سُنایا ۔سب سُن کر سجدے میں گر پڑے ۔حضرت موسیٰ اور ہارون کوشش کر کے فرعون کے پاس پہونچے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہونچایا ۔فرعون نے کہا خداوند عالم کون ہے میں اس کو نہیں جانتا ۔موسیٰ نے کہا وہ ہے جس نے آسمان و زمین اور ہر چیز پیدا کیا ۔فرعون نے مذاق اڑایا اور ہامان سے کہا کہ ایک برج بنا میں اُس پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کو دیکھنا چاہتا ہوں مگر میں تو سہرے سے موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں ۔ موسیٰ نے کہا اگر میں کوئی معجزہ دکھاؤں تب تو آپ تصدیق کرینگے ۔اُس نے پوچھا وہ کیا ہے ۔موسیٰ نے عصا کو ڈال دیا ۔ وہ اژدہا بن کر فرعون کی طرف لپکا ۔فرعون اور اراکین پریشان ہو کر بھاگنے لگے ۔موسیٰ نے اس کو پکڑ لیا وہ پھر عصا ہوگیا ۔فرعون اور اس کے مصاحب پھر بدستور بیٹھے ۔ تو حضرت نے ید بیضا دکھایا ۔یہ دیکھ کر فرعون نے اپنے امیروں سے مخاطب ہو کر کہا کہ یہ بڑا جادوگر ہے اس حیلے سے چاہتا ہے کہ تم کو اس ملک سے باہر کر دے ۔ تمہاری کیا صلاح ہے ۔انھوں نے کہا کہ اپنے

ملک کے بڑے بڑے جادوگروں کو جمع کیجئے اور ایک روز مقابلہ کرا دیجئے۔ فرعون نے مشتہر کر کے جادوگروں کو بلایا۔ اور ایک دن مقرر ہوا۔ تماشائی بھی جمع ہوئے۔ جادوگروں نے فرعون سے کہا کہ اگر ہم غالب آئے تو آپ کیا انعام دینگے۔ اُس نے کہا تم کو مقرب بناؤں گا۔ پھر جادوگر حضرت موسیٰ سے مخاطب ہو کر کرشمہ دکھلانے کہا۔ موسیٰ نے کہا پہلے تم ہی کچھ دکھاؤ تو جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں فرعون کا نام لے کر زمین پر ڈال دیں ہر طرف سانپ ہی سانپ دکھائی دینے لگے حضرت موسیٰ جھجکے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ پر وحی کی کہ اپنا عصا ڈال۔ وہ ڈالتے ہی اژدہا بن گیا اور اُن کے سانپوں کو لقمہ کر گیا۔ تمام تماشائی اور فرعون ڈر کے مارے بھاگے۔ ایک غل مچ گیا۔ موسیٰ نے اُس کو پکڑ لیا وہ پھر عصا ہو گیا جادوگروں نے جب یہ دیکھا کہ یہ کام جادو کی طاقت سے باہر ہے تو وہ سجدہ میں گر گئے اور کہنے لگے کہ ہم رب موسیٰ اور ہارون پر ایمان لائے۔ فرعون کو اس معاملے میں بڑی خجالت ہوئی۔ اور عوام کے معتقد ہونے کا بھی اندیشہ ہوا۔ غصہ میں آ کر جادوگروں سے کہا کہ تم میری اجازت سے بیشتر کیوں ایمان لائے۔ بے شک یہ تمہارا استاد ہے۔ تم نے باہم اتفاق کر کے یہ مکر پھیلایا ہے تاکہ یہاں کے باشندوں کو باہر نکال دو۔ میں تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ کر تم کو لٹکاؤں گا۔ جادوگروں نے کہا ہم کو اس کی پروا نہیں فرعون نے اُن ایمانداروں کو بڑی تکلیف دیکر مارا مگر وہ ثابت قدم رہے۔ اس کے بعد فرعون غصہ میں آ کر بنی اسرائیل کو زیادہ تکلیفیں دینا شروع کر دیا۔ بنی اسرائیل نے موسیٰ سے شکایت کی کہ آپ کے آنے سے ہم تو اور مصیبت میں پڑ گئے۔ موسیٰ نے صبر کی تلقین کی۔ اور فرمایا کہ خدا تم کو عنقریب وہ سرزمین عطا کرے گا جس میں برکت ہے اور طرح طرح کے میوے ہیں۔ موسیٰ نے پھر فرعون سے کہا کہ بنی اسرائیل کو چلے جانے دے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ مصر کے پانی کو خون کر دے گا۔ اور تیری رعیت بڑی تکلیف پائے گی۔ اُس نے نہ مانا تو موسیٰ نے ہارون سے فرمایا کہ دریائے نیل پر اور ہر نہر اور تالاب پر عصا مار۔ انھوں نے مارا تو وہ سب پانی خون ہو گیا۔ اور دریا کی مچھلیاں مر گئیں۔ سات روز تک یہی تکلیف رہی۔ مگر اُس سنگدل پر اثر نہ ہوا۔ پھر خدا نے مینڈکوں کی مصیبت بھیجی ہر جگہ مینڈک ہی مینڈک دکھائی دیتے تھے فرعون نے پریشان ہو کر حضرت موسیٰ کو بلایا اور وعدہ کیا کہ اگر یہ مصیبت ٹل گئی تو میں ضرور بنی اسرائیل کو جانے دوں گا۔ اور خدا پر ایمان لاؤں گا۔ موسیٰ نے دعا کی وہ مینڈک مر گئے۔ جب فرعون کو اطمینان ہوا تو وہ پھر برگشتہ ہو گیا۔ پھر جوؤں کی مصیبت آئی سب لوگ عاجز ہو گئے مگر فرعون نہ مانا۔ موسیٰ نے کہا کہ اب تم پر مچھروں کا عذاب مسلط ہو گا اور سوائے زمین جشن کے جہاں بنی اسرائیل رہتے تھے سب جگہ مچھر ابل پڑے۔ سب چیخ اٹھے۔ فرعون نے وعدہ کیا حضرت کی دعا سے مصیبت ٹلی مگر فرعون پھر مُکر گیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مویشیوں پر موت بھیجی۔ اُس کے بعد راکھ اُڑانے سے تمام آدمیوں اور جانوروں کے جسم پر پھوڑے پھنسیاں کثرت سے ہوگئیں اُس کے بعد بڑے بڑے اولے آسمان سے برسے۔ فرعون گڑگڑایا مگر مصیبت ہٹتے ہی سرکش ہوگیا۔ اب تو دوسرے سرداروں نے بھی فرعون کو سمجھایا کہ بنی اسرائیل کو رخصت کر دو۔ ایک دیندار نے یہ بھی کہا کہ مجھے اس قوم کی بربادی دکھائی دے رہی ہے جس طرح عاد اور ثمود تباہ ہوئے۔ فرعون کی بیوی نے آخر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے فرعون سے نجات ملے۔

آخرش فرعون اس بات پر راضی ہوا کہ مرد لوگ باہر جاکر قربانی کریں عورتوں اور اسباب کو چھوڑ جائیں۔ حضرت موسیٰ اس پر راضی نہ ہوئے۔ تو اس نے موسیٰ کو دھکے دیکر نکال دیا۔ اس کے بعد ایک دن رات آندھی آئی اور پھر ٹڈیاں آئیں۔ جنھوں نے سب کچھ ڈھانک لیا اور کسی درخت پر پتّہ تک نہ چھوڑا۔ فرعون نے عاجز ہوکر دعا کرائی۔ مگر مصیبت رفع ہوتے ہی سرکشی کی۔ تو پھر تین روز تک سخت اندھیرا رہا۔ فرعون نے حضرت موسیٰ کو بلا کر کہا کہ بنی اسرائیل بیوی بچے لیکر جائیں مگر مویشی چھوڑ جائیں۔ حضرت موسیٰ نہ مانے تو فرعون نے خفا ہوکر کہا کہ میرے سامنے سے چلا جا اور پھر منہ نہ دکھانا ورنہ مارا جائے گا۔ موسیٰ نے کہا بہتر اب منھ نہ دکھاؤں گا۔

پھر موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تاکہ اللہ تعالیٰ فرعون کے اُس سامان زینت کو تباہ کرے جس سے وہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ عرض کیا کہ اے اللہ ان پر عذاب الیم بھیج اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہاری دعا قبول ہوئی۔ تم اس مہینے کی دس تاریخ کو اپنے گھروں کو قبلہ بناؤ ایک بکرا بے عیب چودھویں تک رکھ چھوڑنا۔ شام کو اس کو بھون کر کھا جانا۔ اور بکرے کے خون سے اپنے دروازوں پر نشان کر دینا۔ ہر ایک عورت اپنے ہمسایہ سے چاندی اور سونے کے برتن اور زیور عاریتاً لے لے۔ غرض ایسا کیا گیا۔ رات کو فرشتہ موت آیا اور جس گھر پر خون کا نشان نہ تھا۔ اُس گھر کا پہلوٹا لڑکا مرگیا۔ پورے شہر میں کہرام مچ گیا۔ فرعون نے موسیٰ کو رات ہی کو بلایا۔ اور کہا تمام بنی اسرائیل فوراً چلے جائیں۔

اُس وقت یوسفؑ کی ہڈیوں کو بھی ساتھ لیا کیونکہ یہ اُن کی وصیت تھی اور روانہ ہوئے۔ اُس وقت حضرت موسیٰ کی عمر اسی برس اور ہارون کی عمر ۸۳ برس کی تھی۔ یہ لوگ کئی لاکھ کی تعداد میں تھے۔ پہلی منزل سکات۔ دوسری ایتام۔ وہاں سے فی الحیرات میں قیام کیا۔ جب شاہ مصر کو خبر ہوئی کہ بنی اسرائیل بھاگ گئے تو اُس نے اپنی چھ سو گاڑیاں جوتیں۔ لشکر پیادہ اور سوار لیکر تعاقب کیا۔ اور اُن کو جا لیا۔ جب بنی اسرائیل نے فرعون کا لشکر دیکھا تو بڑے ہراساں ہوئے۔ موسیٰ سے کہا کہ مصر میں قبروں کی جگہ نہ تھی جو یہاں مرنے کے لیے لایا۔ موسیٰ نے دلاسا دیا اور دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے ایک بدلی بھیجی جس سے اندھیری

ہو گئی اور حکم ہوا کہ عصا کو بحر قلزم پر مارے جس سے دو حصے ہو گئے۔ بنی اسرائیل قلزم سے پار ہو گئے فرعون کے لشکر نے پیچھا کیا۔ جب بین درمیان میں آئے تو موسیٰ نے پھر عصا مارا اور قلزم اصلی حالت پر آ گیا۔ پانی نے سب کو چھپا لیا۔ سب ڈوب مرے۔ ڈوبتے ہوئے فرعون نے کہا کہ میں خدائے بنی اسرائیل پر ایمان لایا۔ فرعون اور اس کے لشکر کی لاشیں بنی اسرائیل نے کنارے پر دیکھیں۔

قلزم عبور کر کے تین روز سور کے میدان میں چلے۔ پانی نہ ملا۔ مارہ میں آئے تو وہاں کا پانی تلخ تھا۔ ایک پتہ ڈال کر پانی کا مزہ شیریں کیا ایک قوم کو بت پرستی کرتے دیکھ کر بنی اسرائیل نے فرمائش کی کہ ایسے معبود ہمارے لئے بھی بنا۔ موسیٰ نے خفا ہو کر کہا کہ تم نادان ہو۔ کوچ کر کے ایلیم میں آئے۔ وہاں سے خروج کے دوسرے مہینے کی پندرہ تاریخ کو سین کے بیابان میں آئے تو بھوک سے بے چین ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے من وسلویٰ بھیجا (من = شیریں اوس کے لڈو سلویٰ = بھنی بٹیریں)۔ ہر روز صبح یہ غذا مل جاتی۔ مگر سبت کے روز جمع کرنے کی ممانعت تھی بنی اسرائیل نے اس کی نافرمانی کی۔ وہاں سے کوچ کر کے رفیدیم میں ڈیرا کیا۔ وہاں پانی نہ تھا۔ حضرت موسیٰ نے حوریب پہاڑ کی ایک چٹان پر عصا مارا۔ بارہ چشمے نکلے۔ یہاں قوم عمالیق چڑھ آئی۔ حضرت موسیٰ نے یوشع بن نون کو مقابلہ کے لئے بھیجا۔ اور بہ مشکل فتح پائی۔ جب حضرت شعیب کو اطلاع ملی تو وہ حضرت موسیٰ کی بیوی صفورا اور جیرسوم اور الیعذر کو ساتھ لے کر موسیٰ کے پاس آئے چند روز رہ کر واپس چلے گئے۔

خروج کے تیسرے مہینے بنی اسرائیل سینا کے بیابان میں آئے جہاں پر کوہ طور ہے۔ پہاڑ کے آگے خیمے کھڑے کئے گئے اور موسیٰ کوہ طور پر بلائے گئے۔ وہاں خدا نے ان سے کلام کیا کہ بنی اسرائیل کو کہنا کہ تم کو ظالم کے پنجے سے میں نے نجات دی۔ اگر تم میرا حکم مانو گے تو میں تمہیں برکتیں دوں گا۔ موسیٰ نے آکر کہا تو انھوں نے کہا کہ ہم جب تک خدا کو عیاناً نہ دیکھیں گے ایمان نہ لائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے تین روز کے بعد تجلی کا وعدہ کیا۔ اس روز اس زور کی کڑک ہوئی اور کالی گھٹا اٹھی کہ سینکڑوں دم فنا ہو گئے جلال الٰہی شعلہ کی صورت میں نمودار ہوا۔ لوگوں نے ڈر کر عاجزی کی اور احکام کو بجا لانے کا وعدہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل کیا۔ پھر موسیٰ کو دس احکام دیے گئے اور ستر آدمی کو بلا کر تجلی الٰہی سے فیض یاب کیا گیا پھر چلہ کا حکم ہوا تاکہ تورات عنایت ہو۔ موسیٰ نے دیدار کا مطالبہ کیا تو پہاڑ پر تجلی ہوئی اور وہ چورا چورا ہو گیا۔ موسیٰ بے ہوش ہو کر گرے جب ہوش آیا تو توبہ کی اور الواح لے کر واپس ہوئے۔ اس عرصے میں سامری نے بچھڑا بنا کر بنی اسرائیل سے اس کی پرستش کرائی۔ موسیٰ اپنے بھائی ہارون پر جن کو نائب بنا کر گئے تھے خفا ہوئے مگر ہارون نے یہ عذر کیا کہ اگر میں کچھ کہتا تو یہ لوگ مجھے مار ڈالتے۔ حضرت موسیٰ اس بچھڑے کو جلا کر اس کی

راکھ دریا میں پھنکوادی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن پر یہ عذاب آیا کہ باہم قتل کرنے لگے۔ اُس کے بعد وبا آئی جس سے صدہا مر گئے۔ حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کی حالت پر ترس کھا کر اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست کی۔ دوسرے سال کے اول مہینے میں وہاں سے کوچ کیا۔ دوسرے مہینے کی بیسویں کو دشت فاران میں قیام کیا۔ وہاں بنی اسرائیل نے کہا کہ من وسلویٰ پر صبر نہیں ہو سکتا۔ پیاز اور لہسن چاہیے۔ تو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ شہر میں جاؤ وہاں یہ سب ملے گا۔ دشت فاران سے موسیٰ نے بارہ جاسوس روانہ کئے ان میں کالب اور یوشع بھی تھے تاکہ کنعان جا کر احوال دریافت کریں۔ یہ لوگ چالیس روز میں لوٹے تو خبر لائے کہ وہاں کے باشندے بڑے قد آور جنگ جو ہیں۔ اُن سے لڑنا مشکل ہے۔ مگر کالب اور یوشع نے تسلی دی کہ اُن کا اقبال جا چکا ہے۔ جگہ عمدہ ہے۔ خدا پر بھروسہ کروگے تو فتح پاؤ گے مگر بنی اسرائیل نہ مانے اور موسیٰ سے کہا کہ تو اور تیرا خدا جا کر لڑے۔ ہم یہیں ٹھہرے رہیں گے۔ حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کے روبرو کہا کہ میں اور میرا بھائی آپ کی اطاعت کو حاضر ہیں اس فاسق قوم سے مجھ کو کچھ سروکار نہیں۔ تب قہر الٰہی نمودار ہوا اور اُسی بیابان میں سرگرداں چالیس سال پھرتے رہے۔ بیس برس سے اوپر جتنے مرد تھے سوائے کالب اور یوشع کے سب اسی بیابان میں ختم ہو گئے اور کوئی کنعان نہ پہونچا۔ جب نئی نسل تیار ہوئی تو انھوں نے کنعان کا رخ کیا۔

توراۃ میں یہاں دو قصے اور ہیں ایک قارون کا جو حضرت موسیٰ کا چچا زاد بھائی تھا اور جس کے پاس دولت اتنی تھی کہ لوگ اُس پر رشک کرتے تھے اُس نے حضرت موسیٰ کی نافرمانی کی تو وہ مع اپنی دولت کے زمین میں دھنسا دیا گیا۔ دوسرا قصہ ایک گائے کو ذبح کرنے کا ہے۔ ایک قاتل کا پتہ نہ چلتا تھا تو حضرت موسیٰ نے ایک گائے ذبح کر کے اُس کے ٹکڑے سے مقتول کو چھونے کا حکم دیا جس سے قاتل کا پتہ لگ گیا۔

اُس کے بعد بنی اسرائیل نے قادس میں قیام کیا۔ ہارون کی بہن مریم کا وہیں انتقال ہوا۔ چونکہ یہاں پانی نہ ملتا تھا حضرت موسیٰ نے عصا کو چٹان پر مارا جس سے پانی نکلا اور سب سیراب ہوئے۔ پھر موسیٰ نے ادوم کے بادشاہ کے پاس ایلچی بھیجا کہ اس کے ملک سے گذرنے کا راستہ مل جائے مگر اُس نے منظور نہ کیا۔ وہاں سے بنی اسرائیل واپس کوہ طور پر آئے۔ یہاں ہارون کا انتقال ہوا۔ اس کے بعد خروج کے چالیسویں سال بنی اسرائیل ملک ادوم کے کنارے کنارے سفر کرتے ہوئے ملک کنعان کے قریب پہونچے تو وہاں کا بادشاہ عراد جنگ کے لئے آمادہ ہوا اور کچھ بنی اسرائیل کو گرفتار کر کے لے گیا۔ بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ سے عاجزی کی تو پھر کنعانیوں پر غالب آئے اور اُن کی بستیوں کو نابود کر دیا وہاں سے کوچ کرتے کرتے

موآب پہونچے جیبوں کے رہنے والے سیحون بادشاہ سے کہلا بھیجا کہ ہم کو گزر جانے دے مگر اُس نے نہ مانا۔ لڑائی ہوئی بنی اسرائیل نے فتح پائی۔ اُس وقت شام میں طوائف الملکی تھی چھوٹے چھوٹے رئیس تھے بنی اسرائیل یعزیر کو فتح کرتے ہوئے بسن میں پہونچے وہاں بمقام ادراعی جو عوج کا پایہ تخت تھا سخت مقابلہ ہوا۔ انجام کار بنی اسرائیل نے اُس کو مع زن و فرزند قتل کر کے اس کا ملک لے لیا۔ اب بنی اسرائیل پھیلتے چلے نہر یرون کے پاس یریحو (یا اریحا) شہر کے مقابلہ میں قیام کیا۔ وہاں کے بادشاہ بلق بن صفوان کو بڑا خوف ہوا۔ اُس نے بلعم باعور کے پاس جو ایک بابرکت شخص تھا کہلا بھیجا کہ دعا کرے۔ مگر بلعم بہت حیلہ ل کے بعد آیا تو بد دعا کرنے سے انکار کیا مگر ایک رائے سلجھائی کہ موابی عورتوں سے زنا کرائے۔ اس سے بنی اسرائیل میں وبا آئی اور چوبیس ہزار آدمی مر گئے۔ ہارون کے پوتے فنیحاس نے فاحشہ عورت اور اُس بنی اسرائیل کو اُس کے ڈیرے ہی میں قتل کر ڈالا جس سے وبا دور ہوئی۔ موسیٰ کو حکم ہوا کہ تمہاری وفات کے دن قریب آ گئے ہیں تم اباریم کی پہاڑی پر چڑھو تو تم کو وہ ملک دکھلا دیا جاتا ہے جو بنی اسرائیل کو ملے گا۔ تب موسیٰ نے یوشع بن نون کو قائم مقام کیا اور الیعذر کو امام کیا۔ اور نصیحت وصیت کر کے مقام کی چوٹی پر چڑھے۔ یرون کے پرے حصہ کی زمین دکھائی گئی جو بنی اسرائیل کو ملنے والی تھی۔ وہیں حضرت موسیٰ جاں بحق تسلیم ہوئے۔ ان کی عمر ایک سو بیس برس کی تھی بنی اسرائیل تیس دن تک موآب کے میدانوں میں روتے رہے۔ حضرت موسیٰ کی زندگی میں یرون پار کا ملک فتح نہ ہوا تھا۔ یرون شام میں ایک دریا ہے۔

۱۵۔ حضرت یوشع بن نون

حضرت یوشع نے آمادہ کیا کہ شہر یریحو پر بنی اسرائیل حملہ کریں۔ اُس زمانہ میں یردن پر پل نہ تھا۔ یوشع کے معجزہ سے یرون کو دو ٹکڑے کر کے پار کیا گیا اور یریحو پر حملہ ہوا تمام ملک فتح کر کے تقسیم کر دیا گیا۔ اور نابلس کے پاس حضرت یوسف کی ہڈیوں کو دفنا دیا یہیں پر حضرت یوسف کو بیچا گیا تھا۔ سنہ ۲۸ء میں یوشع نے انتقال کیا اور ہارون کے پوتے فنیحاس حکومت کرتے رہے۔ سترہ برس کے بعد جزیرہ قبرص یا ارمن کا بادشاہ جو عیص کی نسل سے تھا چڑھ آیا اُس نے آٹھ سال حکومت کی۔ غیثال کے بھائی کالاب نے بنی اسرائیل کو آزادی دلائی اور چالیس سال حکمراں رہا۔ اور سنہ ۹۲ء میں مر گئے۔ پھر بنی اسرائیل بت پرستی میں مبتلا ہوئے تو موآب کا بادشاہ مسلط ہو گیا۔ پھر بنی اسرائیل نے گریہ وزاری کی تو آہوز کو حکومت ملی جو اسی سال حکمراں رہا سنہ ۱۹ء میں مر گیا۔

۱۶۔ عالی ۱۷۔ طالوت

سنہ ۲۴۴ء میں عالی نام بادشاہ بنی اسرائیل پر تخت حکومت پر بیٹھا۔ اس کے اول سال میں صموئیل علیہ السلام موضع شیلو میں جو قدس سے قریب تھا پیدا ہوئے۔ انیسویں سال حضرت داؤد پیدا ہوئے۔ عالی چالیس سال حکومت کر کے سنہ ۲۸۴ء میں مر گیا اُس کے بعد گیارہ برس

صموئیل انتظام کرتے رہے۔ بنی اسرائیل نے صموئیل سے کہا کہ آپ ہم میں کوئی بادشاہ مقرر کر دیجئے تاکہ اس کی مدد سے مخالفین سے جنگ کریں انھوں نے ساول جسے طالوت کہتے ہیں ۱۰۹۳ ق م میں مقرر کیا۔ یہ بنیامین کی اولاد سے تھے۔ مگر مال و دولت نہ رکھتے تھے اس لئے بنی اسرائیل معترض ہوئے مگر صموئیل نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو علم اور جسم میں فوقیت دی ہے۔ اور اُس کی علامت یہ بتائی کہ وہ صندوق شہادت جس کو اہل فلسطین لوٹ کر لے گئے تھے واپس آجائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ طالوت نے عمالیق پر فتح پائی۔ اور اُن کے کئی شہروں پر قبضہ کرلیا۔ جالوت جو اُن کا سردار تھا۔ اُس نے داؤد سے مقابلہ کیا۔ حضرت صموئیل کے حکم سے لشکر کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ جو ندی راستے میں ملے اُس سے کوئی پانی نہ پیئے سوائے ایک آدھ چلو کے۔ جب جالوت کے لشکر کا سامنا ہوا تو بنی اسرائیل گھبرا گئے اور جو پانی نہ پیئے تھے ڈٹ کر لڑے۔ داؤد نے گوپھن سے پتھر مارا تو جالوت کے سر پر پڑا اور وہ زمین پر گر گیا۔ اُسی کا تیغہ لیکر داؤد نے اُس کا سر قلم کیا۔ اُس کی بہادری کی دھوم مچ گئی۔ طالوت نے اپنی بیٹی داؤد کو بیاہ دی۔ طالوت فلسطینیوں کی جنگ میں مارا گیا۔ تو داؤد حکمران ہوئے۔

۱۸۔ داؤد حضرت داؤد چھتیس ۳۶ برس کی عمر میں تخت نشین ہوئے ادھر مصر تک اور اُدھر فلسطین اور کنعان اور مواب۔ اور ارمن وغیرہ بہت سے شہر فتح کئے۔ دمشق تک ملک کو وسعت دی بیت المقدس بنانے کی تیاری کی مگر پورا نہ ہوسکا۔ ساٹھ برس کی عمر میں ۱۰۳۵ق م میں وفات پائی۔

۱۹ حضرت سلیمان حضرت داؤد کے بعد اُن کے بیٹے حضرت سلیمان ۱۰۳۵ق م میں تخت نشین ہوئے۔ اپنے باپ کی وصیت کے بموجب سات سال میں کئی لاکھ کے خرچ سے بیت المقدس کی تعمیر کی۔ مسجد ۳۰ × ۲۰ × ۶۰ طول عرض و بلندی تھی جس کو اہل کتاب ہیکل کہتے ہیں ملک یمن کی بیگم بلقیس اُن کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ چالیس برس حکومت کرکے باون برس کی عمر میں ۹۷۵ق م میں انتقال فرمایا۔ اُن کے بعد رحبعام جو بدشکل اور بے وقوف تھا تخت نشین ہوا۔ اُس کے زمانے میں ملک کا بہت سا حصہ اُس کے قبضہ سے نکل گیا۔

اس کے چار پشتوں کے بعد حضرت الیاس ہوئے جو آسمان پر چلے گئے الیاس کے شاگرد الیسع نبی تھے۔

۲۰۔ حضرت یونس ۷۹۹ق م میں یوتام تخت نشین ہوا۔ اُس کے عہد میں حضرت یونس تھے۔

۲۱ حضرت عزیر بخت نصر ۵۹۲ق م میں بابل کے تخت پر بیٹھا۔ اس نے شام پر حملہ کرکے بہت سے مشایخ یہود کو گرفتار کرکے لے گیا۔ اور بیت المقدس کو مسمار کیا اور اُس کے

سونے چاندی کے ظروف بھی لے گیا حضرت دانیال کو بھی قید کر لیا۔ توراۃ کو جلا دیا۔ ہزار ہا بنی اسرائیل کو ته تیغ کیا۔ یہ واقعہ ۵۹۹ ق م کا ہے۔ ستر برس تک یہ شہر اجاڑ پڑا رہا۔ بخت نصر کے مرنے کے بعد خورس جس کو کیخسرو کہتے ہیں تخت نشین ہوا۔ اُس نے بابل پر قبضہ کیا اور یہودیوں کو مع ساز و سامان کے پروانہ دے کر بیت المقدس روانہ کیا۔ ان میں عزیر (یا عزرا) بھی تھے۔ چالیس ہزار سے زیادہ آدمی اپنے ملک واپس آئے۔

ارمیاہ علیہ السلام جو بنی اسرائیل کے ساتھ مقید ہو کر نہ گئے تھے اُن کو بیت المقدس کو آباد کرنے کا حکم ہوا تھا تو انھوں نے پوچھا انّی یحیی ھذہ اللہ بعد موتہا کہ اب یہ کیوں کر آباد ہوگا تو اس وقت وہ سو گئے اور سو سال کے بعد جب جاگے تو بیت المقدس آباد ہو چکا تھا۔ اُس کے بعد شمعون صادق کو سردار بنایا اور عزیر علیہ السلام نے یادداشت کے طور پر توراۃ کے احکام قصص جمع کئے۔ مگر حکومت بنی اسرائیل جاتی رہی یہ علاقہ ایرانیوں کا صوبہ ہو کر رہا۔ اُس کے بعد یونانیوں نے زور کیا اور سکندر بڑی فوج لے کر چڑھ آیا شام یونان کی عملداری میں چلا گیا۔ اور جو نائب یہاں رہتا تھا اُس کو ہیروڈوس کہتے تھے اور بادشاہ کو قیصر۔

۲۲۔ زکریا۔ یحییٰ

حضرت زکریا اُن دنوں بیت المقدس کے اماموں میں تھے۔ اُن کی بیوی الیباع کے (جن کو ایسابات بھی کہتے ہیں) کوئی اولاد نہ تھی۔ اور الیباع کی بہن حنّہ تھی جس نے نذر مانی کہ اگر میرے گھر لڑکا ہوگا تو بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کر دونگی۔ مگر قدرت، خدا سے لڑکی پیدا ہوئی۔ اس کا نام مریم رکھا اور نذر پورا کرنے ہیکل میں بھیجدیا وہاں کے اماموں میں جھگڑا ہوا کہ لڑکی پرورش کون کرے۔ قرعہ اندازی کی گئی تو حضرت زکریا کے نام قرعہ نکلا جو اس کے خالو بھی تھے۔ زکریا نے مریم کے لئے ایک جگہ مقرر کر دی۔ ایک مرتبہ دیکھا کہ مریم بے موسم کا میوہ کھا رہی ہیں۔ پوچھا یہ میوہ کہاں سے آیا تو کہا اللہ کی طرف سے۔ پس اُس وقت اُن کے دل میں خیال آیا کہ جو بے موسم کے پھل کھلا سکتا ہے۔ وہ مجھ بڈھے کو بے موسم اولاد بھی دے سکتا ہے اس لئے دعا مانگی اور تین روز کسی سے کلام نہ کیا۔ فرشتے نے بشارت دی کہ تیرے گھر لڑکا پیدا ہوگا اُس کا نام یحیؑ (یعنی یوحنا) رکھنا یہ رشتے میں حضرت عیسیٰ کے ماموں تھے اور حضرت عیسیٰ سے پہلے پیدا ہوئے تھے۔

۲۴۔ حضرت مریم

ایک روز حیض سے پاک ہو کر غسل کر کے حضرت مریم بیٹھی تھیں کہ جبرئیل اُن کو دکھائی دیئے۔ انھوں نے دیکھ کر اللہ کی پناہ چاہی اور کہا تو کون ہے تو حضرت جبرئیل نے اپنا فرشتہ ہونا ظاہر کر کے اُن کو بیٹے کی بشارت دی اور اُن کے گریباں میں پھونکما تو وہ حاملہ ہو گئیں۔ بیت اللحم میں حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے۔ یہود حضرت مریم کو مارنے آئے کہ تو نے حرام کا

بچہ جنا حضرت عیسیٰ نے لڑکپن میں کلام کرنا شروع کیا تو لوگ ڈر کر چلے گئے یہود کو مریم کے بارے میں حضرت زکریا پر بد گمانی ہوئی۔ ان کے مارنے کو دوڑے۔ یہ بیچارے ایک درخت کی پیڑ میں جا چھپے۔ یہود نے آرے سے درخت کو چیرا جس سے یہ بھی چر کر دو ۲ ٹکڑے ہو گئے۔

۲۵۔ حضرت عیسیٰ [1]

اناجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریم کا نکاح اُن کے چچازاد بھائی یوسف بن یعقوب نجار سے ہوا تھا۔ اور جب مریم اُن کے پاس آئیں تو حمل دیکھ کر گھبرائے۔ مگر خواب میں فرشتے نے اُن کو مطلع کر دیا۔ تو یہ اُن کی پاکدامنی کے مقر ہوئے۔ یوسف اس بچہ اور ماں کو لے کر مصر چلے گئے ایک عرصے تک حضرت عیسیٰ نے وہاں پرورش پائی۔ پھر جب سنا کہ وہ بادشاہ مر گیا تو یوسف واپس آ کر اپنے گاؤں ناصرہ میں رہا۔ اس لئے لوگ حضرت عیسیٰ کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ اب عیسیٰ ہوشیار ہوئے اور طرح طرح کے معجزات دکھلا کر لوگوں کو راہ راست پر لانے کی ہدایت کرتے تھے۔ مگر وہ الٹے اُن کے بدخواہ ہوگئے۔ حضرت یحییٰ اُن کے کپڑے پہنے جنگلوں میں رہتے اور نصیحت کرتے دریائے یرون پر حضرت عیسیٰ نے حضرت یحییٰ کی شاگردی کی اور اُن کے ہاتھ سے غوطہ لیا جس کو نصاریٰ بپتسمہ کہتے ہیں اور اصطباغ بھی۔ یحییٰ علیہ السلام کو ہیرو ڈوٹس نے اس لئے قید کر لیا کہ وہ ایک عورت کو گھر میں رکھنے سے جس کا رکھنا اُس کے لئے جائز نہ تھا منع کرتے تھے۔ آخر ایک روز ہیرو ڈوٹس نے سالگرہ کا جلسہ کیا اور اس جلسہ میں اُس عورت کی بیٹی نے ناچ کر سب کو خوش کیا۔ ہیرو ڈوٹس نے کہا مانگ کیا مانگتی ہے۔ اُس نے بادشاہ سے پکا وعدہ کرا کے اپنی ماں سے پوچھا۔ اُس نے مشورہ دیا کہ یحییٰ کا سر مانگ۔ بادشاہ نے جلاد کو بھیجا اس نے ایک لگن میں یحییٰ کا سر کاٹ لایا اور اُس لڑکی کو دیا۔

حضرت عیسیٰ بارہ حواریوں کے ساتھ جا بجا وعظ کہتے پھرتے تھے۔ اور یہود کو ملامت کرتے تھے جس سے یہود کو اُن سے سخت عداوت پیدا ہوئی اُن کی قتل کی تدبیریں کرتے رہے۔ آخر یہاں کے بادشاہ پلاطوس کو آمادہ کیا اور ایک جگہ سے حضرت کو گرفتار کر کے لے گئے۔ خدا کی قدرت کہ ان میں سے ایک کو خدا نے مسیح کی صورت میں کر دیا اور اُن کو صحیح و سالم آسمان پر بلا لیا۔ وہ شخص بڑی اذیت کے ساتھ یہود کے ہاتھ سے مارا گیا اور سولی چڑھتے وقت اُس نے بڑی جزع و فزع کی۔ اس وقت حضرت عیسیٰ کی عمر تینتیس ۳۳ برس کی تھی۔ یہ واقعہ غلبہ سکندر کے تین سو چھتیس برس بعد ہوا ہے۔ ان کے بعد حواریوں نے ملک شام۔ یونان۔ افریقہ میں دین الٰہی کو رواج دیا۔ قیصر روما ان کا دشمن ہو گیا اور عیسائیوں کو شہید کیا۔ دین عیسوی کو پلٹنے والا پولوس تھا جو ایک یہودی تھا اور حواریوں میں مل کر دین کو تباہ کرنا چاہتا تھا۔ تین سو برس تک عیسائیوں پر بڑے مظالم ہوئے انجیل کو جلایا گیا۔ آخر ش قسطنطین چوتھی صدی عیسوی

میں عیسائی ہوا۔ اُس کے زمانے سے عیسائیت کو تقویت ہوئی۔

۲۶۔ ذوالقرنین

حضرت سلیمان اور حضرت یونس کے بعد اس بادشاہ کا واقعہ لکھنا چاہیئے تھا مگر تسلسل بنی اسرائیل میں فرق نہ آنے کے لئے اس کو بعد میں لکھا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں ذوالقرنین کا ذکر آیا ہے اور یہ سوال یہودیوں نے اٹھایا تھا۔ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ۔ بعض مفسرین نے اُس کو سکندر کہا۔ اور بعض نے سکندر اعظم۔ فخرالدین رازی بھی اسی طرف گئے ہیں مگر ذوالقرنین کو یہ لقب کیوں ملا۔ اس کو حل نہ کر سکے۔ اس کی تصریح ابوالکلام آزاد کی تحقیق کے مطابق یوں ہے۔

بابل کی اسیری کا زمانہ یہودیوں کے لئے نہایت پریشانی کا زمانہ تھا۔ اس وقت حضرت بھی اسیروں میں گرفتار ہو کر بابل پہونچے مگر جلد ہی شاہان بابل کے دربار میں مقرب ہو گئے۔ بیلش فار کی تخت نشینی کے تیسرے سال انھوں نے ایک خواب دیکھا کہ ندی کے کنارے ایک مینڈھا کھڑا ہے جس کے دو سینگ ہیں انھوں نے دیکھا کہ وہ پچھم۔ اُتر اور دکھن کی طرف سینگ مارتا ہے۔ یہاں تک کہ کوئی جانور اس کے سامنے کھڑا نہ رہ سکا وہ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ مغرب سے ایک بکرا جس کی پیشانی میں ایک سینگ تھا نمودار ہوا۔ اور تمام روئے زمین پر پھر گیا۔ اس نے مینڈھے کے دونوں سینگ توڑ ڈالے۔ اس کی تعبیر حضرت جبرئیل نے یہ دی کہ دو سینگ والا مینڈھا میڈیا اور فارس کا بادشاہ ہے اور بالوں والا بکرا یونانی بادشاہ ہے۔

۶۱۲ سنہ قبل مسیح نینوا کی سلطنت تباہ ہو گئی اور میڈیا اور فارس میں دو آزاد سلطنتیں قائم ہو گئیں۔ ۵۵۹ قبل مسیح ایک غیر معمولی شخصیت ابھری۔ یہ ایکے می نیز خاندان کا ایک نوجوان گورش تھا جس کو یونانیوں نے سائرس۔ عبرانیوں نے خورس اور عربوں نے کیخسرو کے نام سے پکارا۔ اس کو میڈیا اور فارس دونوں کے امیروں نے بادشاہ تسلیم کیا اور اس کے بعد فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہ مغرب میں بحر شام تک بڑھتا چلا گیا سمرنا کے پاس ساحل ایک جھیل کی شکل میں ہو گیا ہے۔ جہاں خشکی ختم ہو گئی۔ اس کے بعد وہ مشرق میں ایسے مقام پر پہونچا جہاں برہنہ قوم آباد تھی یہ بکٹیریا یا باختر کا علاقہ تھا۔ اُس کے بعد شمال میں کوہ قاف کی طرف فوج کشی کی جہاں دیوار کھڑی کی۔ اس بادشاہ نے حضرت دانیال کی بڑی عزت کی۔ یہودیوں کو یروشلم میں آباد ہونے کی اجازت دیدی۔ نیز اعلان کیا کہ خدا نے مجھے حکم کیا ہے کہ یروشلم میں اس کے لئے ایک ہیکل بناؤں۔

ان باتوں نے سائرس کو یہودیوں میں مقبول کر دیا۔ اور وہ اُس کو ذوالقرنین کے لقب سے یاد کرنے لگے اور اس کے متعلق انھوں نے حضور اکرم سے استفسار بھی اسی لئے کیا کہ اُس کے لقب

اور واقعات سے وہی زیادہ واقف تھے۔

۲۷۔ اصحاب کہف

جزیرہ نمائے سینا اور خلیج عقبہ سے سیدھے شمال کی طرف دو پہاڑی سلسلے متوازی شروع ہوتے ہیں۔ یہاں ایک پہاڑی سطح پر راقیم شہر آباد تھا۔ دوسری صدی عیسوی میں رومیوں نے شام اور فلسطین کا الحاق کر لیا تو راقیم کا نام پیٹرا ہو گیا۔ اور بعد ازاں عربوں میں بطرا کے نام سے مشہور ہوا۔ یہاں عظیم الشان مندر اور تھیٹر کھنڈروں کی صورت میں ملتے ہیں۔

یہ چند نوجوان تھے جنھوں نے سچائی کی راہ میں دنیا اور دنیا کی راحتوں سے منہ موڑا۔ اور ایک غار میں پناہ گزیں ہو گئے۔ چنانچہ کئی سال تک وہیں رہے چند سال بعد جب مسیحیت کا دور شروع ہو گیا تو اُن کی واپسی پر اُن کی بڑی عزت وعظمت ہوئی۔ اور وہاں ایک ہیکل تعمیر کر دی گئی۔

۲۸۔ تاریخ یمن وصبا

عرب کا نقشہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ درمیانی حصے میں بڑا ریگستان ہونے کی وجہ سے عرب دو حصوں میں منقسم ہے شمالی حصہ اور جنوبی حصہ شمالی حصے کی تاریخ کے متعلق اب تک بہت کچھ بیان ہوا۔ اب ہم جنوبی حصے کی تاریخ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جنوبی حصے میں سب سے پہلے عاد اور ثمود کی قوموں کا ذکر ہے جو فقرہ (۴) اور (۵) میں تفصیل سے بیان کیا گیا۔ قوم عاد کا علاقہ حضرموت کے صوبہ میں تھا۔ جو یمن سے متصل ہے اور احقاف الرمل کے ریگستان کے کنارے پر ہے۔ یہ قومیں غالباً سامی قوم سے نہ تھیں اور اُن کی تہذیب بھی سامی تہذیب سے مغائر تھی ان کی زبان بھی عربی نہ تھی۔ عاد ہی کی قوم سے شداد تھا جس کا ذکر بھی گذر گیا۔ عاد کی تباہی کے بعد عاد ثانی ابھرے۔ یہ قوم یمن میں آباد تھی اُن کا پایۂ تخت معرب تھا۔ معرب میں ایک بڑا کٹہ دو پہاڑوں کے درمیان سے بہنے والی ندی پر بنا دیا گیا تھا کہا جاتا ہے کہ یہ کٹہ لقمان بن عاد نے بنایا تھا۔ مگر دوسری روایت یوں ہے کہ قحطان کے بعد یعروب یمن کا بادشاہ ہوا۔ اُس کے پوتے عبد الشمس صبا نے معرب پایۂ تخت بسایا اور کٹہ تیار کیا۔ اس کٹہ کی وجہ سے اطراف کی زمین بہت شاداب ہو گئی۔ لوگ خوش حال ہو گئے۔ لوگوں کے خوشحالی کی ایک وجہ اور بھی تھی ہندستان سے گرم مسالے اور خوب صورت پرند مثل مور اور بندر سمندری راستے سے عمان لائے جاتے چونکہ باب المندب اور بحر احمر کا راستہ مخدوش تھا۔ اس لئے خشکی کے راستے سے کاروان حضرموت اور معرب ہوتے ہوئے مکّہ اور پیٹرا اور غازہ کا راستہ اختیار کرتا۔ پھر سمندری راستے سے سامان مصر پہونچایا جاتا۔ جہاں اس سامان کی بڑی مانگ تھی تقریباً ایکہزار سال قبل مسیح بھی تجارت کا یہ راستہ کھلا تھا۔ اس وجہ سے بھی معرب اور صبا کو اہمیت حاصل تھی۔ مگر ایک طرف تو باب المندب اور بحر احمر کا دریائی راستہ کھل گیا۔ دوسری جانب معرب کا کٹہ ٹوٹ گیا جس کی وجہ سے

صبا کی خوشحالی ختم ہو گئی۔ صبا کے دو بیٹے حمیر اور کہلان تھے۔ ان کے بعد اُن کی اولاد حکومت کرتی رہی بعد مسیح تیسری صدی میں مغرب کا حکمران عمرو بن عامر تھا اُس کی بیوی ظریفہ نے کٹہ کے ٹوٹنے کے آثار دیکھے اور عمرو بن عامر نے اپنی جائداد فروخت کر دی اور وہاں سے چل دیے۔ صبائیوں کے بعد بنو حمیر کے خاندان کے لوگ حکمران ہوئے۔ اُن کے بادشاہوں کو تُبّعْ بھی کہتے تھے۔ یہ لوگ پانچویں صدی عیسوی تک حکمران رہے۔ گو وہ صبائیوں کی طرح خوشحال اور طاقت ور نہ تھے۔ نیز سمندر سے قریب ہونے کی وجہ سے حملہ کا اندیشہ ہمیشہ لگا رہتا تھا۔ آبادی کم ہو جانے سے فوجی قوت بھی گھٹ گئی تھی۔ حبشی جو ابتداً یمن ہی سے جا کر افریقہ میں آباد ہوتے تھے ہمیشہ یمن پر تسلط جمانے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ اپنے گورنر بھیجا کرتے جن کو یمنی حکمران نکال باہر کرتے۔ حبشی گورنروں میں سب سے زیادہ طاقتور ابرہہ تھا جس کا قصہ آئندہ آئے گا۔

۲۹۔ ملوک تُبّع

تُبّعْ بادشاہوں میں پہلا حریث العرش تھا۔ دوسرا مشہور بادشاہ صعب تھا جس کو بعض ذوالقرنین بھی کہتے تھے بعض سکندر کو ذوالقرنین کہتے تھے اُس کے لئے ملاحظہ ہو فقرہ (۲۶) تُبّعْ بادشاہوں کے سلسلے میں سے ملکہ سبا بھی تھی جس کو (کوئن شیبا) بھی کہتے تھے۔ جس کے واقعات حضرت سلیمان کے ساتھ اس سے پہلے مذکور ہو چکے۔ ملکہ سبا کو بعض شراحیل یا شراحبل کی لڑکی کہتے ہیں۔ اس سلسلے کا ایک اور مشہور بادشاہ تُبّعْ اسعد کامل تھا جس کو ابو کریب بھی کہتے ہیں اسعد ایک غریب گھرانے کا لڑکا تھا۔ لڑکپن میں تین جادوگرنیوں نے اس سے مل کر پیشین گوئی کی تھی کہ وہ بادشاہ ہوگا بشرطیکہ وہ اپنے وطن خمیر میں نہ رہے بلکہ ظفار کی طرف چلا جائے۔ دس روز بعد اسعد وطن سے چل دیا۔ ایک مہم میں ایرانیوں کے سپہ سالار کو شکست دیکر کاسپین سی تک بڑھتا چلا گیا۔ واپسی حجاز کی طرف سے ہوئی اس نے یہ خبر سن کر کہ اس کا لڑکا جس کو وہ مدینہ میں چھوڑ گیا تھا سازش سے مار ڈالا گیا اُس نے مدینہ کو لوٹنے کا قصد کیا۔ اُس کو خاندان بنی قریضہ کے دو یہودی ربّانی ملے جنھوں نے اپنے علم سے بتایا کہ وہ مدینہ کو نہ لوٹے اس لئے کہ یہ وہ شہر ہے جہاں خاندان قریش کا ایک پیغمبر پناہ گزیں ہونے والا ہے اور وہ اس شہر کو اپنی جائے رہائش بنائے گا اس لئے اس بابرکت شہر کو لوٹنا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہوگا۔ یہ بات اسعد کے سمجھ میں آ گئی۔ اُس نے دونوں ربانیوں کو ساتھ لے لیا اور یمن کو مکّہ کے راستے سے روانہ ہوا۔ مکے سے پہلے دو ہودائی اُس سے ملے اور اُس کو مشورہ دیا کہ مکہ میں ایک ایسا گھر ہے جس میں موتی اور جواہرات۔ سونا اور چاندی بھرا ہے۔ اس کو لوٹ لے۔ ہودائیوں کا خیال تھا کہ اس طرح اسعد کامل کی تباہی یقیناً ہوگی۔ اسعد نے پھر ربانیوں سے مشورہ لیا انہوں نے کہا کہ ایسا کبھی نہ کرنا ورنہ وہ اور اُس کی فوج دونوں تباہ ہو جائینگے۔ پوچھا کہ پھر کیا کروں کہا کہ جیسا سب طواف کرتے ہیں تو بھی کر۔ اپنا سر منڈا۔ اور

عجز و انکسار کر۔ اسعد نے وجہ پوچھا تم خود ایسا کیوں نہیں کرتے تو کہا کہ بے شک ہم بھی کرتے۔ یہ تو ہمارے باپ ابراہیم کا تعمیر کردہ عبادت خانہ ہے مگر ہم کو اس لئے ممانعت ہے کہ وہاں بت بٹھائے گئے ہیں۔ بادشاہ نے اُن کی ہدایت پر عمل کیا۔ مکہ میں چھ روز قیام کیا۔ وہاں سے ربانیوں کو لے کر یمن پہونچا۔ اپنے ہم وطنوں کو ان کا مذہب قبول کرنے کی ترغیب دی۔ مگر یمنیوں نے کہا کہ دستور کے موافق جب تک آگ کا امتحان نہ ہولے ہم نہیں مانیں گے۔ چنانچہ آگ جلائی گئی۔ حمیری بتوں کو لیکر نکلے اور ربانی توریت گلے میں لٹکائے آئے۔ آگ نے بت پرستوں کو ختم کردیا اور ربانی صحیح وسالم نکل آئے۔ اس پر حمیریوں نے بادشاہ کا مذہب قبول کرلیا۔ اس طرح یہودیت یمن میں داخل ہوئی۔

اسعد کے بعد اس کا بیٹا حسان حکمران ہوا۔ سرداروں نے اس کے بھائی عمرو سے سازش کر کے حسان کو مروا دیا۔ کچھ زمانہ بعد ذونواس جو تبع سلسلے ہی کا تھا حکمران ہوا۔ وہ جوشیلا یہودی تھا۔ اُس نے نجران سے عیسائیت مٹانے کے لئے فوج کشی کی۔ نجران میں عیسائیت شام سے آئی تھی۔ لوگ چونکہ حبشی حکومت سے ناراض تھے اس لئے اس کے ساتھ ہوگئے۔ وہ ایک بڑی فوج سے نجران میں داخل ہوا۔ تمام باشندوں کو یہودیت یا موت کا پیغام سنایا۔ بہت سے تہ تیغ ہوئے۔ ایک خندق کھودی گئی جس میں آگ بھڑکائی گئی۔ لوگوں کو پکڑ پکڑ کر اس میں ڈالا گیا۔ سو سال بعد حضور اکرم نے جب صحابہ تکالیف سے پریشان ہورہے تھے تو نجران کے عیسائیوں کی مثال دی تھی۔ جب یہ خبر رومیۃ الکبریٰ پہونچی تو قیصر نے نجاشی کو حکم دیا جو ستر ہزار فوج لے کر یمن میں داخل ہوا۔ ذونواس کی فوج اور اُس کے سردار اس کو چھوڑ کر بھاگ نکلے ذونواس گھوڑے پر سوار ہوکر سمندر میں چلا گیا۔ حبشی جنرل اریاط گورنر کی حیثیت سے یمن میں رہا۔ ابرھہ میں اُس میں تکرار ہوئی۔ دونو لڑے۔ ابرھہ نے اریاط کو مار ڈالا۔ پہلے تو نجاشی اس خبر سے ناراض ہوا مگر ابرھہ نے خوشامد سے منالیا۔ ابرھہ نے صنعاء میں ایک گرجا القلیس نامی بہت بڑا تیار کیا اور عرب کے ہر زائر کو اُس طرف موڑنے کی کوشش کی۔ بنو فقائم نے اس گرجا کی بے حرمتی کی جب ابرھہ کو یہ معلوم ہوا کہ بنو فقائم مکہ کا رہنے والا ہے۔ تو اُس نے کعبۃ اللہ کے خلاف فوج کشی کی یہ واقعہ ۵۷۰ء کا ہے۔ مگر ابرھہ اور اس کی فوج تباہ ہوگئی۔ مگر یمن کو عیسائیوں سے نجات نہ ملی۔ سیف بن ذویزان جو تبع خاندان کا تھا نوشیران کے دربار میں پہونچا اُس سے ۸۰۰ قیدیوں کی فوج لاکر حبشیوں کو شکست دی۔ اُس کے بعد یمن ایران کا محکوم ہوگیا۔

عراق۔شام۔فلسطین

طہران
ہمدان
رے
نہاوند
حلوان
جلولاء
نہروان
بغداد
مدائن
فرات
حلب
صفین
دمشق
قبرص
یرموک
بیت المقدس
موتہ
مصر
دریائے نیل
کربلا
نجف
کوفہ
قادسیہ
بصرہ
اہواز
ایران
جنگ جمل
تبوک
جنگ ذات السلاسل
خلیج فارس

تاریخی پس منظر

تعلیمات قرآنی کا اثر مسلمانوں پر کیا ہوا۔ مسلمانوں نے دنیا میں کیا انقلاب پیدا کیا۔ اس کو جاننے کے لیے کسی قدر اسلامی تاریخ سے واقف ہونا ضروری ہے۔ میرا ہمیشہ یہ طریقہ رہا ہے کہ پڑھاتے وقت تعلیمات قرآنی کے ساتھ ساتھ اہم اسلامی تاریخی واقعات کو بھی پیش کردیتا ہوں جو کافی بصیرت افروز اور دلچسپی بڑھانے والے ہوتے ہیں۔ ان تاریخی واقعات بیان کرتے وقت مجھکو بعض تاریخی نوٹس کی ضرورت ہوتی ہے جن سے واقعات سمجھانے میں مدد ملے۔ لہٰذا ان کو بھی میں نے خاص سرخیوں کے تحت جمع کیا۔ چونکہ اب بھی مجھے ان تاریخی واقعات کی ضرورت ہوتی رہتی ہے اس لئے میں نے اُن کو مختصراً یہاں شریک کردیا ہے۔ چنانچہ اہم واقعات اسلام۔ دور خلافت۔ اسلامی لڑائیاں۔ اسلامی جنرل امیہ اور عباسی خانوادوں کے شجرے بعض اہم بزرگان دین کے تاریخ وفات وغیرہ میں نے اپنی ضرورت کی تکمیل کے لئے باقی رکھے ہیں۔ جو صاحب ان کو تعلیمات سے غیر ضروری سمجھیں نظر انداز کرسکتے ہیں۔

اہم واقعات اسلام

۵۷۰ء حضور اکرم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ۵۸۲ء عبدالمطلب کی وفات ۵۸۲ء سفر شام۔ ۵۹۵ء حضرت خدیجہ سے عقد ۶۱۰ء بعثت نبوی ۶۲۰ء حضرت عائشہ سے عقد۔ معراج ۶۲۲ء ہجرت مدینہ۔

۱ھ۔ مسجد نبوی کی تعمیر۔ ۲ھ جنگ بدر۔ ام کلثوم کا عقد حضرت عثمان سے۔ ۳ھ جنگ احد۔ حضرت حمزہ شہید ہوئے۔ ۴ھ حضرت زید۔ و حضرت خبیب کا قتل۔ غزوہ ذات الرقاع۔ غزوہ بدر ثانی ۵ھ غزوہ خندق و غزوہ دومۃ الجندل۔ ۶ھ بیعت رضوان۔ صلح حدیبیہ۔ ۷ھ صحابہ کے ساتھ حج و طواف۔ بادشاہوں کو خطوط ۸ھ غزوہ موتہ۔ فتح مکہ۔ جنگ حنین۔ ۹ھ عام الوفود۔ جنگ تبوک تیس ہزار صحابہ کے ساتھ۔ ۱۰ھ نجران کے عیسائیوں سے مباہلہ پر آمادگی۔ حجۃ الوداع۔ ۱۱ھ محرم میں بخار آیا۔ ۱۲ ربیع الاول روز دوشنبہ کو وفات۔ مطابق ۶۳۲ء۔

عشرہ مبشرہ: (۱) حضرت ابوبکرؓ (۲) حضرت عمرؓ (۳) حضرت عثمانؓ۔ (۴) حضرت علیؓ۔ (۵) حضرت طلحہؓ۔ (۶) حضرت زبیرؓ۔ (۷) حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح (۸) سعدؓ بن ابی وقاص (۹) عبدالرحمٰنؓ بن عوف (۱۰) سعیدؓ بن زید۔

ازواج مطہرات: (۱) حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ (۲) حضرت سودہ بنت زمعہؓ (۳) حضرت عائشہؓ (۴) حضرت حفصہؓ (۵) حضرت زینبؓ۔ (۶) حضرت ام سلمہؓ۔ (۷) حضرت زینب بنت جحشؓ (۸) حضرت جویریہؓ (۹) حضرت ام حبیبہؓ (۱۰) حضرت صفیہؓ۔ (۱۱) حضرت میمونہؓ۔

اولاد: صاحبزادے (۱) حضرت قاسم۔ (۲) حضرت عبداللہ۔ (۳) حضرت ابراہیم۔

صاحبزادیاں (۱) حضرت زینب۔ (۲) حضرت رقیہ (۳) حضرت ام کلثوم (۴) حضرت فاطمہ

۱۱ھ خلافت حضرت ابوبکر۔ فتنہ ارتداد مسیلمہ کذاب رونما ہوا۔ اسامہ بن زید کو شام کی طرف روانہ کیا گیا۔ مثنیٰ بن حارثہ کی چڑھائی عراق کی جانب۔

۱۲ھ جنگ ذات السلاسل۔ جنگ قارن۔ جنگ ولجہ۔ جنگ الیس۔ فتح حیرہ۔ فتح انبار۔ جنگ ذات العیون۔ فتح عین التمر۔ فتح دومۃ الجندل۔ جنگ مضیح۔ جنگ فراض۔

۱۲ھ خالد بن ولید کی چڑھائی شام کی طرف۔ جنگ یرموک ۶۳۴ء۔

۱۳ھ وفات صدیقی۔ ۲۲-۲۳ جمادی الثانی کی درمیانی شب سہ شنبہ۔ عمر ۶۳ سال۔

۱۳ھ حضرت عمر کی خلافت۔ عبداللہ بن الجراح کی سرداری میں ہرقل پر چڑھائی۔ فتح دمشق۔ جنگ فحل۔ فتح بیروت۔

عراقی معرکے: ابو عبید بن مسعود ثقفی کے کارنامے۔ فتح کسکر۔ جنگ باقشیا بہمن جادویہ سے مروحہ پر جنگ ہوئی۔ حضرت ابو عبید کا ہاتھی سے لڑنا۔ اور کچلا جانا۔ ابو عبید کے بعد چھ جنرل شہید ہو کر مثنیٰ بن حارثہ نے علم سنبھالا۔ جنگ بویب۔ مہران کا قتل۔

سعد بن ابی وقاص عراق میں: ۱۵ھ جنگ قادسیہ۔ ۱۶ھ فتح مداین۔

شامی معرکے: فتح حمص عبیدہ بن الجراح نے حاصل کی۔ فتح اجنادین ۱۶ھ میں فتح بیت المقدس۔

ایرانی معرکے: ۲۱ھ جنگ نہاوند۔ مرزبان عرف آبان جادویہ۔ نعمان بن مقرن شہید ہوئے۔ ۱۷ھ قحط و طاعون ۱۸ھ وبا۔ خشک سالی۔ عبیدہ بن الجراح طاعون میں مبتلا ہو کر فوت ہوئے۔

۱۹-۲۰ھ فتح مصر۔ حضرت عمرو بن العاص۔

۲۳ھ حضرت عمر فاروقؓ ۲۷ ذالحجہ کو زخمی ہوئے۔ یکم محرم ۲۴ھ ہفتہ کے دن انتقال ہوا۔

۲۴ھ حضرت عثمانؓ کی خلافت۔ فتح اسکندریہ۔ فتح آرمینیا۔ فتح افریقہ۔ فتح قبرس۔ وروڈس۔ ۲۹ھ حضرت عثمان کا حج۔ ۳۱ھ یزدجرد کی ہلاکت۔ ۳۲ھ عبداللہ بن سبا رونما ہوا۔

۳۵ھ یوم جمعہ ۱۸ ذالحجہ شہادت۔ عمر ۸۲ سال۔

۳۵ھ ۲۵ ذالحجہ خلافت حضرت علی۔ ۳۶ھ جنگ جمل۔ ۳۷ھ جنگ صفین، روز ۴۰ھ حضرت علی کی شہادت۔ روز جمعہ ۱۶ رمضان۔

۴۱ھ امیر معاویہ سے حضرت حسن کی صلح ۔ ۴۸ھ قسطنطنیہ پر حملہ ۔ ۵۰ھ سوڈان پر حملہ ۔
۵۹ھ حضرت ابوہریرہ فوت ہوئے ۔ ۶۰ھ رجب امیر معاویہ فوت ہوئے ۔
۶۰ھ یزید کی تخت نشینی ۔ ۶۰ھ ۔ ۳ ذالحجہ کو حضرت امام حسین کی روانگی ۔ مسلم بن عقیل کا قتل کوفہ میں ۔ ۶۱ھ ۱۰ محرم حادثہ کربلا ۔ ۶۱ھ جنگ حرہ ۔ مسلم بن عقبہ نے مدینہ والوں کو شکست دی ۔
۶۴ھ ۳ ربیع الاول یزید کی موت جبکہ مکہ معظمہ کا محاصرہ حصین بن نمیر کر رہا تھا ۔ ۷۱ھ مصعب بن زبیر کی شہادت کوفہ میں ۔ ۷۳ھ یوم سہ شنبہ جمادی الثانی عبداللہ بن زبیر مکہ میں شہید
۹۲ھ ۸ رجب طارق بن زیاد اسپین میں ۷۰۰۰ فوج سے داخل ہوا ۔ جنگ مدینہ سڈونا (گڈولیٹ) رمضان ۹۲ھ ۔ ۹۵ھ حجاج بن یوسف کا انتقال ۔ ۱۳۰ھ ابومسلم خراسانی نے امام ابراہیم کے لئے بیعت لینی شروع کی ۔
۱۳۲ھ بنی امیہ کا خاتمہ ۔ بنو عباس کی ابتداء ۔ ۱۳۷ھ ابومسلم مارا گیا ۱۵۹ھ حکیم مقنع کا ظہور ۔ ۱۸۳ھ موسیٰ کاظم کی وفات ۔ نہر زبیدہ ۱۸۷ھ جعفر بن یحییٰ برمکی کا قتل ۔ امام یوسف نے فقہ کی تدوین شروع کی ۔ ۲۱۱ھ بابک خرمی کا خروج ۔ ۳۵۱ھ معز الدولہ دیلمی نے ۱۸ ذالحجہ کو جو حضرت عثمان کی شہادت کا دن ہے عید غدیر منانے کا حکم دیا ۔ ۳۵۲ھ تعزیہ داری کی ایجاد ۔ محمود غزنوی نے غزنین میں حکومت کی ۔ ۱۰۳۰ ۔ ۹۹ء طغرل بیگ سلجوقی نے سلجوقیہ خاندان کی بنیاد ڈالی ۔ اس کے بعد اس کا بھانجہ الپ ارسلان تخت نشین ہوا ۔ ۴۵۵ھ طغرل بیگ کی وفات ۔ الپ ارسلان کے زمانے میں نظام الملک طوسی حسن بن صباح اور عمر خیام ۔ ۴۶۵ھ ملک شاہ کا دور ۔ ۴۹۱ھ جنگ صلیبی کی ابتدا مطابق ۱۰۹۱ء ۔ ۵۲۱ھ اتابک زنگی تخت نشین ہوا ۔ جنگ صلیبی میں حصہ لیا ۔
۵۴۲ھ جنگ صلیبی دوم ۔ کنرڈ ۔ سیف الدین غازی و نور الدین محمود دونوں بھائیوں نے حصہ لیا ۔ ۵۶۴ھ صلاح الدین یوسف جس کے باپ کا نام نجم الدین ایوب تھا مصری حاکم ہوا ۔ جس نے حجاز اور نیوبا پر بھی حکومت کی ۔ بعد ازاں حلب اور دمشق بھی مطیع ہوئے ۔
۵۸۵ھ تیسری جنگ صلیبی ۔ رچرڈ کی آمد ۵۸۷ھ ۱۱۹۱ء صلح ۵۸۸ھ ۱۱۹۲ء ۔ تاتاری حملہ کی ابتداء ۔ چنگیز خاں ۱۱۵۵ء میں پیدا ہوا ۔ ۱۲۱۹ء میں چین فتح کیا ۔ سلجوقی بادشاہ سنجر کو ترکمان نے قید کر لیا ۔ اور وہ ۵۵۲ھ میں مر گیا ۔
۵۷۱ھ میں شہاب الدین غوری نے ملتان فتح کیا ۵۸۹ھ ہندی فوج کو شکست دی ۔
۶۰۲ھ میں قطب الدین ایبک پنجاب کا حاکم ہوا ۔ ایران ۔ ہرات ۔ بلخ سمرقند پر تاتاری حملہ ۱۲۱۸ء ۔

م ۶۱۵ھ چنگیز خاں نے کیا۔ نیشاپور کی بربادی ۱۲۲۱ء۔ بلبن نے ہندوستان میں چنگیز خاں کا مقابلہ کیا جو واپس ہو گیا۔

۶۴۲ھ مؤید الدین علقمی (شیعہ) وزیر ہوا۔

۶۵۶ھ ہلاکو خاں کا حملہ بغداد پر۔ مستعصم باللہ کی ہلاکت۔ قتل و غارت سولہ لاکھ مسلمان مقتول۔

اسلامی خلفاء و بادشاہ

(۱) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ پیدائش ۵۷۰ء۔ وفات ۶۳۲ء۔ م ربیع الاول ۱۱ھ۔

(۲) حضرت ابوبکرؓ ۱۱ھ۔ ۱۳ھ۔

(۳) حضرت عمرؓ ۱۳ھ۔ یکم محرم ۲۴ھ شہید۔

(۴) حضرت عثمانؓ ۲۴ھ۔ ۱۸ ذالحجہ ۳۵ھ شہید۔

(۵) حضرت علیؓ ۳۶ھ۔ ۱۷ رمضان ۴۰ھ شہید۔

(۶) حضرت امام حسنؓ ۴۰ھ۔ ۴۱ھ (چھ ماہ) صلح کر لی شہید ۵۰ھ

(۷) حضرت امام حسینؓ ۶۱ھ شہید۔

بنو امیہ

(۸) امیر معاویہ ۴۱ھ۔ ۶۰ھ

(۹) یزید بن معاویہ ۶۰ھ۔ ۶۴ھ

(۱۰) معاویہ بن یزید ۶۴ھ۔ ۶۴ھ (تین ماہ خلافت)

(۱۱) مروان بن حکم ۶۴ھ۔ ۶۵ھ (نو مہینے خلافت)

(۱۲) عبدالملک بن مروان ۶۵ھ۔ ۸۶ھ

(۱۳) ولید بن عبدالملک ۸۶ھ۔ ۹۶ھ۔

(۱۴) سلیمان بن عبدالملک ۹۶ھ۔ ۹۹ھ

(۱۵) عمر بن عبدالعزیز ۹۹ھ۔ ۱۰۱ھ

(۱۶) یزید بن عبدالملک ۱۰۱ھ۔ ۱۰۵ھ

(۱۷) ہشام بن عبدالملک ۱۰۵ھ۔ ۱۲۵ھ

(۱۸) ولید بن یزید۔ ۱۲۵ھ۔ ۱۲۶ھ

(۱۹) یزید بن ولید ۱۲۶ھ۔ ۱۲۶ھ

(۲۰) ابراہیم بن ولید ۱۲۶ھ۔ ۱۲۷ھ

(۲۱) مروان بن محمد ۱۲۷ھ۔ ۲۸ ذالحجہ ۱۳۲ھ قتل ہوا۔

بنو عباس

(۲۲) عبداللہ سفاح ۱۳۲ھ۔ ۱۳ ذالحجہ ۱۳۶ھ

(۲۳) ابوجعفر منصور ۱۳۶ھ۔ ۱۵۸ھ

(۲۴) المہدی۔ ۱۵۸ھ۔ ۱۶۰ھ

(۲۵) الھادی۔ ۱۶۰ھ۔ ۱۷۰ھ

(۲۶) الھارون الرشید ۱۷۰ھ۔ ۱۹۳ھ

(۲۷) الامین ۱۹۳ھ۔ ۱۹۸ھ

(۲۸) المامون ۱۹۸ھ۔ ۲۱۸ھ

(۲۹) المعتصم ۲۱۸ھ۔ ۲۲۷ھ

(۳۰) واثق باللہ ۲۲۷ھ۔ ۲۳۲ھ

بقیہ کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ بر صفحہ (۱۱۵)

کعب
مرہ
کلاب
قصی
عبد مناف
ہاشم
عبدالمطلب
عبداللہ
محمد
فاطمہ
حسن
حسین — سنہ ۶۱ شہادت
زین العابدین
محمد باقر
جعفر صادق
موسیٰ کاظم
علی رضا
محمد تقی
علی نقی — ۲۲۰
حسن عسکری — ۲۵۴
محمد مہدی — ۲۶۰

ابوطالب
علی
عقیل
مسلم

ابوسفیان
معاویہ
یزید
عبداللہ (ابن زبیر)

عباس
عبداللہ
علی
محمد
عبداللہ سفاح — سنہ ۱۳۲
المنصور — ۱۳۶-۱۵۸
مہدی
ہادی
ہارون الرشید
امین
مامون
معتصم
واثق باللہ
المتوکل علی اللہ
المنتصر باللہ
مستعین باللہ
معتز باللہ
مہتدی باللہ
معتمد علی اللہ
موفق باللہ
معتضد باللہ
مکتفی باللہ
مقتدر باللہ
قاہر باللہ
راضی باللہ
متقی باللہ
مستکفی باللہ
مطیع للہ
طائع للہ
قادر باللہ
قائم بامر اللہ
مقتدی بامر اللہ
مستظہر باللہ
مسترشد باللہ
راشد باللہ
مقتفی باللہ
مستنجد باللہ
مستضئ بامر اللہ
ناصر لدین اللہ

اسلامی لڑائیاں

(۱) جنگ بدر ۔ ۱۷ رمضان ۲ھ ۔ ۳۱۳ × ۱۰۰۰

(۲) جنگ احد ۔ ۱۵ شوال ۳ھ ۔ ۷۰۰ × ۳۰۰۰

(۳) ذات الرقاع ۴ھ بنومحارب و بنوثعلبہ کے خلاف (لڑائی نہیں ہوئی ۔)

(۴) دومۃ الجندل ۵ھ اکیدر عیسائی حاکم کے خلاف ۔ "

(۵) غزوۂ خندق ۵ھ کفار عرب و یہودیوں کی متفقہ جماعت کے خلاف ۔ دس اور چوبیس ہزار کے مقابلے

(۶) غزوۂ خیبر ۶ھ ۔ یہودیوں کے خلاف ۔

(۷) غزوۂ حدیبیہ ۶ھ ۔ مکہ والوں کے خلاف ۔ جنگ نہیں ہوئی ۔ صلح ہوئی ۔

(۸) غزوۂ خیبر ۷ھ ۔ یہودیوں کے خلاف ۔

(۹) غزوۂ موتہ ۸ھ غسانی سردار کے خلاف ۔ اسلامی فوج ۳۰۰۰ × ۱۰۰۰۰ زید بن حارثہ ۔ جعفر بن ابی طالب عبد بن رواحہ شہید ہوئے ۔ خالد بن ولید کامیاب ہوئے ۔

(۱۰) فتح مکہ ۸ھ (طائف کے قبائل بنوثقیف اور بنوہوازن کے خلاف) دس ہزار صحابہ

(۱۱) جنگ ہوازن ۔

(۱۲) جنگ حنین ۔ بہ سلسلہ ہوازن ۔

(۱۳) جنگ تبوک ۹ھ لشکر تیس ہزار ۔ جنگ نہیں ہوئی ۔

(۱۴) ۱۱ھ اسامہ بن زید سردار ۔ رومیوں کے خلاف ۔

(۱۵) فتنۂ ارتداد کے خلاف جنگ ۱۱ھ

(۱۶) جنگ ذات السلاسل ۱۱ھ ۱۸۰۰۰ ۔ خالد بن ولید × ہرمز ۔

(۱۷) جنگ قارن ۔ (بہ سلسلہ بالا)

(۱۸) جنگ ولجہ ۔ "

(۱۹) جنگ لیس ۔ "

(۲۰) جنگِ ذات العیون ۔ عین التمر [21] ۔ حصید [22] ۔ مضیح [23] ۔ فراض [24] ۱۲ھ ۔

(۲۵) جنگ یرموک ۱۳ھ ہرقل کے خلاف چالیس سے چھیالیس ہزار × ۲ لاکھ چالیس ہزار ۔

(۲۶) فتح دمشق ۱۳ھ ۔ ابوعبیدہ بن الجراح ۔ × رومی ۔

(۲۷) جنگ فحل - ابوعبیدہ بن الجراح × سقلار - اسی ہزار قتل ہوئے۔
(۲۸) جنگ کسکر (ایرانی) ابوعبید بن مسعود ثقفی - جالینوس۔
(۲۹) قس ناطف برکنارہ فرات - ابوعبید × بہمن جادویہ - ابوعبید ہاتھی کے پیر سے روندے گئے۔ نو ہزار لشکر اسلامی سے ۶ ہزار شہید۔
(۳۰) جنگ بویب - ۱۳ھ مثنیٰ بن حارثہ × مہران جو جنگ میں مارا گیا۔ ایک لاکھ ایرانی قتل ہوئے
(۳۱) جنگ قادسیہ ۱۵ھ - سعد بن ابی وقاص × رستم ۱۸۰۰۰۰ - تین روز جنگ ہوئی بہمن جادویہ قتل ہوا۔ رستم قتل ہوا۔ تیس ہزار سوار مقتول۔ ۶ ہزار مسلمان شہید۔ ہرمزان فرار ہو گیا۔ بعد میں مسلمان ہوا۔
(۳۲) فتح مداین ۱۶ھ سعد بن ابی وقاص نے یزدجرد کے پایۂ تخت پر قبضہ کر لیا۔
(۳۳) معرکہ جلولا ۱۶ھ ہاشم بن عتبہ ۱۲۰۰۰ × لاکھوں ایرانیوں میں سے ایک لاکھ قتل تین کروڑ کا مال ہاتھ آیا۔
(۳۴) رومی معرکے - فتح حمص - ابوعبیدہ × شمس بطریق۔
(۳۵) فتح حلب - انطاکیہ و بیت المقدس حضرت عمر کے ہاتھ پر کنجیاں دی گئیں۔
(۳۶) جنگ نہاوند (ایرانی معرکہ) نعمان بن مقرن ۳۰۰۰۰ × ۱۵۰۰۰۰ - نعمان شہید ہوئے۔
(۳۷) فتح اسکندریہ ۲۴ھ عمرو بن العاص نے تین مرتبہ مصر کو فتح کیا۔
(۳۸) فتح افریقہ - عبداللہ بن سعد۔
(۳۹) فتح طرابلس - موسیٰ۔
(۴۰) جنگ جمل ۳۶ھ -

	حضرت عائشہ	حضرت علی
شریک	۳۰،۰۰۰ ×	۲۰،۰۰۰
مقتول	۹۰۰۰ ×	۱۰،۰۰۰

(۴۱) جنگ صفین -

	حضرت علی	معاویہ
شریک	۹۰،۰۰۰ ×	۸۰،۰۰۰
مقتول	۲۵،۰۰۰ ×	۳۵،۰۰۰

(۴۲) قسطنطنیہ پر حملہ ۴۸ھ
(۴۳) مصر - برقہ - سوڈان پر حملہ ۵۰ھ عقبہ بن نافع
(۴۴) واقعہ کربلا ۶۱ھ

(۴۵) جنگ ہرہ۔

(۴۶) فتنہ خوارج سنہ ۷۶ھ ۔ مہلب بن ابی صفرہ۔ حجاج بن یوسف ثقفی۔

(۴۷) جنگ مدینہ سڈونا (گوڈی لیٹ) سنہ ۹۲ھ طارق بن زیاد × راڈرک ۱۲۰۰۰ × ۱۰۰۰۰۰ عیسائیوں کی شکست راڈرک مقتول سنہ ۷۱۱ء ۔ فرانس × عبدالرحمٰن ۔ معرکہ ٹورس۔ سنہ ۱۱۴ھ رمضان عبدالرحمٰن شہید و شکست۔ بروایت عیسائی ۳ لاکھ ۰ ۶ ہزار مسلمان شہید ہوئے۔

اسلامی جنرل

(۱) حضرت حمزہ۔ جنگ احد میں شہید ہوئے۔

(۲) زید بن حارث ۔جنگ موتہ میں شہید

(۳) جعفر بن ابی طالب۔ "

(۴) عبداللہ بن رواحہ "

(۵) خالد بن ولید۔ غازی موتہ ۔ یرموک۔

(۶) اسامہ بن زید۔ شامی لشکر میں رومہ کے خلاف لڑے۔ فتنہ ارتداد کے رفع کرنے میں مدد دی۔

(۷) عبداللہ بن الجراح۔ فاتح حمص ۔ بیت المقدس۔ اجنادین۔

(۸) ابو عبید بن مسعود ثقفی۔ فاتح کسکر۔ باقشیا۔ مروحہ میں شہید ہوئے۔

(۹) مثنیٰ بن حارثہ۔ جنگ مروحہ میں ۶ جنرل شہید ہونے پر علم سنبھالا۔

(۱۰) سعد بن ابی وقاص۔ فاتح قادسیہ۔

(۱۱) نعمان بن مقرن ۔جنگ نہاوند میں شہید۔

(۱۲) عمرو بن العاص۔ فاتح مصر۔

(۱۳) طلحہ

(۱۴) زبیر

(۱۵) عبداللہ بن سعد۔ افریقہ و طرابلس فتح کیا۔

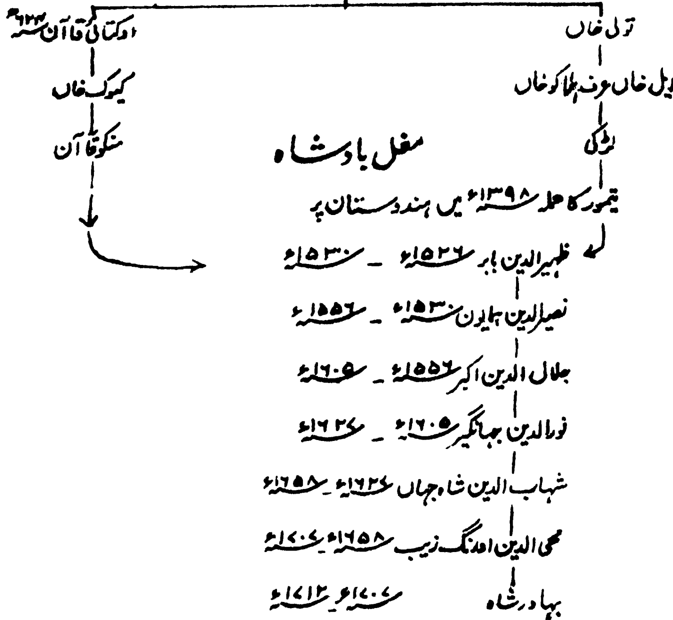
(۱۶) قعقاع بن عمرو۔

(۱۷) عقبہ بن نافع۔ فاتح سوڈان سنہ ۵۰ھ ۔ یونس سنہ ۵۵ھ ۔ سنہ ۶۳ھ میں شہید۔

(۱۸) مہلب بن ابی صفرہ نے فتنہ خوارج دفع کیا۔ سنہ ۷۷ھ

(۱۹) حجاج بن یوسف
(۲۰) موسیٰ نے مغرب اقصیٰ اور اسپین میں فتوحات کیے۔
(۲۱) طارق بن زیاد ۹۱ھ میں اسپین میں داخل ہوئے۔
(۲۲) محمد بن قاسم۔ سندھ پر حملہ کیا۔ حجاج کا داماد تھا۔
(۲۳) ابو مسلم خراسانی (ابراھیم بن عثمان) بزرجمہر کی اولاد سے تھا ۱۳۶ھ ۱۳۲ء۔ عبداللہ بن سفاح کی مدد کی۔
(۲۴) ہرثمہ بن امین۔ طاہر۔ مامون کے بڑے جنرل تھے۔
(۲۵) افشین حیدر۔ ترکی جنرل عباس بن مامون کے زمانے میں تھا۔
(۲۶) بویہ دیلمی
(۲۷) موید الدین علقمی۔ ہلاکو خاں کا حملہ بغداد پر ۶۵۶ھ

چنگیز خاں ۵۹۹ھ م ۱۲۰۲ء تخت نشین ہوا۔



پٹھان بادشاہ

قطب الدین ایبک	۶۰۲ھ	م ۱۲۰۶ء
غیاث الدین بلبن	۶۶۴ھ	م ۱۲۶۶ء
علاء الدین خلجی	۶۹۵ھ	م ۱۲۱۵ء
غیاث الدین محمد تغلق	۷۲۵ھ	م ۱۳۲۵ء
فیروز شاہ تغلق	۷۵۲ھ	م ۱۳۵۱ء
ابراہیم لودھی	۹۲۳ھ	م ۱۵۱۶ء
شیر شاہ سوری	۹۴۷ھ	م ۱۵۴۰ء

بہمنی بادشاہ

علاء الدین حسن گنگو	۷۴۸ھ	م ۱۳۴۷ء
یوسف عادل شاہ	۸۹۵ھ	م ۱۴۸۹ء
احمد شاہ نظام شاہی	۸۹۶ھ	م ۱۴۹۰ء
سلطان قلی شاہ	۹۱۸ھ	م ۱۵۱۲ء
محمد قلی قطب شاہ	۹۸۸ھ	م ۱۵۸۰ء
علی برید شاہ		م ۹۴۵ء

ایران کا صفوی خاندان

اسمٰعیل صفوی شیعہ	۹۰۸ھ
طہماسپ	۹۳۱ھ
شاہ عباس	۹۹۴ھ
عباس ثانی	۱۰۵۲ھ
طہماسپ ثالث	۱۱۲۹ھ

نادر شاہ تخت نشین ہوا ۱۱۶۰ھ میں قتل
۱۷۳۶ء - ۱۷۴۷ء

بزرگانِ اسلام و اہم شخصیتیں

(۱) اویس قرنی ۔ جنگ صفین میں شہید ۳۷ھ

(۲) سعید بن جبیر کو حجاج نے قتل کیا ۹۵ھ

(۳) حسن بصری ولادت ۲۱ھ ۔ وفات ۱۱۰ھ ۔ ہشام ابن عبد الملک کی خلافت میں شہرہ تھا۔ رابعہ بصری ہم عصر تھیں۔

(۴) امام محمد باقر ۵۷ھ میں ولادت ۔ ہشام کی خلافت میں وفات ۱۱۴ھ

(۵) امام جعفر صادق ۔ ولادت ۸۰ھ ۔ وفات ۱۴۸ھ رابعہ بصری کی وفات ۱۳۵ھ

(۶) امام اعظم ابو حنیفہ ۸۰ھ ولادت ۔ ۱۵۰ھ وفات بغداد میں ۔ اوزاعی کی وفات ۱۵۷ھ

(۷) حضرت سفیان ثوری ۱۶۰ھ وفات مہدی کے عہد میں ۔ ہارون کے ہم عصر ۔ ہم مکتب ابراہیم بن ادہم ۱۶۱ھ

(۸) داؤد طائی ۔ ابو حنیفہ کے شاگرد ۔ وفات ۱۶۵ھ ۔ فضیل و ابراہیم ہم عصر تھے ۔

(۹) امام مالک ہارون کے زمانے میں ۱۶۹ھ وفات (بروایت دیگر ۱۷۹ھ)

(۱۰) فضیل بن عیاض کوفی ۱۸۷ھ وفات مکہ میں ۔ قاضی ابو یوسف کی وفات ۱۸۲ھ

(۱۱) شیخ معروف کرخی ۔ ابراہیم بن ادہم اور داؤد طائی کے ہم عصر تھے وفات ۲۰۰ھ

(۱۲) امام شافعی ۔ ابو حنیفہ کی رحلت کے روز پیدا ہوئے ۔ مامون کے زمانے میں ۲۰۴ھ میں وفات

(۱۳) خواجہ بایزید بسطامی ۔ ولادت ۱۶۰ھ ۔ رحلت ۲۳۰ھ (یا ۲۶۱ھ) ۔ امام جعفر کی خدمت میں رہے۔

(۱۴) حاتم اصم ۔ مشائخ خراسان شقیق بلخی کے مرید ۲۳۷ھ میں وفات ۔ بلخ میں مدفون ۔

(۱۵) امام احمد ابن حنبل ولادت ۱۶۴ھ ۔ وفات ۲۴۱ھ متوکل کے عہد میں بغداد میں پیدائش بغداد ہی میں دفن ہوئے ۔

(۱۶) ذو النون مصری ۲۴۵ھ وفات ۔

(۱۷) محمد اسمٰعیل بخاری ولادت ۱۹۴ھ ۔ رحلت ۲۵۶ھ (بروایت دیگر ۲۵۷ھ)

(۱۸) حضرت سری سقطی ۔ حضرت جنید کے استاد ۲۵۳ھ رحلت (")

(۱۹) عبد اللہ ابو مسلم ولادت ۲۰۲ھ ۔ وفات ۲۶۱ھ ۔

(۲۰) ابراہیم ابن ادہم ۲۶۶ھ میں وفات شام میں مدفون ۔ ابن ماجہ کی وفات ۲۷۳ھ ترمذی کی وفات ۲۷۹ھ

منصور حلاج کا قتل ۳۰۹ھ امام ماتریدی کی وفات ۳۳۳ھ۔

(۲۱) شیخ ابوبکر شبلی۔ ۳۳۴ھ وفات۔ حضرت جنید بغدادی کے شاگرد۔

(۲۲) ابوالقاسم منصور فردوسی وفات ۴۱۱ھ۔ ۴۰۰ھ میں شاہنامہ لکھا۔

(۲۳) حکیم بوعلی سینا بخاری۔ سلطان محمود سبکتگین کا ہم عصر ولادت ۳۷۳ھ۔ وفات ۴۲۷ھ

(۲۴) امام محمد غزالی ولادت ۴۵۰ھ۔ وفات ۵۰۵ھ (بغداد سے چلا جانا ۴۸۸ھ)

(۲۵) حکیم سنائی غزنوی۔ ۵۲۹ھ۔ عمر خیام کی وفات ۵۱۵ھ۔ زمخشری کی وفات ۵۳۵ھ

(۲۶) شمس الدین تبریزی۔ ۵۴۶ھ

(۲۷) شیخ عبدالقادر گیلانی۔ ولادت ۴۷۱ھ۔ وفات ۵۶۱ھ۔ سنجر کے ہم عصر۔

(۲۸) حکیم ازرقی۔ عالم و شاعر و فاضل۔

(۲۹) اوحدالدین انوری شاعر۔ سنجر کا ہم عصر۔

(۳۰) شیخ نظامی گنجوی ولادت ۵۱۱ھ۔ وفات ۵۹۲ھ سلطان صلاح الدین کی وفات ۵۸۹ھ

(۳۱) خاقانی شروانی ۵۹۵ھ وفات۔

(۳۲) شیخ ابوالفرج ابن جوزی ۵۹۷ھ وفات۔ ان کے شاگرد شیخ مصلح الدین سعدی۔

(۳۳) ظہیرالدین فاریابی ۵۹۸ھ رحلت۔

(۳۴) امام فخرالدین رازی۔ رے میں پیدائش۔ سلطان شہاب الدین غوری کے ہم عصر ہرات میں وفات ۶۰۶ھ

(۳۵) شیخ نجم الدین کبریٰ۔ تاتاریوں کے حملہ میں شہید۔ قبر خوارزم میں ہے۔

(۳۶) شیخ فریدالدین عطار۔ نیشاپور کے مضافات میں پیدا ہوئے ۵۱۳ھ۔ تاتاریوں کے ہاتھوں شہید ۶۲۷ھ۔

(۳۷) شیخ شہاب الدین سہروردی۔ حضرت عبدالقادر گیلانی کے صحبت یافتہ ۶۳۲ھ میں وفات۔ بغداد میں مدفون۔

(۳۸) خواجہ معین الدین چشتی ولادت ۵۳۷ھ۔ شہاب الدین غوری کے ساتھ آکر اجمیر میں مقیم رہے۔ وفات ۶۳۳ھ۔ شیخ عثمان ہارونی کے مرید۔ مریدین، خواجہ قطب الدین بختیار۔ شیخ فرید شکر گنج

(۳۹) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی۔ وفات ۶۳۳ھ

(۴۰) شیخ محی الدین ابن عربی۔ ولادت ۵۶۱ھ وفات ۶۳۷ھ۔ دمشق میں مدفون۔ امام شاذلی کی وفات ۶۵۴ھ

(۴۱) شیخ فرید گنج شکر ولادت ۵۶۹ھ۔ وفات ۶۶۴ھ خواجہ قطب الدین کے مرید۔ خواجہ نظام الدین کے مرشد۔

(۴۲) جلال الدین رومی ۶۷۲ھ وفات۔ شیخ فرید الدین عطار کی صحبت میں رہے۔

(۴۳) خواجہ نصیر الدین طوسی۔ فخر الدین رازی کے ہم عصر۔ اخلاق ناصری لکھی ۶۷۲ھ میں وفات۔ موسیٰ کاظم کی مزار کے پاس دفن ہوئے۔

(۴۴) نصیر الدین قاضی بیضاوی ۶۹۱ھ تبریز میں انتقال کیا۔ تفسیر بیضاوی لکھی۔ ابن خلکان کی وفات ۶۸۱ھ

(۴۵) شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی۔ ۶۹۱ھ شیراز میں مدفون۔ گلستان۔ بوستان لکھی۔

(۴۶) شیخ بو علی قلندر وفات ۷۲۴ھ۔ علاء الدین خلجی مرید تھا۔ امیر خسرو نے شعر سنائے تھے۔

(۴۷) شیخ نظام الدین کی وفات ۷۲۵ھ۔ شیخ فرید کے مرید۔ ابن تیمیہ کی وفات ۷۲۸ھ

(۴۸) امیر خسرو ۷۲۵ھ وفات۔

(۴۹) شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی ۷۵۲ھ وفات۔ خلیفہ شیخ نظام الدین۔ سید محمد گیسو دراز مرید تھے۔

(۵۰) شیخ جلال مخدوم جہانیاں جہاں گشت ۷۸۵ھ وفات۔

(۵۱) شیخ محمد خواجہ حافظ شیرازی۔ تیمور کے ہم عصر و وظیفہ خوار ۷۹۱ھ شیراز میں مدفون۔

(۵۲) خواجہ بہاء الدین نقشبند۔ مدفن بخارا۔ وفات ۷۹۲ھ۔

(۵۳) سعد الدین تفتازانی۔ ۷۹۳ھ بہ مقام سمرقند فوت ہوئے۔ ابن خلدون کی وفات ۸۰۸ھ۔

(۵۴) بدیع الدین شاہ مدار۔ ۸۳۸ھ وفات۔ قنوج میں مدفون۔

(۵۵) عبد الرحمٰن جامی شاعر ۸۹۹ھ وفات۔

(۵۶) شیخ سلیم چشتی۔ فتح پور سیکری میں مدفون ۹۷۹ھ وفات۔ اکبر معتقد تھا۔

(۵۷) جمال الدین عرفی ۹۹۹ھ نہر سے مستند اکبر کے دربار کا شاعر۔

(۵۸) خواجہ باقی باللہ۔ ۱۰۱۲ھ وفات دہلی میں مزار۔ اکبر کے زمانے میں تھے۔

(۵۹) مرزا محمد علی صائب۔ جہانگیر کے عہد میں آئے تھے۔ واپس جا کر شاہ عباس کے دربار میں رسوخ پایا۔ وفات ۱۰۸۰ھ۔

(۶۰) امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی۔ ولادت سنہ ۹۷۱ھ۔ وفات سنہ ۱۰۳۴ھ۔ بزمانہ اکبر وجہانگیر۔

(۶۱) خواجہ معصوم۔ ولادت سنہ ۱۰۰۷ھ۔ حج سنہ ۱۰۶۶ھ۔ وفات سنہ ۱۰۷۹ھ۔ بہ زمانہ عالمگیر۔

(۶۲) حضرت مرزا مظہر جانجاناں۔ ولادت سنہ ۱۱۱۱ھ۔ شہادت سنہ ۱۱۹۱ھ عمر ۷۹ برس۔

(۶۳) عبدالوہاب نجدی کی وفات سنہ ۱۲۱۱ھ م سنہ ۱۷۸۷ء

حصّۂ دوم

ہر سورہ کی اہمیت خصوصیات اور خلاصہ مضمون

سورۂ فاتحہ ۱ اہمیت اور خصوصیات۔ یہ سورت مکی ہے۔ جامعیت رکھتی ہے۔ اس میں اور بقیہ قرآن میں اجمال اور تفصیل کا تعلق ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے درخواست دینے کا طریقہ سکھلایا ہے۔ اس کے مطالب ذہن نشین کرنے سے انسان دین حق اور خدا پرستی کے بنیادی مقاصد معلوم کرے گا۔ یہ اس کی دینی زندگی کا دستور العمل اور خدا پرستی کے عقائد کا خلاصہ۔ روحانی تصورات کا نصب العین ہوگا۔

اس سورۃ میں کل سات آیات ہیں جنمیں سے پہلی تین آیات میں اُن چار صفات کاملہ کا ذکر ہے جن پر اس دنیا کا تمام انتظام قائم ہے۔ پہلی آیت میں ربوبیت یا وہ صفت جو ہر ایک مخلوق کو اپنے دائرہ کے اندر کمال تک پہونچاتی ہے۔ دوسری آیت میں رحمانیت۔ یا وہ صفت جو ہر شئے کے اپنے کمال تک پہونچنے کے لئے ضروری اسباب اُس کے وجود میں آنے سے پہلے مہیا فرماتی ہے اور رحیمیت یعنی وہ صفت جو ان سامانوں سے فائدہ اٹھانے پر اعلیٰ درجے کے صفات مترتب فرماتی ہے۔ تیسری آیت میں ملکیت یا وہ صفت جو ان سامانوں سے فائدہ اٹھانے پر یا قانون کی خلاف ورزی پر سزا دیتی ہے۔ تاکہ نظام عالم قائم رہے۔ اور چیزیں اپنے کمال تک پہونچتی رہیں۔ چوتھی آیت میں بندے کا یہ اقرار ہے کہ وہی ذات پاک جس کے محامد پہلی تین آیتوں میں مذکور ہیں لایق عبادت ہے۔ اسی سے ہر قسم کی طلب کی جاتی ہے۔ آخری تین آیات میں راہ راست پر چلنے اور افراط و تفریط سے بچنے کی دعا ہے۔ پس پہلی تین آیات محامد الہٰی کے لئے ہیں اور آخری تین بندے کے لئے کہ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ انعامات کا وارث ہو درمیانی آیت میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے عبد کا تعلق ہے یعنی دونوں میں مشترک ہے۔ پہلا ٹکڑا اِیَّاکَ نَعْبُدُ کا تعلق درحقیقت پہلی تین آیتوں سے ہے کیوں کہ وہ کامل محامد جن کا ذکر اُن آیات میں ہے اُسے مستحق عبادت ٹھہراتی ہے اور وہ جب مستحق عبادت ہوا تو اعانت کا طلب کرنا بھی اُسی سے ضروری ہوا۔ دوسرا ٹکڑا وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا تعلق پہلے ٹکڑے سے قائم ہوگیا اور پھر استعانت کی تشریح آخری تین آیات میں فرمائی۔ اور یوں اس کا تعلق آخری تین آیات سے ہوگیا اور یہی معنی اُس حدیث کے ہوئے کہ فاتحہ مجھ میں اور بندے میں

نصف نصف ہے۔

اس سورت میں جن صفات الٰہی کا ذکر ہے وہ کل صفات الٰہی کے لئے بطور ام یا جڑ کے ہیں یعنی ربوبیت ۔ رحمانیت ۔ رحیمیت ۔ مالکیت ۔ انھیں سے باقی صفات الٰہی بھی پیدا ہوتی ہیں ۔ جن کو ذرا تفصیل سے یہاں ذکر کر دینا مناسب ہو گا۔

ربوبیت کی تعریف امام راغب اصفہانی نے ان لفظوں میں کی ہے ۔ هُوَ اِنْشَاءُ الشَّیْءِ حَالًا فَحَالًا اِلٰی حَدِّ التَّمَامِ ۔ ہر ایک مخلوق کو اپنے دائرہ کے اندر مختلف حالتوں اور ضرورتوں کے مطابق نشوونما دیکر حد کمال تک پہونچانا۔

رحمانیت وہ صفت ہے جو ہر شئے کو اپنے حد کمال تک پہونچنے کے لئے ضروری اسباب اس کے وجود میں آنے سے پہلے مہیا کرتی ہے ۔ ماضی کے ایک بعید نقطہ کا تصور کرو جب ہمارا یہ کرۃ سورج کے ملتہب کرہ سے الگ ہو کر ٹھنڈا ہوتا رہا ۔ اس کے بعد معتدل حالت میں آیا تو اس قابل بنا کہ زندگی کے عناصر اس میں نشوونما پا سکیں ۔ اس کے بعد اس میں نباتات اگنا شروع ہوئے ۔ ندیاں اور چشمے جاری ہوئے ۔ اس کے بعد مختلف قسم کے حیوانات نشوونما پائے اور یہ کرۂ زمین اس قابل ہوئی کہ اس میں حضرت انسان رہ سکیں ۔ اس کی مثال اس محبت بھری ماں کی ہے جس کا چہیتا بچہ علی گڑھ تعلیم کے لئے گیا ہے جب وہ گرمی کی تعطیل میں واپس آنے لگتا ہے اور دو تین روز پہلے اس کا خط آتا ہے کہ میں فلاں ریل گاڑی سے پہونچوں گا تو دیکھئے ماں کیا کرتی ہے ۔ سن کر اس کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے ۔ وہ لڑکے کے کمرے کو جھاڑ جھوڑ کر صاف کرتی ہے ۔ اس کی خواہش کے مطابق کمرہ آراستہ کرتی ہے ۔ اس کی خواہش کے پھل پھول لا رکھتی ہے ۔ وقت سے پہلے کھانا تیار رکھتی ہے ۔ اور اسٹشن پر گاڑی اور کوئی آدمی لانے روانہ کرتی ہے ۔ بعینہٖ اسی طرح حضرت آدم کے آنے سے پہلے اس دنیا کو سنوارا گیا کہ وہ یہاں رہ سکیں ۔ یہ سب صفت رحمانیت کی کرشمہ سازیاں ہیں ۔ پھر جیسے ظاہری نشوونما کے لئے اسباب مہیا کئے اسی طرح اس کے باطن کو آراستہ کرنے اس کی روح کو سنوارنے کے لئے بھی سامان مہیا کئے ۔ چنانچہ پیغمبروں کا آنا ۔ کلام الٰہی لانا ۔ یہ سب شان رحمانیت کی جلوہ فرمائیاں ہیں ؎

اس محسن کریم کے قربان جائیے　　　احسان جس کا صورت احسان میں نہیں

یہ انتظامات مکمل کر کے انسان کو وجود میں لایا جاتا ہے ۔ ماں کی پیٹ میں اور طرح سے غذا دی جاتی ہے ۔ پیدا ہونے کے بعد چونکہ اس کا معدہ ثقیل غذا کو برداشت نہیں کر سکتا ۔ اس کو رقیق دودھ دیا جاتا ہے ۔ پھر وہ دودھ تدریجاً گاڑھا کیا جاتا ہے اور جب معدہ میں غذا کے ہضم کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے تو

وہ غذائیں دیجاتی ہیں جو لذیذ وخوش ذائقہ ہوتی ہیں۔ اسی طرح اور تمام ضروریات کی تکمیل ہے۔ مچھلی کو پانی میں تیرنے کو پھڑے ملتے ہیں۔ پرندکو پر۔ چرند کو پاؤں۔ غرض مطابقت کے لحاظ سے سامان دئے جاتے ہیں ؎

اُس محسن کریم کے قربان جایئے   احسان جس کا صورت احسان میں نہیں

تخلیق کے بعد دوسرا پہلو جو روشن ہو کر ہمارے روبرو آتا ہے وہ تسویہ ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس عالم میں ایک مقررہ انتظام ہے۔ منضبط ترتیب ومناسبت ہے۔ زندگی کے لئے پانی اور رطوبت کی ضرورت ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ پانی کے وافر ذخیرے ہر طرف موجود ہیں۔ پھر وہ خاص طریقہ سے سمندروں سے بلندی کی طرف جاتا ہے اور وہاں سے چھوٹے چھوٹے قطروں میں برستا ہے۔ ہر گوشہ اور ہر حصہ کو سیراب کرتا ہے۔ پہاڑ اور سطح مقامات برابر مستفیض ہوتے ہیں۔ تیسری چیز مقدار ہے یعنی کائنات کو جو چیز بخشی جاتی ہے ایک خاص اندازے سے دی جاتی ہے وَکُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِمِقْدَارٍ۔ سورج گرمی پہونچاتا ہے۔ اسی اندازے سے جتنی ضرورت ہے۔ پانی کو انجرات بناتا ہے اور وہ بلند ہوتی ہیں ہوائیں انجرات کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہونچاتی ہیں اور پھر اسی انداز سے وہ برستا ہے ؎

اُس محسن کریم کے قربان جایئے   احسان جس کا صورت احسان میں نہیں

چوتھی صفت جو انسان میں مرکوز ہے وہ ہدایت ہے جو پہلے وجدان کی کیفیت رکھتی ہے۔ جیسے بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کی چھاتی ٹٹولتا ہے۔ اس کے بعد اک اور شعور پیدا ہوتا ہے اور وہ عقل کو پختہ کرتا ہے۔ غرض ربوبیت کے یہ چار شعبے ہیں تخلیق۔ مطابقت۔ مقدار۔ ہدایت۔ ہر بچہ کو پیدا ہوتے ہی نظام ربوبیت سے سابقہ پڑتا ہے۔ مگر جیسے جیسے بچہ ہوش سنبھالتا ہے اُس کو نظام رحمانیت کی خصوصیات سمجھ میں آتی ہیں وہ غور کرتا ہے کہ اس عالم کو اللہ تعالیٰ نے کس طرح سنوارا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ صرف پرورش ہی نہیں ہے بلکہ پرورش سے بھی زیادہ بنانے سنوارنے اور فائدہ پہونچانے کی حقیقت کام کر رہی ہے۔ اس کی فطرت میں بناؤ۔ بناؤ میں خوبی۔ خوبی میں اعتدال۔ اعتدال میں حسن موجود ہے۔ غرض ہر لحہ اس کارخانے کی تعمیر جاری ہے۔ جو صورت بگاڑ اور خرابی کی ہوتی ہے وہ دور کر دی جاتی ہے۔ ہٹا دی جاتی ہے۔ کائنات کے عناصر مختلفہ میں ایک ترکیب ہے اور وہ ترکیب اس کی اعتدالی حالت کے تسویہ کا نتیجہ ہے۔ اعتدال میں ہر چیز بنی رہتی ہے اور اعتدال سے ہٹ کر بگڑ جاتی ہے۔ یہی اعتدال۔ تناسب تعمیری اور ایجابی حقائق کی اصل ہیں۔ وجود۔ زندگی

تندرستی حسن ۔خوشبو ۔نغمہ ۔بناؤ ۔خوبی یہ سب اس کے مختلف نام ہیں ۔یہ ظہور تعمیری اور تحسینی شکل میں کیوں ہے ؟ اس لئے کہ رحمت کا یہ تقاضا ہے کہ جو چیز ظہور میں آئے وہ بہتر ہو ۔نافع ہو ۔تاکہ ضرورت کا مدعا پورا ہو سکے ۔جو چیز ضرورت کے مدعا کو پورا نہ کرے یعنی جو چیز نافع نہ ہو وہ ہٹادی جاتی ہے جمال و زیبائش بقار کا سامان پورا کرتے ہیں ۔اس لئے وہ باقی ہیں جہاں ضرورت کے پورا کرنے سے عاری ہوئے ۔وہ ہٹادئے جاتے ہیں ۔غرض فطرت کے تمام کاموں میں کامل نظم اور یکسانیت کے ساتھ مفید اور کار آمد ہونے کی خاصیت پائی جاتی ہے ۔گویا تمام کارگاہ عالم اس لئے بنا ہے کہ ہمیں فائدہ پہونچائے اور ہماری حاجت روائیوں کا ذریعہ ہو ۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند ۔

اس کے بعد ایک دوسری صفت کارفرما ہوتی ہے وہ صفت رحیمیت ہے یعنی وہ صفت جو ان سامانوں سے فائدہ اٹھانے پر اعلیٰ درجہ کے ثمرات مترتب فرماتی ہے اور اُس کا اثر خواہ اس دنیا میں ظاہر ہو یا نہ ہو اس دنیا میں چند قانون کے تحت ہوتا ہے ۔وہ قوانین درج ذیل ہیں ۔

فطرت کے افادہ اور فیضان کی سب سے بڑی بخشایش اُس کا عالم گیر حسن و جمال ہے حسن کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایسا ہے جیسا کہ ہونا چاہئے اور جہاں ہونا چاہئے ۔انگلی کا سیدھا ہونا اور ابرو کا ٹیڑھا ہونا حسن ہے ۔پھول اپنی جگہ حسین ہے اور کانٹا اپنی جگہ حسین ہے ۔

لیکن بقائے ہستی کا یہ بناؤ ۔یہ حسن ۔یہ ارتقائے عالم قائم نہیں رہ سکتا اگر اس میں بقار اور خرابی کے ازالے کے لئے ایک اٹل قوت سرگرم کار نہ رہتی ۔یہ قوت کیا ہے ؟ فطرت کا انتخاب ہے ۔ فطرت ہمیشہ چھانٹتی رہتی ہے وہ ہر گوشہ میں خوبی اور بہتری ہی باقی رکھتی ہے ۔فساد و نقص محو کر دیتی ہے ہم اس انتخاب سے بے خبر نہیں ہیں ۔ہم اوسے بقائے اصلح کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں ۔

لیکن قرآن مجید بقائے انفع کا ذکر کرتا ہے ۔وہ کہتا ہے کہ کارگاہ فیضان و جمال میں صرف وہی چیز باقی رکھی جاتی ہے جس میں نفع ہو ۔ وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۖ وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ۔

دوسرا قانون یہ کارفرما ہے کہ عمل کا فوری نتیجہ ظہور پذیر نہیں ہوتا جو کچھ ہوتا ہے آہستہ آہستہ اور بتدریج ۔اس طرز سے مہلت اور ڈھیل کا فائدہ ہوتا ہے ۔اسی لئے اس کو قانون تدریج و امہال کہتے ہیں ۔ہر حالت ۔ہر تاثیر ۔ہر انفعال کے ظہور و بلوغ کے لئے ایک خاص مدت مقرر

کردی گئی ہے اور ضروری ہے کہ بتدریج۔ درجہ بدرجہ۔ مختلف منزلیں پیش آئیں۔ پھر ہر منزل اپنے آثار اور انداز رکھتی ہے اور آنے والے نتائج سے خبردار کرتی ہے۔ اسی طرح موت بھی کمزوری اور فساد کا ایک طول طویل سلسلہ ہے۔ درخت بھی اگر آبیاری سے محروم ہو جائے تو دفعتاً نہیں گر پڑتا۔ بلکہ بتدریج شادابی کی جگہ پژمردگی کی حالت طاری ہوتی ہے۔ پھر خشک ہونا شروع ہوتا ہے۔ پھر جڑ کھوکھلی ہوتی ہے۔ پھر گر پڑتا ہے۔ کائنات خلقت کے تمام تغیرات کا یہی حال ہے۔ یہ مدت اجل ہے اور یہ تدریجی طرز عمل تکویر سے تعبیر کی گئی ہے۔ یہ سب اس لئے ہے کہ کائنات ہستی میں فضل و رحمت کی مشیت کام کر رہی ہے۔ اور چاہتی ہے کہ ہر غلطی کے لئے تلافی کے لئے مہلت اصلاح مل جائے۔

انسان مسلسل جدوجہد میں مبتلا ہے اور ہر طرف سے محنتوں اور کاوشوں میں گھرا ہوا ہے۔ بہ حیثیت مجموعی زندگی اضطراری ذمہ داریوں کے بوجھ اور مسلسل مشقتوں کی آزمائش ہے۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ۔ مگر اس مشقت میں دلبستگی۔ مشغولیت اور انہماک ہے ہر شخص اپنی زندگی سے خوش ہے تسکین حیات کے لیے قانون اختلاف پیدا کیا تاکہ یکسانی اور یکرنگی سے اکتا نہ جائے۔ اوقات کا اختلاف۔ موسم کا اختلاف۔ خشکی و تری کا اختلاف دن رات کا اختلاف یہ سب بے شمار مصلحتوں کے علاوہ زیب و زینت و معیشت کی تسکین و راحت کا بھی موجب ہے۔ ؎

گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینت چمن — اے ذوقؔ اس چمن کو ہے زیب اختلاف سے

اسی قانون اختلاف کا ایک گوشہ قانون تثنیہ بھی ہے۔ ہر چیز کا اللہ تعالیٰ نے جوڑا پیدا کیا۔ اس ازدواجی زندگی سے معیشت پیدا ہو جاتی ہے اور محبت وسکون کا باعث ہوتا ہے۔ اسی سے توالد و تناسل کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اسی طرح درجات کا اختلاف بھی انہماک حیات کا بڑا محرک ہے۔

ایک اور قانون قانون اتقان ہے۔ یعنی کائنات خلقت کی ہر چیز کا درستگی اور استواری سے ہونا۔ جس میں کہیں کجی خلل۔ نقصان بے ڈھنگاپن نظر نہ آئے صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ۔

صفت عدالت جزا و سزا کا قانون ہے۔ ہر حالت کوئی نہ کوئی اثر رکھتی ہے۔ ہر چیز کا کوئی نہ کوئی خاصہ ہے۔ اسی طرح اعمال میں بھی خواص و نتائج ہیں جیسے جسمانی موثرات جسم پر مرتب ہوتے ہیں۔ معنوی موثرات سے روح متاثر ہوتی ہے اعمال کے

یہی قدرتی خواص و نتائج ہیں جنہیں جزا و سزا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اچھے عمل کا نتیجہ اچھائی ہے۔ برے عمل کا نتیجہ برائی ہے اور یہ عذاب ہے۔ جیسے آگ جلاتی ہے۔ پانی ٹھنڈک پیدا کرتا ہے۔ سنکھیا موت لاتی ہے اسی طرح اعمال اپنے مکافات رکھتے ہیں۔ تم گیہوں کو بوتے ہو تو گیہوں ہی کاٹتے ہو۔ یہ مکافات کا قانون تمہاری زندگی کے لئے یقینیات میں سے ہے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ۔

فطرت کائنات ربوبیت اور رحمت کے ساتھ اپنے مجازات بھی رکھتی ہے۔ ایک طرف پرورش اور بخشش ہے تو دوسری طرف مواخذہ و مکافات۔ سوال یہ ہے کہ فطرت کے مجازات اُس کے قہر و غضب کا نتیجہ ہیں یا عدل و قسط کا۔ جس کا فکر نارسا عدل و قسط کی حقیقت نہ معلوم کرسکا اُس نے مجازات کو قہر و غضب پر محمول کیا۔ اور یہیں سے خدا کی صفات میں خوف و دہشت کا تصور پیدا ہوگیا۔ حالانکہ اگر وہ فطرت کائنات کے اور قریب ہو کر دیکھ سکتا تو معلوم کرلیتا کہ جس مظاہر کو قہر و غضب پر محمول کر رہا ہے وہ قہر و غضب کا نتیجہ نہیں ہیں۔ بلکہ عین مقتضائے رحمت ہیں ؎

اللہ کو قہار بتانے والو — اللہ تو رحمت کے سوا کچھ بھی نہیں

اگر فطرت کائنات میں مکافات کا مواخذہ نہ ہوتا۔ یا تعمیر کی تحسین و تکمیل کے لئے تخریب نہ ہوتی تو میزان عدل قائم نہ رہتا۔ اور تمام نظام ہستی درہم و برہم ہو جاتا۔

تم نے ربوبیت اور رحمت کے مقامات کا مشاہدہ کیا ہے۔ اگر ایک قدم آگے بڑھو تو عدالت کا مقام بھی نمودار ہو جائے۔ تم دیکھو گے کہ اس کارخانۂ ہستی میں بناؤ سلجھاؤ۔ خوبی و جمال میں سے جو کچھ بھی ہے وہ اس کے سوا کچھ نہیں۔ کہ عدل و توازن کی حقیقت کا ظہور ہو۔ عدل کے معنی ہیں برابر ہونا۔ اشیاء کا کیفیت اور کمیت میں ایک تناسب کے ساتھ ظاہر ہونا ہی اعتدال ہے۔ وجود کیا ہے؟ عناصر کی ترکیب کا اعتدال۔ جسم کیا ہے؟ مواد کی ایک خاص اعتدالی حالت۔ صحت کیا ہے؟ اخلاط کا اعتدال۔ حسن کیا ہے؟ تناسب و اعتدال کی ایک کیفیت۔ اگر انسان میں ہے تو خوبصورت ہے۔ نباتات میں ہے تو خوشنما پھول ہے۔ جمادات میں ہے تو ہیرا ہے۔ عمارت میں ہے تو تاج محل ہے۔ نغمہ کی حلاوت کیا ہے؟ سروں کی ترکیب کا اعتدال و تناسب۔ قرآن کہتا ہے کہ جب عدالت کا یہ قانون کائنات خلقت کے ہر گوشے میں نافذ ہے تو کیونکر ممکن ہے کہ انسان کے افکار و اعمال کے لئے بے اثر ہو جائے لہٰذا قرآن نے بھلی اور برائی کے لئے جتنی تعبیرات کی ہیں۔ وہ سب عدل و توازن کی ضد و مخالف ہیں۔ مثلاً ظلم = وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ مَوْضِعِهٖ۔ طغیان یعنی

چیز کا حد سے گزر جانا۔ اسراف = مقدار سے زیادہ خرچ کرنا۔ تبذیر = کسی چیز کو ایسی جگہ خرچ کرنا جہاں نہ کرنا چاہیئے۔ فساد = خروج الشیء عن الاعتدال۔

غرض ربوبیت۔ رحمانیت۔ رحیمیت اور مالکیت انھیں صفات کو ام کہنا چاہیئے جن سے دیگر صفات الٰہی بھی پیدا ہوتی ہیں۔ انھیں چار صفات میں دوسرا کمال یہ ہے کہ مذاہب عالم کے کل اصول باطلہ کی تردید ہے۔ صفت ربوبیت میں اس بات کا رد ہے کہ خدا کی ذات یا صفات میں کوئی دوسرا شریک ہوسکتا ہے۔ وہ روح اور مادہ کا بھی رب ہے۔ اس لئے روح اور مادہ اس کی کسی صفت میں (جیسے غیر مخلوق ہونا) شریک نہیں ہوسکتے ایسا ہی بت پرستی اور شرک کی تردید ہے کیونکہ مستحق حمد و عبادت الٰہی وہی ذات ہوسکتی ہے جو دوسروں کی ربوبیت کرے اور ربوبیت کرنے والی ذات صرف ایک ہی ہے۔ صفت رحمانیت میں جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بلا بدل رحم کرتا ہے کفارہ کے عقیدے کی تردید کرتا ہے۔ کیونکہ کفارہ کے عقیدے کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اللہ تعالیٰ رحم بلا بدل نہیں کرسکتا۔ اس لئے اُس کا بیٹا انسانوں کے گناہوں کا معاوضہ بنایا جاتا ہے۔ مگر رحمانیت چاہتی ہے کہ رحم بلا بدل بھی ہو اور اُن کے پیدائش سے قبل سامان مہیا رہیں۔ صفت رحیمیت میں جس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کے اعمال پر جو اس کے قوانین کی فرمانبرداری میں ہوں اللہ تعالیٰ بڑے بڑے اجر دیتا ہے ایسے عقائد کی تردید ہے جو انسان کے اعمال کے محدود ہونے کی وجہ سے اُن کے اجر کو بھی محدود قرار دیتے ہیں اور اس لئے نجات کو عارضی قرار دیتے ہیں۔ صفت مالکیت میں جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ گو قوانین کی نافرمانی پر سزا دیتا ہے مگر اس کا معاملہ اپنی خلق کے ساتھ مالک کا معاملہ اپنی ملک کے ساتھ ہے۔ تناسخ وغیرہ کے عقیدے کی تردید ہے جن کی رو سے اللہ تعالیٰ کوئی گناہ معاف نہیں کرسکتا۔ اس لئے ہر گناہ کی پاداش میں انسانوں کو بے شمار جونوں میں سے گذرنا پڑتا ہے۔ اور جس طرح عقائد باطلہ کی تردید اس حصہ میں ہے پچھلے حصہ میں ہر ایک قوم کی افراط و تفریط کی تردید ہے سوائے اسلام کے جس قدر مذاہب پائے جاتے ہیں وہ اپنی موجودہ حالت میں صرف ایک شاخ اخلاق انسانی پر ہی سارا زور دیتے ہیں۔ اس لئے اُن میں تفریط و افراط کی غلطیاں پیدا ہوگئی ہیں یعنی ایک شاخ پر حد سے زیادہ زور دیا اور دوسری کو بالکل نظرانداز کردیا۔ اسلام کی تعلیم کا خلاصہ یہاں اعتدال یا میانہ روی قرار دیا گیا ہے جو ایک طرف تفریط سے بچاتا ہے اور دوسری طرف افراط سے محفوظ رکھتا ہے۔ بس اس سورہ فاتحہ میں (۱) ہر ایک باطل کی تردید ہے۔ (۲) اس کے مقابل میں عقائد و اعمال میں اُن اصول حقہ کی تعلیم ہے جو بطور بنیاد کے ہیں۔ دین حق کا تمام تر ماحصل کیا ہے؟

(۱) خدا کی صفات کا ٹھیک ٹھیک تصور۔ (۲) قانون مجازات کا اعتقاد۔ (۳) معاد کا یقین (۴) فلاح وسعادت کی راہ اور اس کی پہچان۔ ان سب کا خلاصہ مختصر الفاظ میں سیدھے سادھے بیان کے ساتھ اس سورت میں موجود ہے۔ واضح۔ دلنشین اور وجدانی عقائد کا ٹھیک ٹھیک اعتراف وتعبیر۔ دعائیہ پیرایہ میں بنیادی گمراہی کا ازالہ کرتی ہوئی حمد سے شروع ہوتی ہے۔ ربوبیت اور رحمت کا اعتراف کرتی ہے۔ سزا وجزاء کے قانون کا اعتراف ہے۔ عبادت واستعانت کو حصر کرتی ہے۔ اسلوب بیان نے توحید کے تمام مقاصد پورے کر دے۔ اور شرک کی تمام راہیں بند کر دیں حمد معرفت الٰہی کی راہ میں انسان کا پہلا تاثر ہے۔

نظام ربوبیت جس میں تربیت معنوی۔ ہدایت وجدانی۔ حواسی مدرکات ذہنی۔ وحی تخلیق بالحق۔ رحمت کی جہت سے خوبی وکمال ہیں۔ بناؤ ہے حسن ہے جس کا انحصار اعتدال پر ہے۔ تعمیر وتحسین فطرت کا خاصہ ہے اور اس زیبائش کا مبدء رحمت ہے۔ نظم کامل۔ افادہ وفیضان۔ قانون مجازات (یعنی جزا وسزا کا قانون) گو عدالت پر منحصر ہے مگر یہ سب رحمت کی بدولت ہیں۔ بگاڑ بھی بناؤ کے لئے ہے۔ تخریب بھی تعمیر کے لئے۔ تعمیر میں تحسین۔ تحسین میں موزونیت وتناسب جس کا نتیجہ بقائے اصلح یا بقائے انفع ہوتا ہے جو فساد ونقص کو چھانٹتی رہتی ہے۔ تدریج واجہال کا موقع بہم پہنچاتی رہتی ہے۔ کوئی بات اچانک نہیں ہوتی۔ بلکہ آہستہ آہستہ۔ مہلت اور ڈھیل کے ساتھ۔ تاثیر اور انفعال کے ساتھ ظہور وبلوغ کے لئے مدت مقرر کر دی ہے۔ تعمیر کے لئے وقت اور ہر چیز کے لئے اس کی اجل (مقدار) مقرر ہے جس کو یوم یا اجل سے تعبیر کیا ہے۔ اس مہلت سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ نقصان اور فساد کی اصلاح کرنی چاہیئے تسکین حیات۔ دلبستگی۔ انہماک۔ مشغولیت۔ سرگرمی اور ولولے یہ سب بقا کی جدوجہد وکشاکش سے پیدا ہوتے ہیں اور موجب لذت اور موجب محویت ہوتے ہیں۔

قانون تثنیہ یہ ہے کہ ہر چیز کے لئے اس کا مقابل پیدا کر دیا۔

خدا کا تصور ہمیشہ انسانی زندگی کا محور رہا ہے۔ قرآن نے وہ تصور ربوبیت رحمت۔ رحیمیت اور عدالت یا مالکیت کے صفات میں پیش کیا ہے۔ اس کے بعد اہم سوال مقام نبوت کی حدبندی کا تھا۔ یعنی معلم کی شخصیت کی اصلی جگہ تاکہ شخصیت پرستی کا ہمیشہ کے لئے سدباب ہو جائے۔

قرآنی تین اصول یہ ہیں:۔ (۱) ہوا وہوس کی مخالفت (۲) نجات کا مدار اعتقاد وعمل پر سمجھنا۔ (۳) اصل دین خدا پرستی ہے جیسی کہ رسول نے تعلیم دی۔

عبادت یہ ہے کہ اپنے آپ کو پوری عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری میں لگا دے

عبادت کو انسانی زندگی کی غرض فرمایا ہے کیونکہ انسان اپنے کمال کو نہیں پاسکتا جب تک کہ وہ اپنے قویٰ کو اللہ تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری میں نہ لگادے۔ انسانی عبادت اس کی خود کی بہتری کے لئے ہے اللہ تعالیٰ کو نہ اس سے فائدہ ہے نہ نقصان۔

صراط مستقیم۔ افراط و تفریط سے۔ تکذیب و غلو سے پاک ہے۔ یہ افراط و تفریط تمام حقوق میں ہوسکتی ہے۔ نبی کا انکار تفریط۔ اُس کو خدا بنانا اِفراط۔ ہر حق کا انکار تفریط۔ اور اس کو مرتبے سے بڑھانا افراط۔

سورۂ بقرہ ۲ ربط و خصوصیات: یہ سورۃ مدنی ہے۔ مخاطبت زیادہ تر یہودیوں سے ہے۔ اُن کے اعتراضات کا جواب ہے۔ سورہ فاتحہ میں یہ دعا تھی کہ اھدنا الصراط المستقیم۔ اس کے جواب میں یہ کہا کہ ذالک الکتاب لاریب فیہ۔ ھدیً للمتقین۔ پھر صراط مستقیم بتاتا ہے کہ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کا گروہ وہ گروہ ہے جو ان اصولوں پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ مغضوب علیھم سے یہود کا تذکرہ اور ضآلین سے نصاریٰ کا تذکرہ دیا۔ چونکہ سورہ فاتحہ ساری قرآنی تعلیم کا نچوڑ ہے۔ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ قرآن شریف کی ابتدا اسی سورہ سے ہوتی ہے۔ چنانچہ یہاں ابتدا ہی میں اس پاک کتاب کے اغراض و مقاصد بیان کردیے۔ کہ یہ خدائے علیم کی طرف سے ہے جو نہ صرف فطرت انسانی اور ضروریات بشری کو جاننے والا ہے بلکہ گذشتہ اور آیندہ کی تمام باتوں کو بھی جانتا ہے۔ اس کتاب کی غرض ہدایت یا دنیا کو راہ راست پر لانا ہے۔ پھر وہ اصول بیان کئے جن پر چل کر انسان ہدایت پاسکتا ہے وہ کل پانچ اصول ہیں۔ تین عقائد کے رنگ میں (ایمان بالغیب۔ ملائکہ و وحی پر ایمان۔ آخرت یعنی جزا و سزا پر یقین) اور دو عمل کے رنگ میں حقوق اللہ۔ (نماز۔ دعا) اور حقوق العباد یعنی انفاق یعنی اپنی قوتوں اور مال مخلوق خدا کی بھلائی کے لئے خرچ کرنا۔ اس سے کامیاب اور بامراد ہوتے ہیں۔ اس سورت کی غرض بھی مسلمانوں کو ایک زندہ قوم بنانا ہے۔

سورہ: تیح صفات متقین۔ نوع انسانی کی تین قسمیں (۱) مومن (۲) کافر (۳) منافق اور ان کے صفات کا ذکر۔ صفات بالا کے نتائج۔ زمین کی مخلوقات میں نوع انسانی کی برتری اور مخلوقات ارضی کا اُس کے لئے ہونا تاکہ انسان اُن کو اپنے کام میں لائے۔ انسان کا زمین میں خدا کا خلیفہ ہونا۔ حضرت آدم کا قصہ۔ لغزش۔ اعتراف۔ توبہ۔ نئی زندگی کا آغاز۔ ہدایت۔ بذریعہ وحی الٰہی اور انسانی سعادت و شقاوت کا قانون۔ صبر اور نماز دو بڑی روحانی قوتیں ہیں جن سے اصلاح نفس اور انقلاب حال میں مدد لی جاسکتی ہے۔ بنی اسرائیل کے ایام و وقائع محکومی اور غلامی سے قوم کا اخلاق

پست ہوجاتا ہے۔ اور بلند مقاصد کے لئے جوش وعزم باقی نہیں رہتا۔ اس اصل عظیم کا اعلان کہ سعادت ونجات ایمان وعمل سے وابستہ ہے نسل وخاندان یا مذہبی گروہ بندی کو اس میں دخل نہیں۔ بنی اسرائیل میں عمل کا فقدان۔ کثرت سوال۔ بلاضرورت باریک بینیاں۔ اُن کا قتل انسان میں بے باک ہونا قلبی واخلاقی حالت کا انتہائی تنزل۔ ان کی بنیادی گمراہی کہ اُن میں کتاب اللہ کا سچا علم باقی نہیں رہا اور نہ سچا عمل اُن کے علماء حق فروش۔ اپنی رائے اور خواہش کو ترجیح دینے والے۔ قرآن مجید کا اعلان کہ جنت ودوزخ کی تقسیم قوموں کی تقسیم کی بناء پر نہیں ہے۔ بلکہ اس کا مدار ایمان وعمل پر ہے۔ علمائے یہود جمود میں مبتلا تھے۔ قبول حق میں جو موانع پیش آتے ہیں اُن میں سب سے بڑا مانع نسلی یا جماعتی یا شخصی حسد ہونا۔ نجات اخروی کے یقین رکھنے والے موت سے خائف نہیں ہوتے۔ بنی اسرائیل کی ضعف عقل وایمان پر اس واقعہ سے استشہاد کہ جادوگروں کے شعبدوں پر جھک پڑے اور کتاب اللہ کی تعلیم پس پشت ڈال دی۔ ضمناً خرافات کی تردید۔ بنی اسرائیل کے ایام و وقائع سے درس عبرت۔ یہود ہر چیز بلا محنت مانگتے رہے۔ شریعت کا بدلنا نسخ کے لئے ہوتا ہے یا نسیان کے بعد اگر تعلیم بہتر بنانا ہے تو نسخ ہوتا ہے اور اگر لوگوں نے بھلا دیا ہے تو اسی کا اعادہ۔ اصل کے اعتبار سے سب سچے ہیں اور عمل کے اعتبار سے سب جھوٹے۔ عالمگیر سچائی۔ خدا پرستی اور نیک عملی ہے۔

حضرت ابراہیم کی آزمائش۔ منصب امامت کا عطیہ۔ معبد کعبہ کی تعمیر۔ امت مسلمہ کے ظہور کی دعا۔ تحویل قبلہ کا ذکر۔ پیروان دعوت سے خطاب کہ سرگرم عمل ہو جاؤ۔ دعوت عمل کے ساتھ ہی اُن اصول ومہمات کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا جن کے بغیر کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔ (۱) صبر ونماز کی قوتوں سے مدد لو (۲) موت کے خوف سے اپنے دل کو پاک کرو (۳) مرکز قبلہ سے وابستگی اور حج کا قیام (۴) کتاب اللہ کی تعلیم وتذکیر سے غافل نہ ہو۔ (۵) عقل وبصیرت سے کام لینے۔ کائنات وخلقت میں تدبر وتفکر کرنے۔ حقائق ہستی کی معرفت حاصل کرنے کا حکم۔ (۶) اللہ پر ایمان اور اللہ کی محبت لازم وملزوم ہیں (۷) پیشوایان باطل کی پیروی سے بچو۔ اس کے بعد فروعی احکام حلت وحرمت چوپایہ۔ اعتقاد وعمل کی وہ باتیں جنھیں قرآن دین کے حقیقی مطلوبات قرار دیتا ہے:۔ I قصاص کا حکم۔ انسانی مساوات کا اعلان۔ خون بہا لیا جاسکتا ہے۔ قصاص سے زندگی کی حفاظت مقصود ہے۔ II وصیت کرنے کا حکم III رمضان میں روزے رکھنے کا حکم IV حج کے احکام۔ V خیرات کا حکم VI جہاد کا حکم۔ VII نکاح وطلاق۔ سلسلہ بیان پھر جہاد کے احکام ومصالح کی طرف لوٹتا ہے۔ جو جماعت موت سے ڈرتی ہے وہ زندگی کی کامرانیاں حاصل نہیں کرسکتی۔ طالوت کی سرگذشت اور اس کے حقائق: (۱) جس گروہ میں

صبر و استقامت کی روح نہیں ہوتی اُس میں بسا اوقات سعی و عمل کے ولولے پیدا ہو جاتے ہیں لیکن جب آزمائش کا وقت آتا ہے تو بہت کم ثابت قدم نکلتے ہیں (۲) حکومت کا اہل وہی ہے جس میں اُس کی صلاحیت ہو۔ اگرچہ وہ مال وجاہ سے محروم ہو۔ (۳) صلاحیت کے لئے اصلی چیز علم ہے اور جسم کی قوت یعنی دماغی اور جسمانی استعداد۔ (۴) جماعت کو چاہیئے کہ مقرر شدہ سردار کی سچے دل سے اطاعت کرے۔ جس جماعت میں اطاعت نہیں وہ کشمکش حیات میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔ (۵) طالوت کا پانی سے روک کر صبر و اطاعت کا امتحان لینا (۶) فتح و شکست کا دارومدار جسموں کی کثرت و قلت پر نہیں ہے بلکہ قوت پر ہے۔ اللہ کی مدد انہیں کو ملتی ہے جو صابر و ثابت قدم ہوتے ہیں۔ (۷) سچی دعا وہ ہے جو استعداد عمل کے ساتھ ہو۔ (۸) یہ اللہ کا فضل ہے کہ ایک گروہ کے ظلم کو دوسرے گروہ کی مقاومت سے دفع کرتا رہتا ہے۔ (۹) اگر خدا چاہتا تو انسان کی طبیعت ایسی بنادیتا کہ نزاع و خلاف کی استعداد ہی نہ ہوتی مگر اُس کی حکمت کا فیصلہ یہ ہوا کہ انسان کو مجبور و مضطر نہ بنائے۔ ہر راہ میں چلنے کی قدرت دیدے (۱۰) جب جنگ ناگزیر ہے تو اُس سے غفلت نہ کرو اور تیاری میں اپنا مال خرچ کرو۔

اس اصل عظیم کا اعلان کہ اعتقاد و دین کے معاملہ میں جبر و اکراہ جائز نہیں۔ جہاد کے ذکر کے ساتھ یہ ذکر کہ جنگ کی اجازت ظلم و تشدد کے انسداد کے لئے دی گئی ہے۔ نہ کہ دین کی اشاعت کے لئے۔ دین کی اشاعت کا ذریعہ دعوت ہے۔ دعوت کی راہ تلقین و ہدایت کی ہے۔ جدل و خصومت کی نہیں۔

VIII انفاق فی سبیل اللہ۔ اللہ کے لئے خرچ کرنا نیکی ہے۔ دکھاوے کی خیرات اکارت۔ نکمی چیز نہ دو۔ خیرات کا ایک بڑا مصرف اعانت فی الدین ہے۔ IX سود کی حرمت X لین دین کے احکام XI رہن یعنی گروی رکھ کر قرض لینا۔ خاتمہ پر دین حق کے عقائد و اعمال کا خلاصہ جس سے ابتدا ہوئی تھی۔

آلِ عمران ۳

خصوصیات:۔ یہ سورت بھی مدنی ہے۔ جیسا سورۂ بقرہ میں زیادہ مخاطبت یہود سے تھی اور عیسائیوں سے ضمناً۔ اُسی طرح اس سورہ میں زیادہ مخاطبت عیسائیوں سے ہے اور ضمناً یہودیوں سے۔ عمران حضرت موسیٰ کے والد کا نام تھا۔ اس سورہ میں چونکہ اس کا ذکر کیا گیا ہے کہ پیغمبری خاندان عمران سے منتقل ہو رہی ہے۔ اس لئے اس کا لقب آل عمران دیا گیا۔

خلاصہ مضمون:۔ اس سورہ میں عیسائی مذہب کے دعووں کی تردید کی ہے اور ساتھ ہی یہ بتا دیا کہ عالمگیر مذہب اسلام ہے جو ساری دنیا میں پھیلے گا۔ جنگ احد کا ذکر کیا ہے جس میں بظاہر مسلمانوں کی

ناکامیابی نظر آتی تھی مگر اس کی تہ میں ایک عظیم الشان کامیابی تھی۔ غرض یہ ہے کہ اگر کفر کے مقابلہ میں اسلام کی حالت کسی وقت مصیبت اور درماندگی کی نظر آئے تو اُس سے مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ عقیدہ الوہیت کی تردید کرتے ہوئے، بتادیا کہ عیسائیوں کو ٹھوکر اس لئے لگی کہ انھوں نے محکم اصول دین کو چھوڑ کر متشابہات کی پیروی کی۔ ذکر اس پیرایہ میں ہے کہ مسلمان متنبہ ہو جائیں اور فرع کو اصل کے ماتحت کردیں۔

سورہ: اللہ الحی اور القیوم ہے جن صفات کا مقتضایہ تھا کہ انسانی زندگی و قیام کے تمام احتیاجات مہیا کردے۔ احتیاجات دو طرح کی ہیں جسمانی اور روحانی۔ روحانی احتیاجات کے لئے دو چیزیں دی گئیں ہیں۔ الکتاب۔ الفرقان۔ سنت الٰہی یہ ہے کہ جو لوگ الکتاب کا معاندانہ مقابلہ کرتے ہیں اور فرقان یعنی عقل و تمیز سے کام نہیں لیتے اُن کے لئے دنیا میں نامرادی ہے اور آخرت میں عذاب الکتاب کے مطالب کی دو قسمیں ہیں محکمات اور متشابہات۔ محکمات اصل و بنیاد ہیں اس لئے عقل انسانی کے لئے کھلے اور صاف احکام ہیں۔ متشابہات کا تعلق اُن حقائق سے ہے جو ماورائے عقل انسانی ہیں اور انسان اپنے ادراک اور حواس سے اُن کی حقیقت معلوم نہیں کرسکتا۔

دین الٰہی کی حقیقت یہ ہے کہ خدا کے ٹھہرائے ہوئے قانون کی اطاعت کی جائے وہ قانون میزان عدل کا قیام ہے جس پر تمام کارخانۂ قدرت چل رہا ہے۔ اس کی معرفت یوں حاصل ہوسکتی ہے کہ کائنات ہستی کی شہادتوں پر غور کرو۔ وہ شہادتیں تین ہیں۔ اللہ۔ ملائکہ اور اصحاب علم کی۔ یہ شہادتیں اللہ کے معبود ہونے کی اور کارخانۂ ہستی قانون عدل پر استوار ہونے کی شہادت دیتی ہیں۔

پیروان مذہب کا تفرقہ و اختلاف اس لئے نہیں ہوا کہ دین مختلف تھے بلکہ اُن کی ضد اور تعصب کی وجہ سے۔ یہودیوں کی گمراہی، شقاوت۔ کم علمی کا اظہار۔ پیروان دعوت کو سرگرم عمل ہونے کا اعلان۔ مسیح علیہ السلام کی دعوت سے استشہاد۔ حضرت مریم کی پیدائش کا ذکر حضرت۔ ذکریا کی دعا۔ حضرت یحییٰ کی پیدائش۔ حضرت مریم کا بلوغ۔ برگزیدگی۔ مسیح کی پیدائش۔ عیسائیوں کے اعتقاد باطل کی تردید۔ مباہلہ کی دعوت۔

جزائے عمل، عمل کا قدرتی نتیجہ ہے۔ مال و دولت سے بچنا محال ہے۔ توبہ گناہوں کو محو کردیتی ہے۔ قرآن نے مسلمانوں کا جماعتی نصب العین یہ نہیں قرار دیا کہ سب سے طاقتور ہوں بلکہ سب سے بہتر ہوں۔

جنگ بدر اور اُس کے تجارب سے استشہاد۔ اصحاب تقویٰ کے چار خصائل۔ دنیا میں نیکوں اور بدوں دونوں کو مہلت ملتی ہے اُس سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے۔ آخری کامیابی اصل کامیابی ہے۔

حق کی معرفت اور استقامت کا سرچشمہ ذکر اور فکر ہے۔ ذکر سے غفلت دور ہوگی۔ فکر سے معرفت اور حقیقت کے دروازے کھل جائیں گے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ وہ انسانی عمل کو ضائع ہونے نہیں دیتا۔ تین بصیرتیں جو سورت کے بیانات کا خلاصہ ہیں، سورت کی ابتداء اس بیان سے ہوئی تھی کہ خدا انسان کی روحانی سعادت کے لئے اپنا کلام نازل کرتا ہے۔ اس کا قانون یہ ہے کہ جو لوگ اُسے قبول کرتے ہیں سعادت و کامرانی پاتے ہیں۔ جو شرارت اور سرکشی سے مقابلہ کرتے ہیں نامراد رہتے ہیں۔ اسی سلسلۂ ہدایت کے ماتحت الکتاب یعنی قرآن نازل ہوا ہے۔ اب سورہ کا اختتام بھی اسی بیان پر ہو رہا ہے یہ گویا سورت کے تمام بیانات کا ماحصل ہے کہ

(۱) دعوت قرآن کے مخالف کتنی ہی سعی و تدبیر کریں اور بظاہر عارضی طور پر کتنے ہی خوش حال نظر آئیں لیکن بالآخر ہونا یہی ہے کہ دعوت قرآن کامیاب ہو۔

(۲) اہل کتاب کی جو جماعتیں عرب میں دعوت حق کا مقابلہ کر رہی ہیں اُن سب کے لئے بالآخر نامرادی اور تباہی ہے۔ البتہ جو لوگ سچائی کی راہ اختیار کرینگے اُن کے لئے کھٹکا نہیں۔

(۳) پیروان دعوت قرآن کے لئے دستور العمل یہ ہے کہ صبر کریں۔ راہ عمل میں ایک دوسرے کے ساتھ بندھ جائیں اور ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہیں۔ اگر انھوں نے ایسا کیا تو کامیابی انھیں کے لئے ہے۔

سورۃ النساء

خصوصیات :۔ مدنی۔ جنگ احد کے بعد۔ اس میں حقوق زوجین کا ذکر ہے اس لئے اس نام سے موسوم ہوا۔ اس میں عورتوں کے حقوق۔ معاشرت اور خانہ داری کے متعلق امور کا ذکر ہے۔

خلاصہ مضمون : تین بڑے عنوانوں کے تحت آتا ہے۔ (۱) یتیموں اور عورتوں کے حقوق اور اُن سے تعلقات۔ (۲) منافقین۔ (۳) یہودی۔ جنگ احد سے بڑے بڑے امور پیدا ہوئے مسلمان مارے گئے۔ یتیم بچے اور بیوہ عورتیں رہ گئیں اس لئے یتامیٰ اور عورتوں کے حقوق پر بحث کی۔ جنگ احد میں منافق الگ ہو گئے۔ اس جنگ سے یہودیوں کی چھپی ہوئی خباثتیں اور عداوت ظاہر ہوگئی۔ اس سورت میں اُن کی فتنہ پردازیوں کا ذکر کھول کر کیا ہے اسی اثناء میں جو برتاؤ اُنھوں نے مسیح سے کیا اس کو بھی بتا دیا۔ پھر عیسائیوں کے غلو کا ذکر کیا۔

ربط : سورہ بقرہ اور آل عمران میں اصل غرض اس بات کا بتانا تھا کہ مسلمانوں کی قوم کس طرح کامیاب

اور زندہ قوم بن سکتی ہے۔ اُس کے بعد اندرونی معاملات قومی پر ہدایات ضروری تھیں اور چونکہ قوم کی زندگی کی بنیاد میاں بیوی کے تعلقات پر ہے اس لئے ترتیب قرآنی میں پہلی دو سورتوں کے بعد اس کی ضرورت تھی کہ معاشرت کے صحیح اصول کو بتایا جائے۔

سورہ: حکمت الٰہی کی یہ بڑی کارفرمائی ہے کہ اُس نے انسان کی پیدائش اور معیشت کا نظام کچھ اس طرح کا بنا دیا کہ پہلے وہ ایک فرد واحد سے پیدا ہوتا ہے۔ پھر اُس کی نسل سے بے شمار افراد پیدا ہوتے ہیں پھر ہر فرد کی نسل سے الگ الگ سلسلے قائم ہو جاتے ہیں جو خاندان قبیلے اور بستیوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اس صورت حال نے افراد کے باہمی اجتماع و اتحاد کے لئے صلہ رحمی یعنی نسلی قرابت کا رشتہ پیدا کر دیا ہے۔ اگر یہ موثرات نہ ہوتے تو انسان کی زندگی میں انفرادیت کی جگہ اجتماعیت پیدا نہ ہوتی۔ پس نظام معاشرت کی درستگی کے لیے ضروری ہے کہ صلہ رحمی کے حقوق کی حفاظت کی جائے۔ (۱) اس سلسلے میں سب سے زیادہ زور مستحق یتیم بچوں پر دیا گیا۔ ضمناً نکاح کا حکم کہ اگر مرد استطاعت رکھتا ہو تو چار تک بیویاں رکھ سکتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ انصاف کرے (۲) مال قیام زندگی کا ذریعہ ہے اس لئے جب تک یتیم اپنے مفاد کی حفاظت نہ کر سکیں مال و متاع اُن کے قبضہ میں نہ دو۔ (۳) مال و دولت کو فضول خرچی میں اڑا دینا بڑی معصیت ہے۔ وہ ایک امانت ہے اور دیانت داری سے حفاظت تمہارا فرض ہے (۴) حقدار کو اس کا حق دو تو اس پر گواہ کر لو (۵) حقدار ہونے کے لحاظ سے مرد اور عورت دونوں برابر ہیں۔ (۶) ورثہ تقسیم کرو تو خاندان کے یتیم و مسکین افراد کو فراموش نہ کرو (۷) یتیموں کے مال میں خیانت کرنے پر آخرت کے عذاب کی وعید۔ (۸) ترکے کی تقسیم اور حقداروں کے حصے کا بیان۔ (۹) میت کی وصیت کی تعمیل کرو اس کا قرض ادا کرو۔ پھر جو بچے وارثوں میں تقسیم کرو (۱۰) کلالہ کی میراث کا حکم (۱۱) بدچلن عورتوں اور مردوں کی تعزیر کا حکم۔ ضمناً یہ بھی بیان کیا گیا کہ سچی توبہ انھیں کی ہے جن کو گناہ پر اصرار نہ ہو۔ جاہلیت کے تمام ناانصافیوں کو جو عورت کے بارے میں روا سمجھی جاتی تھی روک دینا۔ عورتوں کے ساتھ معاشرت نیکی اور انصاف پر مبنی ہونا چاہیئے۔ (۱۲) جن رشتوں میں باہم نکاح جائز نہیں اُن کا بیان۔ II معاشرتی زندگی کے چند اصول۔ III عموم شفقت و احسان IV نماز۔ طہارت اور تیمم کے احکام۔ اہل کتاب کی گمراہی V مسلمانوں سے خطاب۔ دفع نزاعات کے مہمات۔ (۱) حقدار کے حق کا اعتراف اور اُس کی حوالگی (۲) دو فریق میں حق و انصاف سے فیصلہ (۳) صاحب اختیار کی اطاعت۔ انعام یافتہ جماعتیں چار ہیں (۱) انبیاء (۲) صدیقین (۳) شہدا (۴) صالحین۔

منافقوں کی بعض خصوصیات کا ذکر VI دشمنوں سے جنگ کی صورت میں بعض اصول کا بیان VII قضاء و عدالت کے بعض بنیادی مہمات خدا کا قانون یہ ہے کہ جس کا عمل جیسا ہوگا ویسا ہی نتیجہ پائے گا۔ قانون عمل کے ذکر کے سلسلے میں پھر قرابت داروں کے حقوق کی طرف پھیر دیا۔ VIII گواہی دینے کے احکام۔ ایمان باللہ کی تفصیل۔ منافقوں کے فضائل و اعمال۔ عذاب و ثواب اعمال انسانی کا قدرتی نتیجہ ہے۔ یہودیوں کی شقاوت اور ان کا غلو۔ سورت کا اختتام بھی قرابت داروں کے حقوق کے ذکر پر ہوا۔

نوٹ ۱:۔ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ط۔ تمنا صرف دل میں تصور کرنے کا نام ہے جس کی حقیقت نہ ہو۔ اور جس فضیلت کا یہاں ذکر ہے اُس سے وہ امور مراد نہیں جو انسان بطور کسب نہیں لیتا بلکہ وہ وہبی امور ہیں جن میں انسان کو رکھ دیا گیا ہے۔ کسی کو مرد بنایا کسی کو عورت۔ کسی کو قوی کسی کو ضعیف۔ کسی کو امیر گھر میں پیدا کیا کسی کو غریب گھر میں یا کسی کو قوائے دماغی اعلیٰ درجے کے دیئے کسی کو کم۔ اور تمنا کو اکتساب کے مقابل لاکر واضح کر دیا کہ ایسی آرزوئیں کرتے رہنا کہ میں امیر کیوں نہ ہوا۔ مرد کیوں نہ ہوا وغیرہ۔ یہ سب باطل آرزوئیں ہیں تو پہلا حکم تو یہ ہے کہ ایسی باطل آرزوئیں نہ کیا کرو پھر اس کے بعد اصول بتایا کہ جن حالات میں انسان پیدا ہوا ہے انھیں حالات میں کام کرنا چاہئے اور بقدر طاقت خرچ۔ بدلہ تو بقدر سعی و اکتساب ملے گا۔ اگر ناسازگار حالات میں سعی کی تو زیادہ اجر کا مستحق ہوگا۔

نوٹ (۲) اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ اُن کو حکم دیا گیا کہ ہاتھوں کو تو قتال سے روکیں اور نماز روزہ ادا کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے لئے دو جہاد ہیں۔ ایک جہاد اصلاح نفس کے لئے دوسرا حفاظت دین کے لئے۔ ان میں جہاد اصلاح نفس مقدم ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ کی اجازت اُس وقت دی اور وہ بھی مشروط جب پہلے ان کو اصلاح نفس کے جہاد میں کامیاب دیکھا۔ نماز یا عبادت سے انسان کے اندر فروتنی اور نرمی کے اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔ زکوٰۃ سے انسانی ہمدردی قوت پکڑتی ہے۔ جو قومیں اپنی تکمیل نفس کے بغیر جنگوں میں پڑ گئی ہیں اُن میں صرف اخلاق خشونت ہی پرورش پاتے رہے۔ نرمی اور فروتنی کے اخلاق بالکل دب گئے نتیجہ یہ ہوا کہ ظلم و خونخواری۔ محکوم کو ذلیل حالت میں رکھنا۔ انتقام کی سخت خواہش۔ یہ باتیں اُن میں پیدا ہوگئیں سپاہی کو جنگ کے لئے تیار کرنے کے واسطے اللہ تعالیٰ نے نماز اور زکوٰۃ کو ضروری ٹھہرایا۔ آج جو لوگ قوم کو ذلت کی حالت سے نکالنا چاہتے ہیں اُن کے لئے ان الفاظ میں صحیح ہدایات موجود ہیں۔

اس کے علاوہ کوئی طریقہ کار اختیار کرنا قرآن کی پیروی نہیں۔ اسلام کی غرض تکمیل نفس انسانی ہے۔ اور اس کے دو ستون نماز اور زکوٰۃ ہیں یہ تعمیری پروگرام ہے۔

المائدہ ۵ خصوصیات: مدنی۔ ابتدائے مخاطبت پیروان دعوت سے ہے۔ پھر یہودیوں اور عیسائیوں سے ہے۔ اور بعض حصہ منافقین سے ہے۔ حضرت عیسیٰ کے حواریوں نے درخواست کی کہ اُن کو خوان ملے حضرت عیسیٰ کی دعا پر خوان اترا۔ اس سورت میں عیسائیت کی غلطیوں اور فاسد عقائد و خیالات کا ذکر ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو متنبہ فرمایا ہے کہ عیسائیوں کی طرح دنیا کی چیزوں کی حد سے زیادہ محبت میں مبتلا نہ ہو جائیں اور نہ دنیوی آسائشوں کی طلب میں منہمک ہو جائیں۔ یہ سورت تمدن پر بھی بحث کرتی ہے اور متمدن قوموں کا میلان بھی عموماً دنیوی آسائشوں کی طرف حد افراط تک چلا جاتا ہے۔ پس اس پہلو سے متنبہ کرنا ضروری تھا کہ متمدن بنو تو نری روٹی کی فکر میں نہ لگ جاؤ۔

خلاصہ مضمون: جس طرح پچھلی سورت میں معاشرت کا ذکر ہے اور اس کے ساتھ بالخصوص یہودیوں کا۔ اس سورت میں تمدن کا ذکر ہے اور اس کے ساتھ بالخصوص عیسائیوں کا اور دونوں باتوں کی طرف اشارہ کرنے کو اُس کی ابتدا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ سے کی ہے کیونکہ اگر ایک طرف تمدن کی بنیاد معاہدات پر ہے تو دوسری طرف شریعت بھی چند عقود ہی ہیں۔ عیسائیوں نے شریعت کا استخفاف کرکے اُسے غیر ضروری قرار دیا حالانکہ آسمانی کتاب کا نام بھی نیا عہد نامہ ہے اور اس طرف توجہ دلاتے ہوئے یہ بتلایا گیا کہ جب نظام عالم جسمانی بدوں قوانین و معاہدات کے ایک روز بھی قائم نہیں رہ سکتا تو مذہب کا انتظام بدون اتباع قوانین و بدوں ایفائے معاہدات کیونکر قائم رہ سکتا ہے۔

سورہ: مسلمانو! اپنے معاہدے پورے کرو۔ جانوروں کی حلت و حرمت کا ذکر۔ حرمت کے مہینے۔ دین کی تکمیل کا اعلان۔ وضو اور تیمم کا حکم۔ دین کی تکمیل اور نعمت کا اتمام چاہتا ہے کہ تم اپنی سیرت میں عدل و صداقت کا پیکر بن جاؤ۔ علمائے یہود کی شقاوت۔ عیسائیوں کی گمراہی کسی بات کی ٹوہ میں رہنا۔ اور ادھر کی بات اُدھر لگانا ایمان اور راستی کے خلاف ہے۔ حزب اللہ کی بشارت۔ اوامر و نواہی (۱) ترک دنیا کی مذمت۔ حلال کو حرام سمجھنا دین کی حد سے گذرنا ہے (۳) لغو قسموں کا اعتبار نہیں۔ شراب۔ جوا۔ معبودان باطل کے نشان (۵) احرام کی حالت میں شکار کی ممانعت (۶) گندی اور مضر اشیا کتنی ہی ملیں راغب نہ ہو۔ دانشمند آدمی اشیاء کی کثرت و قلت نہیں دیکھتا۔ نفع و نقصان پر نظر رکھتا ہے (۷) جانور چھوڑنے کی کوئی اصلیت نہیں (۸) دوسروں کی گمراہی اور بدعملی تمہارے لئے حجت نہیں ہو سکتی۔ ہر انسان اپنی نفس کا جواب دہ ہے۔

وصیت اور اُن کی گواہی۔ قیامت کے دن تمام رسولوں سے پوچھا جائے گا کہ تمہاری امتوں نے تمہاری دعوت کا کیا جواب دیا۔ عیسیٰ علیہ السلام سے خطاب اور اُن کے معروضات۔ نزول مائدہ۔ حضرت عیسیٰ کا معروضہ کہ عیسائیوں کی گمراہی سے میں بری ہوں۔

الانعام خصوصیات: مکی۔ توہمات کی بناء پر بعض جانوروں کی پرستش کرنا جہلائے عرب میں جاری تھا جس کی ممانعت توحید باری کے قیام کے لئے ضروری تھا جو اس سورہ میں کی گئی۔ اسلام کی غرض توحید الٰہی کا بیان کرنا اور اُن رسوم و رواج کی بیخ کنی تھا جو شرک سے تعلق رکھتی ہوں۔ جب تک مشرکانہ رسوم نہ نکلیں گے توحید حقیقی حاصل نہیں ہوسکتی۔

خلاصہ مضمون: اصل مضمون توحید الٰہی ہے۔ ضمناً رسالت کا ذکر بھی آگیا ہے پہلے شرک فی الذات کی تردید کی۔ پھر شرک فی العبادت کی۔ اُس میں فطرت انسانی کی شہادت کی طرف توجہ دلائی اس کا مضمون توحید ہے اس لئے چاہیئے تھا کہ ابتداء میں رکھا جاتا مگر چونکہ یہ ایک علمی مسئلہ ہے اس لئے مسلمانوں کی تعلیم کی ابتداء ایسی سورت سے کی جس میں اُن کی فلاح اور بہبودی کے طریقہ سمجھائے۔ پھر معاشرت اور تمدن کی عملی تعلیم کے بعد توحید کے مضمون کو بیان کیا تاکہ مسلمان سمجھ لیں کہ اُن کی مقدم ضروریات کیا ہیں۔

سورہ: خدا نے کائنات (خلقت) پیدا کی۔ روشنی اور تاریکی نمودار کر دی۔ منکرین امتیاز نہیں کرتے۔ انسان کے لئے دو اجلیں ٹھہرادی گئی ہیں ایک عمل کے لئے ایک نتائج عمل کے لئے۔ گذشتہ قوموں کی سرگذشت میں تمہارے لئے درس عبرت ہے۔

برہان فضل و رحمت کا استدلال جس سے کوئی گوشہ خالی نہیں۔ خدا کی ہستی و صفات پر قرآنی استدلال کہ وہ فطرت انسانی کی وجدانی احساسات کو پیدا کرتا ہے۔ قانون امہال اس دنیا میں کارفرما ہے۔ دعوت و اصلاح امت کے دو اہم اصول۔ (۱) روسائے مکہ کا ادنیٰ درجہ کے ساتھ مجلس میں بیٹھنے سے انکار اور قرآن کا اعلان کہ جو خدا پرست اور نیک عمل ہیں انھیں کا درجہ اعلیٰ ہے۔ استعجال بالعذاب کی تشریح۔ توحید الٰہی کی حجت جو حضرت ابراہیم پر القاء کی گئی۔ دنیا میں اختلاف فکر و عمل ناگزیر ہے اس کی کد نہ کرو کہ ہر شخص تمہاری بات ضرور ہی جان لے۔ حق و باطل کے معاملہ میں انسانوں کی کثرت و قلت معیار نہیں ہوسکتی۔ جانوروں کی حلت و حرمت کے بارے میں اوہام۔

ایمان زندگی ہے اور کفر موت ہے۔ زندہ اور مردہ وجود برابر نہیں ہوسکتا۔ مشرکین عرب سے اتمام حجت حلت و حرمت کے احکام کی تصریح۔ سورت کے خاتمے پر اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ قوموں کے

انقلابات جس طرح ہوچکے ایک اور انقلاب درپیش ہے۔ پیروان قرآن جانشین ہوں گے۔

الاعراف

خصوصیات: مکی۔ قبل ہجرت۔ حضرت موسیٰ کے واقعات کا ذکر۔ چونکہ اس سورت میں ضرورت نبوت پر بحث ہے اس لئے ان کے نام میں انبیا کے بلند مقام کی طرف توجہ دلائی ہے۔

خلاصہ مضمون: نبوت پر بحث ہونے کی وجہ سے اسی اصل مضمون کے مطابق اس کی ابتدا اس آیت سے کی ہے کہ کتاب اللہ کی غرض کیا ہے۔ اور اس کا فائدہ کیا ہے۔ توحید کے بعد نبوت کا ذکر لازم تھا۔ مذہب کی یہی دو عظیم الشان بنیادیں ہیں اور یہ بھی ضروری تھا کہ توحید کے ذکر کے بعد نبوت کا ذکر آتا۔

سورہ و ہدایت وحی کا مقصد تذکیر و تنذیر ہے نتائج عمل کا قانون اور اعمال کا موازنہ کامیاب وہ ہوگا جس کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا۔ ظہور آدم۔ ملائکہ کا سجدہ۔ ابلیس کی سرکشی۔ آدم سے بھی لغزش ہوئی مگر اس نے سرکشی نہیں کی۔ اب بنی آدم کے لئے دو راہیں ہوگئیں۔ اطاعت کرنا اور لغزش ہونے پر توبہ و اعتراف۔ ابلیس کی نافرمانی اور اعتراف کی جگہ سرکشی۔ نوٹ (۱) پہلا میلان انسان کا بدی کی طرف نہیں سے شروع ہوتا ہے کہ وہ اس کے ارتکاب میں لذت دیکھتا ہے۔ یا اسے اپنی زندگی کے سامانوں کا موجب سمجھتا ہے۔ نوٹ (۲) معصیت کا ارتکاب پہلے پہل پشیمانی لاتا ہے۔ وہی حالت آدم اور ان کی بیوی کی ہوئی اور جب اپنی کمزوری کا احساس ہوگیا تو اب انسانی کوشش شروع کی۔ نوٹ (۳) انسان صرف اپنی کوشش سے وساوس شیطانی سے نہیں بچ سکتا اس لئے وحی الٰہی کی ضرورت ہے۔ اس مضمون کو جاری رکھتے ہوئے تمام نسل انسانی کو خطاب کرکے بتایا ہے کہ وحی الٰہی کی پیروی سے تم شیطان سے بچ سکتے ہو۔

لباس جسم و لباس روح معصیت کا سرچشمہ دنیا نہیں بلکہ دنیا کا بے اعتدالانہ استعمال ہے۔ گمراہی کا بڑا سرچشمہ اندھی تقلید ہے۔ دین کی تین بنیادیں: (۱) عمل میں اعتدال (۲) عبادت میں توجہ (۳) خداپرستی میں اخلاص۔ رہبانیت کا رد۔

جب پانی برسنے کو ہوتا ہے تو پہلے بارانی ہوائیں چلنے لگتی ہیں اسی طرح جب روحانی سعادت کا موسم قریب ہوتا ہے تو علامتیں نمودار ہوتی ہیں لیکن بارش کی برکتوں سے وہی زمین فائدہ اٹھائے گی جس میں استعداد ہوگی۔ پچھلی دعوتوں کا تذکرہ۔ اور اس سے استشہاد۔ نوح۔ عاد۔ ثمود۔ لوط۔ قبیلہ مدین۔ حضرت موسیٰ کی دعوت کا تذکرہ۔ محکومانہ زندگی کا پہلا اثر یہ ہوتا ہے کہ عزم اور ہمت کی روح پژمردہ ہوجاتی ہے۔ اس اصل عظیم کا اعلان کہ حواس انسانی مشاہدہ اور ادراک حق سے عاجز ہیں۔

تدریج و امہال کا قانون۔ اس اصل عظیم کا اعلان کہ خدا کی ہستی کا اعتقاد انسان کی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا ہے۔ قیامت کا ظہور اجرام سماویہ کا عظیم ترین حادثہ ہوگا۔ پیروان مذہب کی عالمگیر گمراہی کہ توحید ربوبیت کے معترف ہیں اور توحید الوہیت میں کھوئے گئے۔

الانفال ۸ خصوصیات:۔ مدنی۔ جنگ بدر اور تقسیم مال غنیمت سے متعلق ہے کہ جنگ میں جو مال ملے وہ جائز ہے لیکن مال کا حاصل کرنا اصل غرض نہیں بلکہ آپس میں صلح اللہ اور رسول کی اطاعت اللہ کا ذکر کرنا پکا مومن بنتا ہے۔

ربط: الاعراف میں نبوت پر بحث کرتے ہوئے بتایا تھا کہ گذشتہ امتیں جنھوں نے حق کو روکیا یا اُس کا استیصال کرنا چاہا ان کا انجام کیا ہوا۔ اس سورت کے آخر میں بتایا کہ حضور کے اعداء کو بھی تدریجاً پکڑینگے۔ اور حضور کو تسلی ہے کہ ہم یوں ہی اسلام کی ہمیشہ تائید کرتے رہیں گے۔

سورہ: پیروان دعوت کو قرآن نے جس جنگ کی دعوت دی اُس کی نوعیت اور صورت حال کی تحلیل۔ ایمان گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ مال غنیمت انفرادی حق نہیں ہے بلکہ حکومت کا ہے۔ جنگ بدر میں ملائکہ کا نزول تاکہ کم تعداد مسلمانوں کا دل مضبوط کریں۔ ایمان کی دعوت سرتاسر تعقل و فکر کی دعوت ہے اور کفر کی حالت عقل و حواس کے تعطل کی حالت ہے۔ اجتماعی زندگی کے فتن و خطرات۔ کوئی قوم نعمت سے محروم نہیں ہو سکتی جب تک۔ وہ اپنے آپ کو محرومی میں مبتلا نہ کر دے۔ دفع ظلم کے لئے جنگ ایک ناگزیر برائی ہے جب کوئی اور چارہ کار باقی نہ رہے تو اُسے مجبوراً گوارا کر لینا چاہیے۔ لیکن ہر حال میں اصل کار امن و صلح رہے۔ جنگ بدر کے قیدیوں کا معاملہ۔ وفائے عہد ضروری ہے۔

نوٹ (۱) دشمن کے مقابلہ کے لئے مسلمانوں کو دو باتوں کا حکم دیا (۱) قوت یعنی دشمن کی مدافعت کا سامان خواہ گولہ بارود سے ہو خواہ جہاد قلمی و علمی سے (۲) مستعد رہنا جس کو یہاں رباط الخیل کہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دشمن کو اتنا موقعہ نہیں دینا چاہیئے کہ وہ سرحد سے آگے نکل سکے بلکہ مقابلہ سرحد پر کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ دشمنوں نے اکثر ملک میں داخل ہو کر مسلمانوں کی جڑیں کاٹیں۔

سورہ توبہ ۹ ربط: یہ سورت سورۂ الانفال سے شدید تعلق رکھتی ہے۔ اسی لئے بعضوں نے اس کو اُس کا تتمہ سمجھا۔ بسم اللہ بھی درمیان میں نہیں ہے۔ پچھلی سورت میں جنگ بدر کا ذکر کرکے مخالفین کو سمجھایا کہ جنگ سے رُک جاؤ تو بہتر ہے یہاں اُس ذلت کا نقشہ کھینچا ہے

کہ کس طرح آخر کار کفر کا زور ٹوٹا۔ گو نزول میں سات سال کا فرق ہے۔ کثیر حصہ جنگ تبوک سے متعلق ہے اس سورت میں جنگوں کا مضمون بھرا ہوا ہے اور اسی کے ساتھ جنگوں کا خاتمہ ہے۔

خصوصیات : مدنی ہے۔ قریش مکہ کی بدعہدی۔ اور جنگ کے لئے چار ماہ کا الٹی میٹم۔ ایک آخری و داعی پیام تھا اس میں آیندہ مرحلوں کے لئے مخاطبین کو تیار کیا جا رہا ہے۔

سورہ : قریش مکہ کی بدعہدی۔ جنگ کے لئے چار ماہ کی مہلت۔ حرم کعبہ میں مشرکین کی ممانعت مومن وہ ہے جس کی حب ایمانی پر دنیا کی کوئی محبت غالب نہ آسکے حقیقی نیکیاں اور رواجی نیکیاں علائق زندگی کے آٹھ رشتے۔ ایمان باللہ کا تقاضا یہ ہے کہ ان میں سے کوئی رشتہ بھی رشتۂ حق پر غالب نہ آسکے۔ اس حقیقت کی تلقین کہ فتح و کامرانی کی بنیاد تعداد کی کثرت پر نہیں ہے۔ دلوں کی مضبوطی پر ہے۔ امت کے بہترین طبقے تین ہیں۔ مہاجرین۔ انصار اور وہ نوجوان جو اُن کے قدم بقدم چلے۔ سچے مومنین کے مدارج سبعہ اور اُن کی تشریح قرآن کے نزدیک سیر و سیاحت سچے مومنوں کا ایک بہترین عمل ہے اور حصول فضائل و ترقی مدارج کا ذریعہ۔ عورتوں کے لئے بھی اُسے ایک بہترین وصف قرار دیا۔ جزیہ کا حکم اور اُس کی نوعیت۔ اسلامی حکومت اور غیر مسلم شہریوں کے حقوق۔ اہل کتاب کی بعض گمراہیوں کا ذکر۔ قمری مہینوں کا حساب قدرتی حساب ہے۔ حکم زکوٰۃ اور اسلام کا نظام اجتماعی۔ یہ نظم انفرادی نہیں ہے۔ جماعت کا اقتصادی مسئلہ بغیر تنظیم زکوٰۃ کے حل نہیں ہو سکتا۔ حقیقت نفاق استعداد عمل کے لحاظ سے طبیعت انسانی کی تین مختلف قسمیں ہیں۔ مستعد۔ مفسد۔ درمیانی۔ اس درمیانی حالت کو قرآنی زبان میں نفاق کہتے ہیں۔

سورۂ یونس ۱۰

خصوصیات : سورہ انعام کی طرح اس سورت میں بھی خطاب مشرکین عرب سے ہے مواعظ کا مرکز دین حق کے مبادی و اساسات ہیں۔ نام اس بات کی طرف توجہ دلانے کے لئے ہے کہ جس طرح حضرت یونس کی قوم آخر ایمان لا کر ہلاکت سے بچ گئی تھی۔ ویسا ہی معاملہ آنحضرتؐ کی قوم سے ہوگا۔ یعنی یہ قوم تباہ نہ کی جائے گی بلکہ آخر راہ راست پر آجائے گی۔

خلاصہ مضمون : اس سورت میں زیادہ تر توجہ اللہ تعالیٰ کے رحم کی طرف دلائی ہے کہ وہ کس طرح مصائب میں انسان پر رحم فرماتا ہے اور کفار کو اللہ تعالیٰ کے بے انتہا رحم سے فائدہ اٹھانے کی نصیحت کی ہے۔

ربط : پچھلی سورت کا خاتمہ اس بیان پر کیا تھا کہ یہ رسول جو تمہارے پاس آیا تو جب

تمہیں کوئی تکلیف پہونچتی ہے تو اُسے رنج ہوتا ہے۔ اس لئے اس سورت میں بتایا کہ گو وحی الٰہی کی تکذیب اور ساری ہمت اس دنیا پر صرف کرنے پر عذاب کا آنا لازمی ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کا رحم بھی بے انتہا ہے۔ اگر انسان ذرا بھی اس کی طرف توجہ کرے تو اس پر رحمت سے متوجہ ہوتا ہے۔ پچھلی سورت میں زیادہ تر کفار کی سزا کا ذکر تھا۔ اس سورت میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کا رحم غالب ہے بشرطیکہ کوئی فائدہ اٹھانے والا ہو۔ عام ترتیب میں یہ سات سورتیں النحل تک ایک ہی مضمون کی ہیں۔ ان میں اثبات نبوت ہے۔

سورہ: مرکز موعظت۔ منکروں کا قرآن کی حیرت انگیز تاثیر سے عاجز آجانا۔ اور جادو گری کہنا۔ توحید ربوبیت۔ توحید الوہیت پر استدلال۔ حیات آخروی پر تین دلیلیں۔ قانون امہال۔ اسباب وعلائق کا سہارا۔ رجوع الی اللہ سے انسان کو غافل کردیتا ہے۔ مگر جوں ہی یہ سہارا ٹوٹتا ہے انسان دیکھنے لگتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی نہیں۔ اس سورت حال سے استشہاد اور بحری سفر سے مثال۔ قانون قضاء بالحق وقضاء بالقسط۔ قرآن کے چار وصف: موعظت۔ شفاء۔ ہدایت۔ رحمت۔ اولیاء اللہ کے لئے نہ خوف ہو سکتا ہے نہ حزن۔

قرآن کا یہ اسلوب بیان کہ پہلے وجدانی دلائل بیان کرتا ہے۔ پھر ایام ووقائع سے استشہاد کرتا ہے۔ حضرت نوح کا اعلان۔ حضرت موسیٰ کی دعوت۔ فرعون کے جسم کی نجات۔ حضرت یونس اور باشندگان نینوا۔

پیغمبر سچائی کا مبلغ ہے۔ لوگوں کے عقائد کا نگہبان نہیں۔ تذکیر و توکیل کا فرق۔ ہر انسان کا فرض ہے کہ جو بات حق سمجھتا ہے دوسروں تک پہنچا دے۔ لیکن صرف پہونچائے۔ اپنے آپ کو ان کی ہدایت کا داروغہ اور ٹھیکیدار نہ سمجھ لے۔ ہر انسان کی جواب دہی اس میں ہے کہ اس نے تبلیغ حق کی یا نہیں کی۔ اس میں نہیں ہے کہ دوسروں نے مانا یا نہیں مانا۔

تناسخ کا عقیدہ اور قرآن۔ دنیا کے تمام علمی انکشافات اسی اصل عظیم کے اعتقاد کا نتیجہ ہیں کہ عدم احاطۂ علم سے نفی وتکذیب لازم نہیں آتی۔ زندگی کے لئے دو ہی کانٹے ہیں خوف وحزن۔ قرآن کہتا ہے کہ سعید وہ ہے جس کے لئے دونوں کانٹے بے اثر ہو جائیں۔

سورۂ ھود

خصوصیات:۔ مکی خطاب عام منکرین سے ہے لیکن خصوصیت سے مشرکین عرب مخاطب ہیں۔ اکثر پیغمبروں کے اِنذار کا ذکر کر کے ڈرایا گیا ہے۔ اس سورہ میں اُن انبیاء کا ذکر ہے جن کی امتیں سزایاب ہوئیں۔ اس میں بھی صداقت وحی پر زور دیا گیا ہے۔ خلاصہ مضمون پچھلی سورت

سے ملتا جلتا ہے۔

سورہ: گذشتہ دعوتیں۔ ایام ووقائع۔ موعظت کا مرکزی نقطہ جزائے عمل کا معاملہ ہے طبیعت انسانی کی اس کمزوری کی طرف اشارہ ہے کہ مصیبت میں مایوس ہوجاتا ہے اور شادمانی میں مغرور وغافل۔ قانون عمل اور قانون نتائج۔ نتائج کا حصول عمل پر موقوف ہے۔ عمل دو طرح کے ہیں ایک وہ جو دنیوی فائدے کے لئے ہیں دوسرے وہ جو دنیا اور آخرت دونوں کے لئے۔ جو صرف دنیوی زندگی کی دلفریبوں پر قانع ہوگیا۔ اس کے لئے صرف دنیوی زندگی ہی کے نتائج ہوں گے بشرطیکہ عمل کے شرائط پورے کرلے۔ البتہ آخرت کی سعادت سے وہ محروم رہ جائے گا۔

حضرت نوح کی دعوت۔ قوم عاد اور ھود علیہ السلام۔ قوم ثمود اور صالح علیہ السلام قوم سدوم اور لوط علیہ السلام۔ قبیلہ مدین اور شعیب علیہ السلام۔ قوم فرعون اور حضرت موسیٰ۔ قرانی قصص۔ اُن کے مقاصد وبصائر پر ایک تفصیلی نظر تذکیر وموعظت کے لئے جو باتیں بطور دلائل کے اختیار کی گئی ہیں وہ ایام ووقائع سے ہیں۔ گذشتہ قوموں کے حالات سے ہیں۔ جہاں دیکھو قوانین فطرت کی وحدت ملے گی۔ یہ بنیادی اصل ہے۔ اعمال انسانی بھی اسی میں داخل ہیں۔ یہاں بھی وہی احکام ونتائج ہیں اس لئے گذشتہ کا مطالعہ اس لئے کرنا چاہیئے کہ آیندہ کے لئے عبرت حاصل ہو یعنی جو کچھ گذر چکا ہے وہ آیندہ کے لئے ذخیرۂ بصیرت ہو۔ ماضی کے آئینہ میں مستقبل کی صورت دیکھ لی جاسکے۔ یہی تاریخ کا صحیح استعمال ہے۔ یہ قصص اطراف وجوانب کی بستیوں کے متعلق ہیں جن سے اہل عرب آشنا تھے۔ ورنہ دور ودراز بستیوں کے قصص کو ثابت کرنا ایک دوسرا کام ہوجاتا۔ نوٹ:۔ اعملوعلیٰ مکانتکم انا عاملون میں بتایا کہ نرے عقائد یا نرے لفظا ودعاوی سے کچھ نہیں ہوتا۔ بلکہ کامیابی یا ناکامی کا راز عمل میں ہے۔ عمل ہی سے انسان بنتا ہے اور اسی سے قوم زندہ ہوتی ہے۔

سورۂ یوسف ۱۲

خصوصیات:۔ مکی۔ احسن القصص۔ ایک ہی سرگذشت کا ذکر ہے۔ آنحضرتؐ کے مخالفین کو توجہ دلائی ہے کہ آنحضرتؐ کو اسی طرح ظاہری وباطنی عظمت ملے گی۔ مصر کی حکومت کا ذکر کرکے بتایا کہ آخرش آنحضرتؐ بھی عظیم الشان حکومت کے وارث ہونگے۔

سورہ: یعقوب کا گھرانا۔ حضرت یوسف کا خواب۔ بھائیوں کی سازش۔ کنوئیں میں ڈالنا۔ غلام کی حیثیت سے فروخت کرنا۔ مصر پہونچنا۔ مصری زندگی۔ عزیز مصر کی بیوی کا فریفتہ ہونا۔ اس کی ناکامی۔ حضرت یوسف کی بریت۔ شوقین عورتوں میں چرچا۔ قید خانہ کی زندگی۔ شاہ مصر کا خواب۔ اس کی طلبی۔

یوسف کا تحقیقات پر مُصِر ہونا۔ آشکارا اعلان۔ بادشاہ کا یوسف کو مختارِ عام بنانا۔ قحط سالی۔ بھائیوں کا مصر آنا۔ جاسوسی کا شبہ۔ بنیامین کا مصر آنا۔ بھائیوں کا اعتراف ذنوب۔ بازیافتگی۔

سورۂ یوسف کے مواعظ و حِکم اور اُن پر ایک مجموعی نظر:

(۱) دو ہزار برس قبل مسیح مصری تمدن کا عروج (۲) حضرت ابراہیم کا قبیلہ کنعان میں توطن اُن کی بدویانہ زندگی۔ مصریوں کا غرورِ تمدن۔ (۳) کنعانی غلام۔ (۴) غلامی کا خواجگی و آقائی ہو جانا۔ (۵) امتحانِ عصمت (۶) روحانی صداقت اور مادی ترقیات کا معاملہ (۷) قوانین عمل و نتائج عمل۔

سرگذشت کی شخصیتیں۔ (۱) حضرت یعقوب: غم کی انتہا۔ صبر کا کمال۔ یقین کا عدم تنزلزل صبرِ جمیل۔ (۲) یوسف علیہ السلام کی شخصیت۔ اُن کی سیرت کی فضیلت اور استقامت۔ کم عمری میں مصائب کا مقابلہ اور عازمانہ فیصلہ۔ رفتارِ حوادث کی پے در پے آزمائشیں۔ اور اُن کی بے داغ سیرت کی پے در پے فتح مندیاں۔ عزیز کے ساتھ معاملہ۔ امراۃ العزیز کا معاملہ۔ جواب عیش۔ قید خانہ مصر اور اُن کی سیرت کی فتح مندی۔ تبلیغ حق کا جوش اور دو قیدیوں کا معاملہ۔ دعوت حق کی چھیڑ۔ عزتِ نفس اور استقامت حق کا بلند ترین مقام۔ عفو و بخشش اور فیاضانہ درگذر کا بلند ترین معیار۔ حضرت یوسف کی آخری دعا۔ اور اُن کی روحانی عظمت۔ (۳) امراۃ العزیز کی شخصیت: ہوس و عشق کے امتیازات۔ محبت کی خامی اور پختگی کے تین مراتب۔ امرائے مصر کی ازدواجی زندگی اور عورتوں کی مطلق العنانی۔

سورۂ رعد ۱۳ خصوصیات: مکی۔ مرکزِ موعظت حق و باطل کی آویزش کا قانون ہے۔ خطاب مشرکین مکہ سے ہے۔ وحی الٰہی کو قرآن شریف نے بار بار بارش سے تشبیہ دی ہے اور اس سورت میں بالخصوص یہ ذکر ہے کہ وحی الٰہی ہی سے مردہ دل زندہ ہوتے ہیں جس طرح بارش سے مردہ زمین میں جان آتی ہے۔

خلاصہ مضمون: سب سے پہلے اس سورت میں یہ بیان ہے کہ وحی الٰہی سے انسان کیوں کر فائدہ اٹھاتا ہے مثالیں دیکر سمجھایا ہے کہ زمین اور آسمانوں میں تمام نظم کا انحصار زوجیت پر ہے یعنی ایک چیز اثر ڈالنے والی موجود ہے تو دوسری اس کے مقابل اثر قبول کرنے والی چیز ہے۔ اسی طرح قلب انسانی کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے اور بدوں اس تعلق کے جو انسان اور خدا کے درمیان وحی الٰہی سے پیدا ہوتا ہے قلب انسانی اپنے کمال کو حاصل نہیں کر سکتا۔ ان نتائج کو قبول کرنے والے دل مراتب میں فرق رکھتے ہیں اور ہر شخص اپنی استعداد کے موافق فائدہ اٹھاتا ہے۔

سورہ: قرآن فکرِ انسانی کی بناوٹ نہیں ہے۔ برہانِ حکمت و ربوبیت تخلیق عالم کے تین

مراتب، استعجال بالسیۃ۔ سچے انسان کے لئے عجیب ہونا ضروری نہیں۔ ہدایت اور شقاوت کی تقدیر اور اُس کا قانون عمل ایک کے بعد ایک آنے والی قوت ہے جو انسان کو ہلاکت سے محفوظ رکھتی ہے۔ گذشتہ اعمال ہیں جن سے حال پیدا ہوتا ہے اور حال کے اعمال اس کا مستقبل بنائیں گے انسانی حالت کی تبدیلی کا مدار خود انسان کے عمل پر ہے وہ جیسی حالت چاہے اپنے عمل اور صلاحیت عمل سے حاصل کر لے سکتا ہے۔ اگر بدحال ہے اعداً اپنے اندر تبدیلی پیدا کرتا ہے تو خوشحال ہو جائے گا اور اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی فرد یا قوم عملی صلاحیت کھو دے تو پھر ضروری ہے کہ اس کو برائی پہونچے۔ اُس نے اپنے کو اس کا مستحق بنا لیا۔ یہ برائی انفرادی حیثیت سے ہوئی۔ مجموعی حیثیت سے یعنی باغ کے لئے یا کارخانۂ عالم کے لئے تو بھلائی ہی ہے۔

حق و باطل کی آویزش میں بقائے انفع کا قانون کام کر رہا ہے۔ جو ہستی کے قیام و اصلاح کے لئے مقرر کر دیا گیا ہے۔ جو نافع ہے وہ باقی رہتا ہے۔ جو نافع نہیں ہے وہ مٹ جاتا ہے۔ دو مثالوں سے اس قانون کو سمجھایا۔ ایک بارش کے بعد جھاگ اور کوڑا بہ جانے کی۔ دوسری دھات کو تپانے سے کھوٹ علیحدہ ہو جانے کی۔ باطل وہ ہے جو نافع نہیں وہ مٹ جائے گا۔ اسی حقیقت کا ایک گوشہ بقائے اصلح ہے کہ جو صالح ہے وہ باقی رہے۔ مگر قرآن کہتا ہے کہ جو صالح ہے وہی نافع ہے۔

نوٹ (۱) عمل کرنے والا بمنزلہ ایک مادہ کے ہے اور جو عمل کرتا ہے وہ بطور حمل کے ہے اور اعمال کے نتائج حمل کی طرح مخفی رہتے ہیں وحی الٰہی اثر ڈالنے والی چیز ہے۔ انسان اثر قبول کرنے والا ہے بعض وقت انسان عمل اچھے کرتا ہے۔ مگر کوئی ایسی آفت آجاتی ہے کہ وہ نتیجہ تکمیل تدبیر ہونے سے رہ جاتا ہے جس طرح حمل بعض اوقات ساقط ہو جاتے ہیں اور بعض پوری قوت پا کر کمال کو پہونچ جاتے ہیں۔ نوٹ (۲) اعمال کی ذمہ داری کے احساس میں شرف انسانیت ہے جس قدر ترقی ہوگی اعمال کی ذمہ داری کا احساس بھی زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ اسلام نے اس کو کمال تک پہونچا دیا جب یہ قانون بتا دیا کہ کسی حال میں ہو ہر ایک عمل لکھ لیا جاتا ہے۔ لہٰذا کوئی عمل بلا نتیجہ نہیں۔ اس اصول کو تسلیم کر لینے میں نسل انسانی کی حقیقی بہتری ہے۔ نوٹ (۳) چونکہ قلب انسانی کو جب تک اطمینان میسر نہیں آتا اس وقت تک وہ ترقی کے قابل نہیں ہوتا۔ اور نہ اُس کے جوہر نشو و نما پاتے ہیں جن کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ اس لئے یہ بتلا کر کہ صرف اللہ ہی کے ذکر سے اطمینان قلب میسر آتا ہے توجہ دلائی ہے کہ قلب انسانی میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے

انقلاب عظیم پیدا ہوتا ہے۔

سورۂ ابراہیم ۱۴ خصوصیات :- مکی۔ اس میں انبیاء کے ظہور اور ظہور کے احوال و ظروف اور نتائج کو مجموعی طور پر پیش کیا ہے۔ دعوت قرآن دعوت ابراہیمی کی تجدید ہے خطاب کا رخ زیادہ تر رؤسائے قریش کی طرف ہے۔ یہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ حضرت اسمٰعیل کو وادی غیر ذی زرع میں چھوڑنا بھی حکمت پر مبنی تھا۔ تاکہ اس سے توحید کا چشمہ دوبارہ پھوٹ نکلے۔

خلاصہ مضمون: حضور کی بعثت تمام دنیا کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لائے گی حضرت موسیٰ کے ساتھ مماثلت ہونے سے ابتداء میں اُن کا ذکر کیا۔ اس میں عمومیت کے رنگ میں رسولوں اور اُن کے اعداء کا ذکر کرتے ہوئے سمجھایا کہ حق ایک ایسی چیز ہے کہ وہ نابود ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ ایک درخت ہے جس کی جڑ زمین میں مضبوط ہوتی ہے اور اُس کی شاخیں آسمان میں پھیل کر چاروں طرف سے اپنی خوراک حاصل کرتی ہیں۔ دنیا کی کوئی طاقت اوسکو تباہ نہیں کر سکتی۔ اور باطل کی چونکہ جڑ نہیں ہوتی اس لئے دنیا کی کوئی طاقت اوسکو قائم نہیں رکھ سکتی اس لئے رسول انجام کار غالب ہی ہوتے ہیں۔

سورہ: ہدایت روشنی ہے۔ ضلالت تاریکی۔ سنت الٰہی یہ ہے کہ تاریکی پھیلنے پر روشنی طلوع ہوتی ہے۔ قرآن کا نزول اسی روشنی کا طلوع ہے۔ ایسی ہی روشنی حضرت موسیٰ کے ظہور میں بھی چمکی تھی۔ حضرت موسیٰ کی موعظت، ایام اللہ، صبر و شکر کی حقیقت، شکر سے نعمت قائم رہتی ہے۔ کفران سے زائل ہو جاتی ہے۔ صبر کے معنی یہ ہیں کہ مشکلوں اور مصیبتوں کے مقابلہ میں جمے رہنا۔ شکر کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی بخشی ہوئی قوتوں کی قدر کرنا اور انہیں ٹھیک ٹھیک کام میں لانا۔ تین قوموں کا ذکر۔ ایمان کی خصوصیت کہ سرتاپا سلامتی ہے اور کفر اضطراب و محرومی چنانچہ جنت کی زندگی میں یہ پہلو نمایاں کرکے دکھلایا گیا ہے۔ اہل ایمان کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں جماؤ ہے۔ ان کی مثال شجرۂ طیبہ کی ہے۔ برخلاف اس کے ظلم و نافرمانی کی راہ کو جماؤ اور استقرار نہیں۔ اُن کی مثال شجر خبیثہ کی ہوتی ہے اول کا شیوہ کلمۂ طیبہ ہے اور دوسرے کا کلمۂ خبیثہ۔

نوٹ (۱) شکر نعمت عملی رنگ میں یہ ہے کہ حصول نعمت کے لئے جو اسباب اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں اُن سے فائدہ اٹھائے۔ یہ قانون جسمانی اور روحانی دونوں نعمتوں پر یکساں حاوی ہے۔ زمین میں اللہ تعالیٰ نے طاقت رکھی ہے کہ وہ بیج کو نشو و نما دے۔ اس نعمت کا شکر یہ ہے کہ زمین میں بیج ڈالا جائے۔ قلب انسانی میں یہ طاقت رکھی ہے کہ وحی الٰہی کے اثر سے اس کی مخفی قوتیں بڑھیں۔ اس نعمت کا شکر اس وحی کی قبولیت ہے جو اس طرح پر قدر کرتا ہے فائدہ اٹھاتا ہے جو نہیں

کرتا اُس کا انجام محرومی اور دکھ ہے۔

نوٹ (۲) شیطان کا نیکوں پر تو کیا بدوں پر بھی کوئی تسلط نہیں وہ صرف ایک تحریک ہوتی ہے جس کو بعض نفوس جو لگاوٹ کی صلاحیت رکھتے ہیں قبول کر لیتے ہیں۔ اور وہ لگاوٹ کی صلاحیت بدی پر مائل ہونے سے پیدا ہوتی ہے اور ترقی کرتی ہے۔

سورۃ الحجر ۱۵

خصوصیات: مکی۔ حجر بمعنی پتھر۔ نیز اُس وادی کا نام ہے جس میں حضرت صالح کی قوم ثمود رہتی تھی۔ یہ شام کے راستے میں تھی یہ قوم سنگدل تھی حضرت صالح کے خلاف منصوبے کئے۔

خلاصہ مضمون: قرآن کریم کی حفاظت ابدی کا ذکر ہے۔ یہ حق دشمنوں کے حملہ سے محفوظ رہے گا۔ اور تحریف سے بھی۔ شیاطین حق کو نابود نہیں کر سکتے خود نابود ہو جاتے ہیں۔ اس کے لئے تین مثالیں پیش کیں۔

سورہ: قرآن کا وصف مبین = روشن ہونا۔ برج = روشن ستارہ۔ شہاب = بھڑکتی ہوئی آگ۔ تقدیر اشیاء و نظام ربوبیت۔ الساعت = روز قیامت یا فیصلہ کا دن۔ سبعًا مِنَ المثانی قرآنی تمام تعلیم کا خلاصہ ہے۔ ایمان و عمل کی زندگی کا روزانہ دستور العمل ہے۔

سورۃ النحل ۱۶

خصوصیات: مکی۔ آخری ایام میں نازل ہوئی۔ شہد کی مکھی مختلف پھولوں پر بیٹھ کر اُن کی مٹھاس کو چوس کر ایک اعلیٰ درجہ کی شیریں شفا دینے والی چیز پیدا کر دیتی ہے اسی طرح وحی الٰہی جو قرآن میں ہے اُس نے تمام بہترین ہدایات عالم کو جو کبھی دی گئی ہوں اس کتاب کے اندر جمع کر دیا۔

خلاصہ مضمون: پچھلی سورت کا خاتمہ اعدائے اسلام کے انذار پر کیا تھا اور اس کے پہلے الفاظ میں فرمایا کہ اللہ کا حکم تکذیب پر آ ہی گیا۔ توحید کی طرف تو آثار قدرت بھی رہنمائی کر دیتے ہیں۔ مگر زندگی بعد الموت جس کی طرف صرف وحی الٰہی رہنمائی کرتی ہے اس پر ایمان کے بغیر توحید الٰہی پر ایمان بھی ناقص ہی ہوتا ہے۔ آخرت کا منکر عملاً توحید کا بھی منکر ہے۔

سورہ: امر اللہ سے مراد اللہ کی ٹھہرائی ہوئی بات۔ اس کو قضا بالحق اور شہادت الٰہی سے بھی تعبیر کیا ہے۔ اور برائی اور معصیت کو ہر جگہ قرآن نے ظَلَمُوٓا اَنفُسَھُمْ اور اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنفُسِھِمْ سے تعبیر کیا ہے۔ کسی چیز کو ظہور میں لانے کیلئے صرف اللہ تعالیٰ کا ارادہ کافی ہے۔ سایہ پہلے زمانے میں گھڑی کے بجائے تھا۔ لوگ دن کے وقت اُسی سے وقت کا اندازہ کرتے تھے۔ دختر کشی کی رسم اور اُس کی مذمت اسلام نے نہ صرف وہ رسم مٹائی بلکہ وہ ذہنیت بھی مٹا دی۔ اکتساب مال کا معاملہ انفاق کے ساتھ وابستہ ہے۔ افراد کماتے ہیں۔ جماعت کا حق خرچ کرنے کا ہے۔ سب کو الگ الگ کمانا چاہیے اور

ملکہ کھانا چاہیئے۔ سامان معیشت اگر ایک کے قبضہ میں آتا ہے تو یہ اللہ کا فضل ہے اس کی شکرگذاری میں افراد پر تقسیم کرنا چاہیئے۔ دو مثالیں عبداً مملوکاً کی۔ اور رجلین جس میں ایک بہرا۔ گونگا اور دوسرا صاحب عقل و ہوش ہے۔ قرآن ہر جگہ ایمان کو عقل و بصیرت اور ہدایت و رہنمائی کی راہ قرار دیتا ہے اور کفر کو جہل و کوری تعطل و ہیچ کاری سے تعبیر کرتا ہے۔ ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان مسلمانوں کے لئے اب آزمایش عقائد میں نہ تھی۔ اعمال میں تھی۔ اس لئے اس آیت میں عملی زندگی کے تمام مہمات بیان کر دیں۔ اسے جامع آیات میں شمار کیا ہے۔

نوٹ (۱) جس طرح انسان گھانس اور دانے سے دودھ نہیں نکال سکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی کل جو حیوانوں میں رکھی گئی ہے اس کی مدد نہ لے اسی طرح روحانی بقا کے لئے بھی اس کی اپنی کوشش کارگر نہیں ہو سکتی۔

نوٹ (۲) دشمنوں کے ایذا پر صبر کے بغیر دعوت الی الحق کا کام سرانجام نہیں دیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ایفائے عہد کو عہد اللہ سے تعبیر کیا ہے۔ جدل کے طریقے اور دعوت کے طریقہ میں فرق بتایا۔ دین کی راہ دعوت کی راہ ہے۔ جدل کی نہیں ہے۔ اگر جدل کرنا ہی پڑے تو احسن طریقے پر ہونا چاہیئے۔ یعنی راست بازی۔ دیانت۔ شیرینی اور شائستگی کے ساتھ۔ اور اگر بدلہ لینا ہی چاہو تو اس کی اجازت ہے مگر انصاف کا سر رشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ سب سے آخری آیت میں یہ عظیم الشان خوشخبری تسلی کے طور پر دی کہ اللہ تقویٰ اختیار کرنے والوں اور احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے

بنی اسرائیل ۱۷ خصوصیات:۔ مکی۔ ہجرت سے ایک سال پہلے معراج کا معاملہ پیش آیا جو وحی کی تکمیل میں تھا۔ بنی اسرائیل کے ذکر سے یہ سورت شروع ہوتی ہے اور انہیں کے ذکر پر ختم ہوتی ہے۔ اشارہ ہے کہ وہ سب برکات جو بنی اسرائیل کو دی گئیں ان کے وارث اب نبی کریم ہوں گے۔

خلاصہ مضمون: ابتداء معراج سے کیا ہے اور مسجد اقصیٰ کا ذکر لا کر بتلایا کہ وہ برکات جو بیت المقدس سے تعلق رکھتی تھیں ان کے وارث اب حضور اور ان کی امت کو کیا جاتا ہے۔ اغراض زندگی کو چھوڑنے اور صرف دنیا پر گر جانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قومیں برباد ہو جاتی ہیں۔ انسان کا ہر عمل نتیجہ پیدا کرتا ہے یہ نتائج یہاں مخفی رہتے ہیں قیامت میں کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔ ہاں دنیا میں بھی جب کوئی قوم حد سے تجاوز کرتی ہے تو یہ نتائج کھلا رنگ اختیار کر کے سامنے آجاتے ہیں۔ اس میں عروج اسلام کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور یہود کو خطاب کیا ہے کہ اب بھی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور

حق کو قبول کریں جیسے کہف کے اخیر میں عیسائیوں سے خطاب کیا ہے۔

سورہ: عبدیت اور اُس کے آثار سے اس سورے میں بحث کی جارہی ہے جو شخص عبدیت کے نقطہ پر رہ کر اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے اس کو مافوق طاقت اور قوت ملتی ہے اور جو عبدیت سے کمتر ہوکر رہتا ہے اس کو اُسی قدر ملتا ہے جتنا عوام کو ملنا چاہیئے۔ غالب قوم ہمیشہ خدا کی محبوب نہیں ہوتی بلکہ بعض اوقات صرف عذاب دینے کا ذریعہ ہے۔ پلیگ کے جراثیم اور شیر سے موت کا واقع ہونا یہ بھی عذاب کے ذرائع ہیں۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ پلیگ کے جراثیم اللہ تعالیٰ کو محبوب تھے اس لئے اُن کو غلبہ دیا گیا۔ اسی طرح غالب قومیں بھی عذاب کا ذریعہ ہیں۔ اس وقت جو مسلمانوں پر اقوام غیر کا غلبہ ہے وہ بھی ایک عذاب ہے۔ اب انسان کو اس عذاب سے نجات پانے کے لئے عبدیت کے نقطہ پر آجانا چاہیئے اُس وقت مافوق العادت طاقتیں اُس کو مل جاتی ہیں اور وہ اندھیرے میں دیکھتا ہے۔ ساتھ ہی مسئلہ تحویل سمجھنا چاہیئے کہ سزا ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہوتی ہے۔ آخرت میں جو عذاب ہونے والا ہے وہ تبدیل ہوتا ہے برزخی عذاب میں اوس سے دنیوی تکالیف میں اوس سے خوابی تکالیف میں۔ مکافات کے اس اصول کو ذہن نشین کرکے اوس پر عمل پیرا ہونا چاہیئے۔ اسلام کی تعلیم ہے کہ انسان ہمیشہ رجائیت پسند رہے۔ اور کبھی ناامید نہ ہو۔ مگر چونکہ انسانی طبیعت میں عجلت ہے وہ بمصداق اس مثل کے کہ جہاں جولاہے نے دو رکعت نماز پڑھی اور وہ وحی کا منتظر ہو جاتا ہے جلد بازی دکھاتا ہے مگر سمجھدار آدمی کو جلد بازی سے گریز کرنا چاہیئے اور زندگی کے پروگرام پر سختی سے پابند رہنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور عاقبت للمتقین ہی ہے۔ بنی اسرائیل کے دو بڑی بربادیوں کی خبر۔ اون پر دو مرتبہ دوسری قومیں مسلط ہوئیں۔ پہلی مرتبہ بخت نصر ایرانی اور پھر رومی پہلا حملہ صرف موقتی تھا اُس نے زیادہ تباہی نہ کی۔ سیلاب کی شکل میں آیا اور گذر گیا مگر دوسرے تسلط نے یہودیوں کی حالت بالکل مسخ کردی۔ اسی طرح مسلمانوں پر دو حادثے ہوئے۔ پہلا تاتاریوں کا سیلاب جو آیا اور چلا گیا۔ موقتی تھا۔ دوسرا انگریزوں کا جس نے اُن کی صورت مسخ کردی۔ مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ محبوب قوم کو غلبہ دیا گیا۔ بلکہ سزاءً بھی بعض اوقات غلبہ دیا جاتا ہے تاکہ تنبیہ ہو۔ ترقی نام ہے بیرونی اشیاء پر تسلط حاصل کرنے کا۔ اگر سواری نے ترقی کرکے موٹر کی شکل اختیار کرلی یا دیئے نے بجلی کے گولے کی شکل اختیار کرلی تو یہ انسانی ارتقاء نہیں ہے یہ ارتقاء اُس شئے کی ہے۔ انسانی ارتقاء اُس کے اندر سے ہے۔ اور عمل کا نتیجہ بھی یہ ہے کہ اُس انسان میں عمل کا نتیجہ واپس آکر جمع ہوتا رہتا ہے۔ یہ طریقہ جاری رہتا ہے۔ یہاں تک کہ عمل مسدود ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد قیامت میں یہ سب پھوٹ نکلے گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے

خطاب فرماکر جزائے عمل کا قانون سمجھایا کہ اِنَّ عُدَّ تُھُمْ عَدًّا ۔ اور انسانی کمزوری کو واضح کیا کہ وہ عاجلانہ خواہشوں کا بندہ ہے۔ قرآن کا جامع ترین وصف کہ سب سے زیادہ سیدھی راہ دکھلاتا ہے۔ انسانی کمزوری یہ ہے کہ خیر و شر میں امتیاز نہ کرکے بعض اوقات شر کا طلب گار ہو جاتا ہے۔ جس طرح اُس کو خیر کا خواستگار ہونا چاہیئے۔ اوس کی عاجلانہ طبیعت اس کو اس طرف مائل کر دیتی ہے۔ لہذا اس کو رہنمائی کی ضرورت ہوئی جو خیر و شر کا امتیاز سکھلائے اور خواہشوں کی ٹھوکروں سے حفاظت کرے۔ یہی رہنمائی ہدایت وحی کی رہنمائی ہے۔ نتائج عمل کے لحاظ سے دو گروہ ہو گئے ایک وہ جو اپنی ساری طلب دنیا کی چند روزہ زندگی کے لئے وقف کر دیتے ہیں دوسرے وہ جو سعادت اُخرٰی کے بھی طالب ہیں۔ سعادت اخروی کے دو[2] شرائط ہیں۔ صحیح کوشش اور اللہ اور اُس کی صداقتوں پر ایمان۔ اس کے لئے توحید فی العبادت حقوق والدین۔ حقوق اقربا (جہاں تبذیر سے روکا ہے) بے محل خرچ کرنا کفران نعمت ہے جو شیطان کی راہ ہوئی۔ بیجا استعمال کی دو[2] ہی صورتیں ہیں تبذیر یا اکتناز۔ اور دونوں کو معصیت قرار دیا۔ اعتدال کی راہ سکھلایا۔ تمام محاسن اور فضائل کی بنیادی حقیقت توسط و اعتدال ہے۔ برائیاں افراط و تفریط سے پیدا ہوتی ہیں۔ قتل انسان بڑی معصیت ہے۔ منکرین اسلام سے پسندیدہ طریقہ سے گفتگو کرو۔ قرآن کریم یاد دلاتا ہے کہ فکر میں رواداری اور حکم میں احتیاط ہونا چاہیئے۔ تم جس بات کو حق سمجھتے ہو اوس پر جم جاؤ۔ دوسروں کو دعوت دو۔ نہ بھولو کہ نجات اور عدم نجات کی ٹھیکہ داری تمہیں نہیں دی گئی ہے۔ ناجی اور محروم نجات کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ حسن و خوبی کی بات زبان سے نکالو تاکہ ضد نہ بڑھے اور نہ شیطان کو تفرقہ ڈالنے کا موقعہ ملے۔ پیغمبروں کو جو نشانیاں دی گئیں وہ ظہور عذاب کا مقدمہ تھیں۔ نہ ماننے والے پر عذاب کا فیصلہ کرنی والی تھیں اس لئے نشانیوں کا طلب کرنا مناسب نہیں۔ وہ سچائی کی دلیل نہیں تھیں جو جسارت سے طلب کی جائے۔ اب بھی نشانیاں اتریں تو ظہور عذاب ناگزیر ہوگا۔

انسان کی کمزوری ہے کہ خوش حالی میں غافل اور رنج میں مایوس ہو جاتا ہے۔ دونوں حالتیں نامرادی کی ہیں۔ سعادت کی راہ یہ ہے کہ خوش حالی میں غافل نہ ہو اور بد حالی میں مایوس نہو۔

نوٹ:۔ (۱) انسان کے علاوہ جس قدر اشیا ہیں سب تشفی یافتہ ہیں۔ مگر انسان کے دل میں ایک بے چینی رہتی ہے۔ اُس میں تلاش کا جذبہ ہے۔ اوسی جذبہ کو پورا کرنے نبی بھیجا گیا۔ نبی اوس پیاس کو بجھاتا ہے تشفی یافتہ بناتا ہے۔ دوسرے طرف قبول نہ کرنے والوں پر حجت ہوتا ہے۔ بقدر تبلیغ ہر شخص سے مواخذہ ہوگا۔ اوسی لحاظ سے سعید و شقی و ضالین کی جماعتیں الگ الگ قائم

ہوئیں جن تک تبلیغ نہیں پہونچی اوس کے ساتھ جانوروں کا سا مواخذہ ہوگا اُن کو اوٹھایا جائے گا اور تھوڑی سزا کے بعد اون کا نابود کر دیا جائیگا شقی کو شقاوت کی سزا اور سعید کو سعادت کی جزا دی جائیگی چونکہ ہر شخص کو اُمید سے زیادہ ملے گا اس لئے ہر شخص خوش رہے گا۔ کسی کو شکایت باقی نہیں رہے گی۔

نوٹ (۲) جب اللہ تعالیٰ عذاب دینا چاہتا ہے تو لوگوں میں قوت عاجلہ پیدا ہو جاتی ہے اور وہ جانتے ہیں کہ سب کچھ یہیں مل جائے۔ یہ قوت غریب و امیر دونوں میں ایک کشمکش پیدا کر دیتی ہے اور آخرہ کا خیال دل سے جاتا رہتا ہے۔

نوٹ (۳) اگر چاہتے ہو کہ عملی نظام درست ہو جائے تو ایفائے عہد کیا کرو۔ عہد کو پورا کرنے پر اسلام نے بہت زور دیا ہے۔ اور اگر تم چاہتے ہو کہ علمی نظام درست ہو جائے تو افکار او منقولات کو درست اور صحیح کر لو۔ بے جانے ہوئے کوئی بات نہ کہو۔

نوٹ (۴) دنیا کی ہر چیز میں نقص بھی ہے اور کمال بھی۔ کمال تو اُس صفت کی وجہ سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے اُس کو عطا فرمایا۔ اور نقص اُس کا ذاتی ہے۔ کمال اللہ کی طرف سے ہے۔

نوٹ (۵) علم اور تصرف ان دونوں کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مختص کر دیا جائے تو بندے میں اخلاص پیدا ہو جائے گا۔ کسی چیز کا جاننا یعنے علم اور اختیار کلی کسی اور میں نہیں ہیں۔

نوٹ (۶) وسیلہ کے متعلق انسانی نظریات تین ہیں (۱) بندے اور خدا میں وسیلہ نہیں ہے۔ (۲) بندے اور خدا میں وسیلہ ہے مگر وسیلہ کی عبادت نہیں کرتے: (۳) بندے اور خدا میں وسیلہ ہے اور اُس وسیلہ کی عبادت بھی کرتے ہیں۔ ان تین طبقات میں مسلمانوں کا مذہب نمبر (۲) ہے۔ وسیلہ نام ہے اُس ذریعہ کا جس سے ہم خدا تک پہونچ سکیں۔ یہ اعمال بھی ہو سکتے ہیں نیکیاں بھی ہو سکتی ہیں۔ کوئی بزرگ بھی ہو سکتا ہے مگر زیادہ تر اعمال ہو سکتے ہیں۔ قرآن پاک غلط علوم کو دفع کرتا ہے جس کو شفار کہتے ہیں۔ اور پھر رحمت بخشتا ہے۔ جو فطرت کے نقطے سے ہٹے ہوئے ہیں ان کو اُس سے خسارہ ہی ملے گا۔ قاعدہ ہے کہ جب تک انسان صحت پر ہے اوس وقت تک غذا مفید ہوتی ہے۔ مگر وہی غذا ہیضہ کی حالت میں زہر ہو جاتی ہے۔ تو شفار کے لئے صحیح حالت میں ہونا ضروری ہے۔ اگر اس نقطہ سے ہٹ گیا تو پھر وہی قوانین اُس کے لئے باعث تکلیف ہو جاتے ہیں۔ انسان کا صحیح نقطہ جہاں اوس کو رہنا چاہئے ایمان ہے۔

نوٹ (۷) شاکلہ = پروگرام یا ضابطہ = آئین حیات۔ روح جو علم حاصل کر رہی ہے وہ یا تو عقل کے ذریعہ سے ہے یا حواس کے ذریعہ سے۔ مگر جو علوم ان ذرائع سے ملتے ہیں وہ

اس قدر کم ہیں کہ انسان پوری طرح خدائی ضابطہ کو نہیں سمجھ سکتا۔ اس لئے ضرورت داعی ہوئی کہ صحیح علم اللہ تعالیٰ خود عطا فرمائے۔ یہ احسان قرآن پاک کو بھیج کر مکمل کیا گیا ہے۔

سورۂ کہف ۱۸

خصوصیات: مکی۔ سہ بعثت۔ ایک وقت میں پوری نازل ہوئی۔ یہ قصہ چند عیسائیوں کا ہے جنھوں نے حالت مظلومیت میں ایک غار میں پناہ لی تھی۔

خلاصہ مضمون: تین قصے الگ الگ ہیں جن میں سے دو کے متعلق یہود نے دریافت کیا تھا۔ ایک سوال بنی اسرائیل میں حل ہوا۔ مگر یہ تینوں قصے عیسائی مذہب کے ذکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اُن کو فتنۂ دجال سے تعلق ہے۔ اس لئے اُن کا ذکر ملا کر کر دیا تاکہ دجالیت کی خصوصیات واضح ہو جائیں اور یہ ظاہر کر دیا کہ اسلام کو ملکی رنگ میں مغلوبیت کا پہلو دیکھنا پڑیگا۔ مگر آخرکار اسلام ہی غالب آئیگا۔ دوسرا پہلو جو اس سورت میں روشن کیا گیا وہ یہ ہے کہ جب خود ماغوں کو حکومت ملتی ہے اُن کا کیا حال ہوتا ہے اور جب حکومت اللہ والوں کو ملتی ہے تو اوس کا استعمال کس طرح کرتے ہیں۔ پہلی قسم کے لوگ اپنی طاقت پر ناز کرنے لگتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اُن کی طاقت کو کبھی زوال نہیں آئے گا۔ مگر جب طاقت دوسری قسم کے لوگوں کو ملتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ پر پوری طور سے بھروسہ کرتے ہیں۔ اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے اگر محکوم اور مغلوب ہو کر رہنا ہو تو کیسی زندگی گذارنا چاہئے۔ اور جب حکومت عطا ہو تو کیسے رہنا چاہئے۔

فتنۂ دجال سے محفوظ رہنے ابتدائی اور انتہائی دس آیتیں اور بقول بعض تین آیتیں پڑھ لی جائیں۔ دجالیت کی کیفیت یہ بتائی گئی کہ جس کا ظاہر خوشنما اور باطن تکلیف دہ ہو۔ ظاہر جنت اور باطن دوزخ۔ چنانچہ موجودہ تمدن کی بھی یہی حالت ہے ظاہراً بہت پرلطف مگر داخل ہونے پر پریشانی۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ جب انسانی زندگی ایسے نقطہ پر پہونچے کہ ظاہراً اچھا ہو اور انسان کے پیر ڈگمگائیں تو سورۂ کہف پڑھ لیا جائے تاکہ اثر زائل ہو جائے۔

جو علوم حواس اور عقل سے حاصل ہوتے ہیں اون کو قرآن اور پیغمبر کی ضرورت نہیں بلکہ ان دونوں کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں حواس اور عقل دونوں کام نہیں کر سکتے لہذا جب قرآن شریف پڑھا جائے تو یہ امر پیش نظر رہے اور سوچتا رہے کہ کونسی نئی چیز حاصل ہوئی۔ جلال اور کمالات عالم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اُن کا سرچشمہ کہاں ہے وہاں تک انسان نہیں پہونچ سکتا۔ اس لئے یہ علم اللہ تعالیٰ کی جانب سے ملتا ہے اللہ تعالیٰ بتلاتا ہے کہ سب کمالات اللہ کے ہیں۔ انسان اپنی ستایش چاہتا ہے۔ سب کمالات اپنے لئے جمع کرنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جتلا دیتا ہے کہ یہ

حرص غلط ہے۔ انسانی علم فانی بھی ہے اور ترقی پذیر بھی۔ غلط بھی اور صحیح بھی۔ انسان کوشش کرتا ہے کہ دنیا ہمارے ساتھ منطبق ہو جائے۔ فطرت انسانی کا ایسا لگاؤ کہ اُس کے بعد آرام و راحت نصیب ہو۔ یہ نسبت عبدیت کے نقطہ پر پہونچنے سے حاصل ہوتی ہے۔ جتنا اس نقطہ سے دور ہوگا اُسی قدر راحت سے بعید ہوگا۔ جب اس نقطہ پر پہونچ گیا تو گویا راحت ابدی حاصل کرلی۔ جب یہ نسبت صحیح قائم کرلی تو صحیح علوم بھی نازل ہوں گے۔ یہ علوم اٹل ہیں۔ اُن میں تدریجی ترقی کی گنجائش نہیں۔ یہ علم معبود اور عبد میں صحیح رشتہ قائم کر دیتا ہے۔ اُس کو مقصد حیات معلوم ہو جاتا ہے۔ مذہب آیا اسی لئے ہے کہ اُس کے اختیار کی تصحیح کی جائے۔ انسان کیا ہے؟ ایک نیتی اور اختیاری حقیقت ہے اور اوس کی تصحیح یہ ہے کہ نیت درست کرلی جائے تاکہ وہ صفات جو اوس میں ڈال دیئے گئے ہیں اُون کو صحیح طور پر استعمال کر سکے۔ عمل زندہ ہوتا ہے جبکہ نیت درست ہو۔ اُس میں خلوص ہو۔ اس تصحیح نیت سے اُس کا عمل درست ہو جاتا ہے اور عمل کی درستگی سے وہ مقام عبدیت پر قائم ہو جاتا ہے۔

جو کچھ زمین کے اوپر ہے وہ کس لئے ہے اس میں انسانوں کے مختلف عقیدے ہیں۔ (۱) جوگیوں کا گروہ یہ کہتا ہے کہ اُن سب سے علٰحدگی میں مقصد حیات ہے۔ (۲) دوسرا گروہ کہتا ہے نہیں بلکہ یہ سب چیزیں لذت گیر ہونے کے لئے ہے۔ کھاؤ۔ پیو اور مر جاؤ۔ یہ بالکل مادہ پرست ہیں۔ ان دونوں میں قرآن کا تصفیہ یہ ہے کہ مَا عَلَى الْأَرْضِ... یہ زینت کے لئے ہے بہ اعتبار زمین کے۔ اُن کا ظہور دیکھنے والے کے لئے ہے اور وہ دیکھنے والا انسان ہے۔ یہ چیزیں انسان کے لئے ہیں تاکہ اُن سے متمتع ہو۔ جب زمین سے نکلنے والی چیز زمین کے لئے زینت ہے تو جو کچھ انسان سے نکلے وہ انسان کے لئے باعث زینت کیوں نہ ہو۔ انسانی عمل اُس کے لئے باعث زینت اوس وقت ہوتا ہے جب اوس کا عمل صحیح ہو۔ ایک روز یہ دنیا اور انسانی نسل ختم ہو جائے گی اور انفرادی اور اجتماعی تمتع بھی ختم ہو جائے گا۔ اس لئے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دنیا سے انسانی تعلق ابتلائی ہے یعنی انسان کو زینت کی چیزیں دیکر جانچا گیا ہے۔ زمانہ نام ہے اضطراری احساس ذہنی کا۔ یہ لمبا بھی ہوتا ہے اور کوتاہ بھی یہ حسی کیفیت ہے۔ انتظار کی گھڑیاں لمبی معلوم ہوتی ہیں اور خوشی کی گھڑیاں چھوٹی۔ اس لئے قیامت کا انتظار مردوں کے لئے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ جودت زندہ لوگوں کو محسوس ہوتی ہے مردوں کو محسوس نہیں ہوتی۔ اسی لئے مرنے کے بعد پیدا ہونے پر معلوم ہوگا کہ ہم دنیا میں بہت کم مدت رہے تھے اور اُن کو جو عرصہ ٹھہرنا پڑا اُس کا احساس نہ ہوگا۔ اس کی تائید واقعہ کہف سے ہوتی ہے کہ جب وہ غار میں سو رہے تو اُٹھنے کے بعد اون کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کتنی مدت وہاں رہے۔ زمانے میں رہ کر

زمانے کا احساس ہوتا ہے۔ زمانے سے باہر ہونے پر یہ احساس باقی نہیں رہتا۔ اس لئے اس کو اضطراری احساس ذہنی کہتے ہیں۔ حق = حقیقت اخذ کرنا جس سے ہم کو نفع پہونچے۔ یہ لفظ قرآن میں باطل کے مقابلہ میں آتا ہے۔ ایمان کے بعد ہدایت کے راستے کھلتے ہیں۔ گویا دل کو ڈاواں ڈول ہونے سے باندھ دیا۔ جب اس کی ربوبیت کھل جاتی ہے تو اس سے ربط قائم ہو جاتا ہے۔ جو دیتا ہے اوسی سے مانگنا یہ دین ہے۔ اسلام ہے۔ راہ مستقیم ہے۔ لیکن دینے والا تو اللہ ہے اور مانگنا غیر سے یہی شرک ہے گمراہی ہے بے دینی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ماننے والا چھوٹے سببوں سے اپنے کو منقطع کرتا ہے۔ مگر ایک بڑے سبب سے اپنا رشتہ جوڑتا ہے۔ اس کو سبب سے علیحدہ ہونا نہیں کہتے بلکہ صرف لا الٰہ کہنے والا سببوں سے علیحدہ ہے الا اللہ کہنے والا جدا نہیں۔ وہ تو سب سے بڑے سبب سے اپنا رشتہ جوڑ رہا ہے۔ اور اس کا قائل ہے۔

جب حق اور باطل کا تصادم ہو اور حق والا خود کو ضعیف خیال کرے تو علیحدگی بہتر ہے۔
ایمان طاقت پیدا کرتا ہے۔

انسان کے ناقص تجربات سے جو اصول قائم کئے جائیں گے اُن میں تبدیلی واقع ہوتی رہے گی۔ مگر اللہ تعالیٰ کا علم اور اُس کے بتائے ہوئے اصول اٹل ہیں۔ وہ اُصول اللہ تک پہونچائیں گے اور علوم ناقص تم کو اللہ سے ہٹائیں گے۔ مٹی = ظاہر۔ صراحی = مظہر۔ خدا ظاہر اور دنیا مظہر۔ خدا دنیا کا قیوم ہے۔ عارف کی نگاہ مظہر سے ظاہر پر جاتی ہے۔ اسم ظاہر کی تجلی کو وجہ اللہ کہا ہے۔ دنیا کو حاصل کرنے والے اللہ والوں سے ذہن ہٹنا چاہیئے۔ قیامت میں یہ دنیا الٹ جائے گی ظاہر اوپر آ جائے گا اور مظہر غائب ہو جائے گا۔ اُس وقت اوس کے اعمال حبط ہو جائیں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ سے اس دنیا میں نسبت قائم کرلی ہے تو اوس کے قوانین وہاں موافق ہوں گے ورنہ مخالف۔

سورہ : دنیا آزمائش گاہ عمل ہے۔ یہاں جو چیز کارآمد نہیں ہوتی چھانٹ دی جاتی ہے۔
اصحاب کہف وہ چند نوجوان تھے جنھوں نے اللہ پر بھروسہ کیا۔ ظالم قوم کا ساتھ نہ دیکر اللہ کے ہوگئے۔
یہ معاملہ تذکیر اور عبرت کا موجب ہوا۔ حضرت موسیٰ کا قصہ۔ انسانی عقل مجبور ہے کہ ظاہر پر حکم لگائے۔ اور یہیں ٹھوکر کھاتی ہے۔ حکمت الٰہی یہی ہے کہ پردہ نہ اٹھے۔ کیونکہ اسی سے عمل کی ساری آزمائش قائم ہے۔ اور ضروری ہے کہ ہوتی رہے۔

سورۂ مریم ۱۹ | خصوصیات : مکی۔ پہلی صورت جس نے حضرت عیسیٰ کے تفصیلی واقعات دنیا کے روبرو رکھ دیے۔ اور یوں حضرت عیسیٰ کا ذکر کرکے عیسائیت پر اتمام حجت

کیا ہے۔ اس میں تمام انبیا کی بے گناہی اور عصمت پر زور دیا ہے۔ اور اس طرح جو خاص امتیاز عیسائی قائم کرتے ہیں اس کو باطل قرار دیا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کو پاکیزہ اور بے گناہ فرمایا اور حضرت ابراہیم کو صدیق کہا۔ اور حضرت موسیٰ کو کھوٹ سے پاک کہا۔ حضرت اسمٰعیل کی عصمت بیان فرمائی۔ پھر عیسائیوں کے عقیدہ کے بموجب "جو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ پاک ٹھہرے" یہ استدلال کیا پھر حضرت عیسیٰ بھی اوس سے خالی نہیں۔ اس طرح عیسائی عقیدہ کی تکذیب کی کہ انبیا رگنہ گار ہوتے ہیں)۔ اس میں عیسائیوں پر اتمام حجت کیا ہے اور عقیدہ ابنیت مسیح کا ابطال کیا ہے۔ اس لحاظ سے اوس کا مضمون سورہ کہف سے ملتا جلتا ہے۔

سورہ: حضرت یحییٰ (یوحنّا) کی پیدائش۔ حضرت مریم کے واقعات اور مسیح کی پیدائش اخت ہارون کا مقصود یہ ہے کہ ہارون مریم کے خاندان کے ایک پارسا شخص تھے۔ یوم الحسرہ وہ دن تھا کہ بیت المقدس کی فتح سے مسیحی دنیا پر سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ تدریج اور امہال کا قانون اچھوں اور بروں دونوں کے لئے ہے۔ ظہور نتائج کا انتظار کرنا چاہئے۔

سورہ طٰہٰ ۲۰

خصوصیات: مکی۔ سورہ مریم کے بعد نازل ہوئی۔ جو زمانہ تاریخ دعوت کا سب سے پُر آشوب زمانہ تھا۔ قبولیت کی رفتار دھیمی تھی۔ قلب مبارک میں اضطراب تھا اس لئے تسکین و تشفی کی روح سے معمور ہے۔ آنحضرت کو مرد کامل کے نام سے خطاب کر کے یہ ظاہر کیا کہ نور محمدی اپنے کمال کو پہونچ کر رہے گا۔ گو ابتدا میں ہلال کی طرح نظر آئے۔

خلاصہ مضمون، اس سورت کی ابتدا ہی بشارت سے کی ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ قرآن کا مہبط دنیا میں ناکام رہے۔ ساتھ ہی حضرت موسیٰ کی بعثت کا ذکر کیا جس کی غرض بھی یہی بتاتا ہے کہ باوجود ساری مشکلات کے جس طرح نور موسوی کمال کو پہونچا اسی طرح نور محمدی بھی کمال کو پہونچے گا۔ حق و باطل کا مقابلہ ہمیشہ سے رہا ہے اس کو شیطان و آدم کے قصہ سے واضح کیا یہ وہ سورت ہے جس کو سن کر حضرت عمر کانپ گئے۔ اور قاتلانہ ارادہ ترک کر کے غلامی میں داخل ہوئے۔

سورہ: قرآن اس لئے نہیں نازل ہوا کہ تم اپنے کو مشقت میں ڈالو۔ وہ تو نصیحت کی بات ہے جو مستعد ہیں وہ قبول کریں گے۔ جنھوں نے استعداد کھو دی وہ سننے والے نہیں۔ نتیجہ کا ظہور اپنے وقت پر ہوگا۔ حضرت موسیٰ کی سرگذشت۔ الساعۃ بمعنی وہ گھڑی جو فرعون پر آنے والی تھی۔ وَفَتَنّٰکَ فُتُوْنًا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو آزمایا اور جب وہ ثابت قدم رہے اور اپنی زندگی کو سنوارتے رہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنے لئے چن لیا وَاصْطَنَعْتُکَ ۔ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ ہی مہات

معارف میں سے ہے۔ سعادت وشقاوت انسانی کی راہ بتلانا چاہتا ہے۔ ہدایت اسی لئے ہے کہ وہ انسانوں کو بے راہی اور اس کے لازمی نتیجہ سے محفوظ کر دے۔ ذکر کے اعراض سے زندگی میں ضیق ہوگا۔ نیز دل کی طمانیت، اور روح کا انبساط بھی نہ ملے گا۔ اور آخرت کا اندھا ہوگا۔

سورۃ الانبیاء

خصوصیات۔ مکی۔ ہجرت حبش سے پہلے نازل ہوئی۔ انبیاء پر اعتراضات۔ اُن کے بلند مقامات۔ اُن کے مخالفین کی ہلاکت اور اُن کا نجات پانا۔ وارث زمین ہونا۔ انمیں باتوں کا ذکر ہے۔ بالخصوص عصمت انبیاء کو نہایت صفائی سے بیان کیا ہے کہ وہ اپنے قول وفعل دونوں میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے راہوں پر چلتے ہیں۔

خلاصہ مضمون: اعمال کی جزا وسزا کی لوگ پروا نہیں کرتے بلکہ جو جگانے والا آتا ہے اُس پر اعتراض کرتے ہیں اور شاعر کہتے ہیں۔ اوس کا جواب ہے کہ رسول ہمیشہ بشری ہوتے رہے۔ اوس کے بعد اُن کے مقام عظیم کا ذکر کیا۔ اور بتایا کہ انبیاء اسی طرح مصائب میں مبتلا ہوکر آخرش کامیاب ہوئے۔ اور حضورؐ کا ذکر کرکے فرمایا کہ حق اب بھی اوسی طرح کامیاب ہوگا۔ اور آخرکار راست باز زمین کے وارث ہوں گے۔

سورہ: آیت (۶) جہات دلائل میں سے ہے۔ انقلاب کی اصلی وجہ یہ ہے کہ ایک عالمگیر قانون برسرکار ہے۔ اور وہ قانون حق وباطل کی کشاکش ہے اور طے شدہ مصلحت ومقصد سے یعنی کائنات پستی سے علو اور رفعت کی طرف برابر ترقی کرتی جائے حق باقی رہے اور باطل نابود ہوجائے۔

انسانی طبیعت کا خاصہ جلد بازی ہے مگر قرآن اوس کی فی نفسہ برائی نہیں کرتا۔ اس لئے کہ یہ جلد بازی ہی سعی عمل کا ولولہ پیدا کرتی ہے اور ساری سرگرمیوں کے لئے محرک کا کام دیتی ہے۔ ٹھوکر اصل خاصہ میں نہیں لگتی بلکہ اُس کے بے محل اور بے اعتدلانہ استعمال میں لگتی ہے۔ اُسے جہاں صبر کرنا چاہیے بے صبری کرتا ہے۔ اور جہاں فیصلہ میں عجلت کرنا چاہیے بے دھڑک فیصلہ کر دیتا ہے۔ پس قرآن انسان کی ہر گمراہی کی طرح اس گمراہی میں بھی سوء استعمال کی مذمت کرتا ہے۔ نہ کہ طبیعت اور خواص طبیعت کی۔

وراثت ارضی کی شرط اصلاح وصلاحیت ہے۔ جو صالح نہ رہے اُن سے نکل جائیگی۔ جو صالح ہونگے اُن کے حصہ میں آئے گی۔ عبادت گزاروں کے لئے پیام حقیقت ہے۔

نوٹ (۱) حضور اکرمؐ کی رحمت اس قدر وسیع ہے کہ صرف دوست ہی نہیں بلکہ دشمن بھی اُس سے

فائدہ اُٹھائیں گے۔ اور یہ مسلموں کے لئے نہیں بلکہ غیر مسلموں کے لئے بھی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی تعلیم سے بہت سی قوموں نے فائدہ اٹھایا اور یہ اُن کی حق میں رحمت ثابت ہوا ہے۔ اصول سعی جس پر یورپ کی قومیں عمل پیرا ہیں وہ انجیل کی نہیں بلکہ قرآن کریم کی تعلیم ہے۔ نظام کار رکھنا۔ وقت کی قدر کرنا۔ راستوں کا صاف رکھنا یہ سب قرآنی تعلیم ہے۔

سورۃ الحج ۲۲ خصوصیات: مدنی۔ حج کا حکم اس سورت میں دیا گیا اوس سے یہ نام رکھا گیا۔ بتلایا کہ حج محبت الہٰی میں عاشقانہ رنگ پیدا کرکے اوسے اوس کی ترقی کے کمال تک پہونچاتا ہے۔ جب محبت الہٰی کمال کو پہونچتی ہے تو انسان اپنا سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے قربان کردیتا ہے۔ یہاں تک کہ جان بھی اور یہی ضرورت اوس وقت پیش آئی تھی کیونکہ کفار نے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

خلاصہ مضمون: اس میں حق کی مخالفت کرنے والی قوم کی تباہی کا ذکر ہے۔ پھر بتایا ہے کہ محاسبہ اعمال ضروری ہے۔ پھر بتایا کہ حق کی نصرت یقینی ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اُس نصرت کو روک نہیں سکتی۔ قربانی کی اصل غرض بھی بتائی کہ حج میں قربانی ضروری تھی۔ پھر اعدائے حق اور اُن کے انجام کا ذکر کیا۔ پھر بتایا کہ مومن کامیاب ہوں گے۔ پھر بتایا کہ توحید ایک مضبوط اصول ہے جس کی دنیا کے سب قوموں کو تعلیم دی گئی۔ پھر شرک کی کمزوری اور بے بنیادی کا ذکر کرکے مسلمانوں کو سمجھایا کہ کامیابی کا انحصار اسی بات پر ہے کہ اعلائے کلمۃ اللہ پر اپنا سارا زور لگادو۔

سورہ: سورہ کی ابتدا قیامت کی ہولناکیوں سے ہوئی ہے۔ قرآن نے ہر جگہ یہ حقیقت واضح کی ہے کہ ایمان امید و یقین ہے اور کفر شک و مایوسی۔ ہر حال میں امیدوار فضل و سعادت رہو۔ یہی مقتضائے ایمان ہے۔ جوں ہی یہ شمع بجھی موت اور نامرادی کی ظلمت میں گر گئے۔ پھر فرمایا کہ بعض لوگ ایسے ہیں جن کے دل میں جماؤ نہیں ہے اور ایمان کی بنیاد یقین پر نہیں ہے۔ خوشحالی آئی تو مطمئن ہوگئے۔ مصیبت پیش آئی تو اکھڑ گئے۔ پھر فرمایا کہ زندگی کی ذراسی مصیبت اُن کو اللہ کی طرف سے ہٹا کر دوسری چوکھٹوں پر گرادیتی ہے۔ جہاں اون کے لئے نفع نہیں ہے۔ گمراہی میں سب سے زیادہ گمراہی یہی ہے۔

حضرت ابراہیم نے عبادت گاہ کی بنیاد رکھی (۱) توحید کا اعتقاد۔ (۲) معبد کی تطہیر۔ (۳) حج کا اجتماع۔ (۴) جمع ہونے والوں کے لئے قربانی دینا (۵) قربانی کی حقیقت۔

مسلمانوں کو ہتھیار اُٹھانے کی اجازت۔ مظلوم کو اپنا حق ظالم سے بچانے کی اجازت۔

موعظت۔ (١) اللہ کی بندگی و نیاز میں سرگرم رہو (٢) جہد فی اللہ تمہاری زندگی کا شعار ہو (٣) اوس نے تمھیں برگزیدگی کے لئے چن لیا (٤) اوس نے تمھیں دین کی بہتر سے بہتر راہ دکھا دی۔ اس بہتری کا معیار کیا ہے؟ یہ کہ کسی طرح کی بھی تنگی و رکاوٹ اوس میں نہیں۔ سب سے سہل و واضح اور فکر و عمل کی وسعت رکھنے والی (٥) سماکم المسلمین۔

تبدل صرف صورت کے لئے ہے حقیقت کے لئے نہیں۔ یہ اصل عظیم نہ بھولنا چاہیے کہ مسلّمات کی حقیقت کے لئے علم انسانی کے سامنے کوئی یقینی روشنی موجود نہیں۔ وحی الٰہی کے اعلانات اس سے بھی بلند ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جدال فی اللہ بغیر علم سے منع فرمایا ہے اور یہ چیز قرآن پاک کے نزدیک جہل و ضلالت انسانی کا سب سے بڑا مبدء ہے۔

سورۃ المؤمنون ٢٣

خصوصیات: مکی۔ الانبیاء کے بعد اتری۔

خلاصہ مضمون: مومنوں کو۔ فلاح اور کامیابی کی بنیاد اخلاق فاضلہ پر رکھنی چاہیے۔ رہا یہ کہ دشمنوں سے نجات ملے اور ایک قوم دنیوی رنگ میں کامیاب ہو تو حضرت نوح اور دوسرے انبیاء کا ذکر کر کے بتایا کہ یہ بھی اُن لوگوں کو میسر آجاتا ہے جو فلاح کا مدار اخلاق پر رکھتے ہیں پھر بتایا کہ فلاح حصول مال سے نہیں بلکہ اخلاق فاضلہ اور تعلق باللہ سے ہے۔ پھر اثبات توحید اور ابطال باطل کر کے یہ بتایا کہ اعدائے حق کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ وہ غلط راہ پر چلتے ہیں۔

اس سورت میں ابتدا ہی میں بتایا کہ مومنوں کی کامیابی کا انحصار کن باتوں پر ہے اور یہ بھی سمجھایا کہ مومن اپنی کامیابی دنیوی ترقی کو نہ سمجھیں۔ بلکہ وہ اپنے اندر اخلاق فاضلہ پیدا کریں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ مریضوں کی پہلی جماعت جو اس شفا خانے سے تندرست ہو کر نکلی طبیب اُن کی طرف اشارہ کر کے یہ کہتا ہے کہ جسے میری طبابت میں شک ہو وہ انھیں دیکھ لے۔ یہ جماعت رسول اللہ کے صحابہ کی جماعت تھی۔ اور طبیب خود حضور اکرمؐ تھے۔ یہ جماعت اپنے خصائص ایمانی و عملی میں دعوت حق کی صداقت کی ایک مشہور دلیل بن گئی تھی۔

اس سورہ میں تین قسم کے دلائل ہیں (١) اپنی خلقت پر غور کرے (٢) عالم آفاق کے دلائل یعنی نفس سے باہر کے عالم میں تفکر (٣) گذشتہ دعوتوں کی سرگذشت سے استدلال۔ حوادث ماضیہ سے حال و مستقبل کے لئے عبرت۔ سورہ کے آخر میں اس سلسلہ استدلال کے قدرتی نتائج ہیں۔

سورہ: یہاں پانچ وصف بیان کئے گئے ہیں (١) نماز کی محافظت۔ خضوع و خشوع

کے ساتھ ادا کرنا (۲) نکمی باتوں سے اجتناب کرنا (۳) اپنی کمائی محتاج بھائیوں کے لئے خرچ کرنا۔
(۴) زنا سے آلودہ نہ ہونا۔ (۵) امانت دار ہونا۔ اپنے عہدوں کو پورا کرنا۔
جماعتی زندگی اور مدنی خصوصیات کے اُبھرنے کا نام قومی عروج ہے۔ اوس کو قرآن نے (قرن) کے نام سے تعبیر کیا۔ فطرت کا یہ قانون رہا ہے کہ کسی جان پر اوس کی جسمانی اور معنوی استطاعت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالی جاتی۔ ہر جان سے فطرت کا مطالبہ عمل اتنا ہی ہے جتنی کہ اوس میں استعداد ودیعت کردی گئی ہے۔
انفرادی زندگی میں بدعملی کا بڑا مرکز دنیوی خوش حالی کی زندگی ہو جاتی ہے۔ اس لئے فرمایا کہ حتیٰ اذا اخذنا مترفیھم بالعذاب۔ خوشحالی و ثروت جماعت میں برکت ہے لیکن اگر انفراد میں سمٹی ہوئی ہو تو فتنہ ہے اوس سے غلبہ اور تسلط کا غرور باطل پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے قرآن شریف جماعتی خوش حالی کو فضل اور انفرادی خوشحالی کو فتنہ اور متاع غرور قرار دیتا ہے۔
قرآن کا مطالبہ غور و فکر کا ہے نہ کہ تقلید کا۔ دعوت اسلام کی معرفت کی دو راہیں ہیں۔ قرآن میں تدبر اور صاحب قرآن کی زندگی میں۔ قانون تثنیہ یعنے کارخانۂ ہستی کے ہر گوشہ میں ہر چیز جفت پائی جاتی ہے۔ نر کے لئے مادہ۔ رات کے لئے دن۔ زندگی کے لئے موت۔

سورۃ النور ۲۴

خصوصیات و ربط، مدنی۔ پانچویں سال ہجرت کا ہے۔ حضور کے ظہور کو نور سے تشبیہ دی اور یہ بتایا کہ یہ نور تمام دنیا پر غالب آجائے گا۔ اوپر کے سورہ کے اخیر میں اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا سے مفہوم و معلوم ہوا تھا کہ خلق انسان کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اُس کو احکام کا مکلف کیا جائے۔ اور آخرت میں اُن احکام کی اطاعت یا مخالفت پر جزا یا سزا ملے اس سورت میں بعض احکام کی تفصیل ہے۔ چنانچہ نصف سورت تک تو احکام علیہ چلے گئے ہیں اور خاتمہ کے قریب بھی مسئلہ استیذان و اکل مذکور ہیں۔ باقی سب احکام متعلق بہ عفت ہیں اور بقیہ نصف سورہ کی بعض آیات میں دلائل توحید کے احکام علیہ میں اور بعض آیات ہیں اطاعت میں حکام و مطیعین کے مناقب۔ اور عصیان کے مثالب مذکور ہیں۔ اس سورہ کا تعلق پچھلی سورہ سے یہ ہے کہ وہاں مومنوں کے فلاح کی اصل باتوں کا بیان کیا تھا۔ تو یہاں یہ بتایا ہے کہ کونسی باتیں ہیں جو ایک قوم کی تباہی کا موجب ہو جاتی ہیں۔ اصل علاج انھیں کا بتایا ہے۔ اسی اثنا میں نہایت صفائی سے یہ بھی ذکر کردیا ہے کہ رسول اللہ صلعم کا نور کل عالم پر محیط ہو جائے گا۔ اور آپ کے بعد آپ کے جانشینوں کو حکومت بھی دی جائے گی۔

سورہ: جب قوموں کو عروج اور حکومت ملتی ہے تو فسق و فجور اُن کی تباہی کا موجب ہوجاتا ہے۔ اس لئے اس سورت کی ابتدا سزائے زنا۔ وقذف محصنات سے کی ہے۔ یہ بھی بتایا کہ زانیوں کو قوم میں نہ ملنے دو تاکہ تم خود اوس سے بچے رہو (۲) واقعہ افک کا ذکر و حضرت عائشہ کی براءت (۳) بری باتوں کی تشہیر سے روکا ہے۔ (۴) وہ علاج بتایا جس سے قوم فسق و فجور سے محفوظ رہ سکتی ہے۔ گھروں میں اجازت سے داخل ہونا۔ راستوں میں اور کاروبار میں مردوں اور عورتوں کا نظریں نیچی رکھنا۔ عورتوں کا اپنی زینت کے مقامات کو چھپانا۔ مجردوں کے نکاح کر دینا۔ یہ چند تدابیر سے ایک قوم زنا سے محفوظ رہ سکتی ہے۔ (۵) حضور کا ظہور کامل ترین نور الٰہی کا ظہور ہے۔ وہ دائمی اور کل عالم پر محیط ہے۔ صحابہ کے گھروں میں یہ نور پھیل گیا ہے مگر اوس کے منکر خود کو ظلمت میں رکھتے ہیں (۶) قدرت کی چند مثالیں کہ حق کامیاب ہوگا۔ سچے دل سے اتباع نبوی کی جائے۔ (۷) اطاعت رسول کو جاری رکھتے ہوئے بتایا کہ اس نور کو بادشاہت بھی دی جائے گی جو ذات تک محدود نہ ہوگی بلکہ بعد بھی قائم رہے گی۔ خلافت کے مضمون میں خلافت جسمانی اور خلافت روحانی دونوں کا ذکر ہے (۸) مضمون کو پھر لوٹایا کہ چھوٹے چھوٹے امور کو لاپروائی سے نہ دیکھا کرو۔ اُن پر چلنے سے راحت نصیب ہوگی (۹) اصولی بات کہ دینی اور قومی معاملات کو ذاتی معاملات پر ترجیح دینی ضروری ہے حضور نے جس امر کی طرف دعوت دی اسے معمولی امر نہ خیال کیا جائے۔ بلکہ اُسی میں فلاح ہے۔ اوسے چھوڑ کر اس دنیا میں بھی دکھ ہوگا۔

سورۂ الفرقان ۲۵

خصوصیات: مکی۔ اس میں یہ دکھلایا گیا ہے کہ حضور اکرم کی تشریف آوری سے کیا کیا فرق حق و باطل میں ہوگیا۔ اس لئے الفرقان کہا گیا۔

خلاصہ و ربط: اثبات توحید۔ ذم شرک و مشرکین۔ اثبات رسالت جواب شبہات متعلقہ بہ رسالت۔ بیان معاد اور اوس کی تفصیل میں مکذبین و مصدقین کی سزا و جزا بعض قصص بہ مناسبت مضمون۔ ذم انکار توحید و رسالت بعض اعمال فاضلہ خواص عباد مصدقین توحید و رسالت کے بسورت سابقہ کے خاتمہ میں حقوق رسول کا ذکر تھا اور اس کے شروع میں رسالت کا اثبات ہے۔ زیادہ حصہ سورت کا بحث رسالت میں ہے۔

سورہ: (۱) یہ بتلا کر کہ نزول فرقان تمام قوموں کے لئے ہے اون اعتراضات کا ذکر کیا ہے جو مخالفین رسول اللہ پر کرتے تھے۔ (۲) اعتراضات کے جواب دیتے ہوئے بتایا کہ جس رنگ کا فرقان یہ چاہتے ہیں کہ رسول کو دنیا میں حکومت اور بادشاہت ہو وہ بھی قائم کر دیا جائے گا۔

(۳) مکذبین کے لئے یوم فرقان یعنی جنگ بدر میں قوت توڑی جانے کی پیشین گوئی کی پھر بتایا کہ قرآن مجید میں سب اعتراضوں کے جواب موجود ہیں (۴) پھر ذکر پہلی قوموں کا کر کے عربوں کی حالت کا ذکر کیا جو حضور کے آنے سے پہلے ہوگئی تھی (۵) نظارۂ قدرت کی طرف توجہ دلا کر بتایا کہ طلوع آفتاب سے ظلمت کیسے آہستہ آہستہ کم ہو جاتی ہے اور بڑی بارش سے پہلے کس طرح ہوائیں بتاتی ہیں کہ بارش آرہی ہے یہ بتایا کہ انقلاب روحانی کا آغاز شروع ہو چکا ہے۔ (۶) روحانی انقلاب نے قلیل مدت میں متبعین رسول کو کس بلند مقام پر پہنچا دیا۔ پھر واضح کیا کہ انسان جس قدر اپنا تعلق خدا سے پیدا کرتا ہے اوسی قدر اللہ تعالیٰ کے نزدیک اوس کی عزت ہوتی ہے ورنہ مخلوق تو بہائم بھی ہے۔ جب دوسرے گروہ کو اس تعلق باللہ کی طرف بلایا گیا تو انھوں نے تکذیب کی پس جب وہ عزت کے مقام کی طرف نہیں آتے تو فرقان کا دوسرا پہلو عذاب کا آتا ہے اور آکر رہے گا۔ اس لئے کہ فرقان یہی ہے کہ نیکوں کو بلند مقام پر پہونچایا جائے اور بدوں کو بدی کی سزا دی جائے۔ تاکہ دونوں میں کھلا کھلا فرق نظر آجائے اس لئے ماننے والوں کی حالت کا ذکر کر کے اور یہ بتلا کر کہ وہ کس ذلیل حالت سے نکل کر بلند مقام پر پہونچ گئے اب مکذبین کا ذکر کیا ہے کہ اُن پر سزا آئے گی۔

سورۃ الشعرآء[۲۶]

خصوصیات: مکی ہے۔ اس بات کا ذکر کرتے ہوئے کہ قرآن شریف اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہے جس طرح پہلے انبیاء کو ہوئی اس بات کی تردید کی ہے کہ یہ کہانت یا شاعری ہے۔ بتلایا ہے کہ شعراء کی حالت عامہ کیسی ہوتی ہے اسی مناسبت سے اس کا نام الشعراء ہے۔

ربط: سابقہ سورت کا اختتام وعید مکذبین پر تھا۔ اس سورت میں بھی قرآن اور رسالت کی حقانیت و صدق اور اوس کے متعلقات کا ذکر ہے اور اُن کے منکرین کی توبیخ اور عبرت کے لئے بعض دلائل مثبتہ توحید۔ سورت کے درمیان میں مکذبین رسل اور احکام الٰہیہ کے بعض قصص۔

سورہ: آنحضرت کے رنج کا ذکر کر کے جو ایمان نہ لانے سے ہوتا تھا بتلایا کہ اسلام آخر کار کامیاب ہوگا۔ اور حروف مقطعات میں حضرت موسیٰ کی وحی کی طرف اشارہ کر کے اور تسلی دے کر انبیاء کا ذکر بطور مثال کیا ہے۔ اس میں مقدم حضرت موسیٰ کا ذکر ہے جو دوسرے تیسرے اور چوتھے رکوع تک چلا گیا ہے۔ پانچویں میں حضرت ابراہیم کا ذکر ہے جن سے سلسلہ موسوی اور سلسلہ محمدی دونوں ملتے ہیں پھر حضرت نوح کا ذکر پھر حضرت ہود کا اور پھر حضرت صالح کا۔ نویں میں حضرت لوط کا۔ دسویں میں

حضرت شعیب کا۔ گیارھویں میں بتلایا کہ قرآن منجانب اللہ وحی ہے اور یہ کاہن اور شاعر کا کلام نہیں ہوسکتا۔ اس سورت اور اس کی بعد کی دو سورتوں کا مضمون تقریباً ملتا جلتا ہے۔ ان تینوں میں زیادہ تر توجہ حضرت موسیٰ کے حالات کی طرف یا سلسلہ موسوی کی طرف دلائی گئی ہے۔ گو ذکر تینوں سورتوں میں یکساں نہیں مگر تینوں میں حضرت موسیٰ کے ذکر کا خاتمہ فرعون کے غرق ہونے پر کیا۔ اور یہ حضرت موسیٰ کا فرقان تھا۔ یوں سورۂ فرقان کے بعد فرقان موسیٰ کا ذکر کیا ہے۔ اور اس میں بھی اصل مقصود نبی کریم کی کامیابی کا ذکر ہی ہے کیوں کہ حضرت موسیٰ سے آپ کو خاص مشابہت تھی۔ جس کا ذکر توریت اور قرآن کے دونوں میں صاف الفاظ میں ہے۔ چونکہ پچھلی سورت میں توجہ دلائی گئی تھی کہ قرآن اپنے متبعین میں ایک تغیر پیدا کرنا چاہتا ہے تو ان تینوں سورتوں میں سلسلہ موسوی کا ذکر کر کے یہ بتایا ہے کہ ضرور ہے کہ یہ پیغام حق دنیا میں کامیاب ہو۔ جس طرح حضرت موسیٰ کامیاب ہوئے۔ اور مخالفین تباہ ہوں جس طرح حضرت موسیٰ کے مخالفین تباہ ہوئے بلکہ اوس شدید مشابہت سے جو حضرت موسیٰ کو آنحضرت سے ہے۔ ضروری تھا کہ بنی اسرائیل کے واقعات تاریخ اسلام میں دہرائے جاتے اور ان تینوں سورتوں میں تاریخ اسرائیلی کے انھیں واقعات کا بالخصوص ذکر کیا ہے جو تاریخ اسلام میں دہرائے جانے والے تھے۔ چنانچہ اس سورت میں فرعون کا مقابلہ اور اوس کی ہلاکت کو بالتفصیل بیان کیا۔ سورۂ النمل میں اوس شان شوکت کا ذکر کیا ہے جو آخر کار سلسلہ اسرائیل کو ملی۔ سورۃ القصص میں حضرت موسیٰ کی ہجرت کا ذکر ہے۔ اور یہ تمام باتیں اس طرح تاریخ اسلام میں دہرائی گئیں۔ یہ تینوں سورتیں کی اور غالباً آخری ایام کی ہیں۔

سورۃ النمل ۲۷ نام: اس کا نام حضرت سلیمان کے واقعہ سے کیا گیا ہے جس کا ذکر اس میں ہے۔ حضرت سلیمان کو اس قدر رعب دیا جانا کہ قومیں اُن کی مخالفت کرنے کی بجائے اون کے سامنے سر جھکانے لگیں۔ یہ اشارہ بھی ہے کہ ایسی ہی شوکت حضور اکرم کو ملے گی۔

خلاصہ مضامین: اثبات وحی و رسالت۔ اوس کی مناسبت سے قصے۔ توحید و اثبات معاد۔

سورہ: (۱) قرآن وحی ہے منجانب اللہ ہے۔ حضرت موسیٰ کی وحی کا ذکر۔ مخالفین کا انجام۔ دوسرے اور تیسرے میں حضرت سلیمان کا ذکر۔ دنیوی شوکت بنی اسرائیل میں مرتبہ کمال کو پہونچ گئی۔ جو حضرت کو بھی عطا ہوگی۔ (۴) حضرت صالح اور لوط کا ذکر۔ اُن سے سبق لینے کا ذکر۔ (۵) آنحضرت کے برگزیدہ صحابہ مخالفین کے ہاتھ سے سلامت رہیں گے اور ملک میں حکمران بنائے جائیں گے (۶) مخالفین کے انکار اور اُن کی سزا کا ذکر۔ (۷) بڑے بڑے مخالفین کو سزا دیکر شرارت سے روک دیا جائے گا۔ اور

بالآخر لوگ ایمان لائیں گے۔

سورہ الشعراء میں فرعون کا حضرت موسیٰ سے مقابلہ پر زور دیا گیا تھا۔ اور اوس کی آخری ہلاکت کا ذکر کیا تھا وہاں اشارۃً یہ کہا تھا کہ سلطنت و شوکت کی وہ نعمتیں جن سے فرعون کو محروم کیا گیا وہ ہم نے آخر کار بنی اسرائیل کو دین۔ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ۔ اور اب اس سورت میں اون نعمتوں کا مفصل ذکر کیا اور بتایا کہ وہ اپنے کمال کو حضرت سلیمان کے عہد میں جاکر پہونچیں۔ کیونکہ انبیائے بنی اسرائیل ایک دوسرے کے کام کو تکمیل کرتے تھے۔ اس لئے شوکت بھی سلسلہ اسرائیلی کو فوراً حضرت موسیٰ کے ساتھ نہیں ملی بلکہ اوس کا کمال حضرت سلیمان کے وقت میں ہوا لیکن رسول اللہ کے متعلق اس سورت میں فرمایا کہ ہم آپ کو اور آپ کے صحابہ کو بھی بادشاہت عطا فرمائیں گے۔ بس مضمون کا تقاضا تھا کہ سورہ النمل کو سورۃ الشعراء کے بعد رکھا جاتا۔

سورۃ القصص ۲۸ کی: القصص سورت کے تیسرے رکوع میں یہ نام آتا ہے۔ حضرت موسیٰ کی مماثلت میں اس کا خاص ذکر مقصود ہے کہ یوں ہی حضور اکرم بھی ہجرت فرماکر دس سال مدینہ میں قیام فرمائیں گے۔ اسی لئے پانچویں رکوع میں جہاں حضرت موسیٰ سے مماثلت کا ذکر ہے قیام مدین کا پھر خاص طور سے ذکر ہے۔ سورت کا خاتمہ اس پیشین گوئی پر کیا ہے کہ گو اب نبی صلعم مکہ سے جاتے ہیں مگر اون کا وہاں لایا جانا یقینی ہے۔ گویا ہجرت اس سورت کا خاص مضمون ہے۔ اسی لئے حضرت موسیٰ کی سرگذشت پر اس کا نام رکھا۔

سورہ: (۱) فرعون ایک قوم کو تباہ کرنا چاہتا تھا مگر اللہ تعالیٰ اوس کو بڑا بنانا چاہتا تھا۔ حضرت موسیٰ کی پیدائش۔ دریا میں ڈال دینا۔ پرورش (۲) قبطی کا معاملہ۔ اور مصر سے بھاگنا (۳) مدین پہونچنا۔ دس سال ٹھہرنا (۴) بعثت۔ فرعون سے مقابلہ فرعون کی ہلاکت۔ (۵) حضرت موسیٰ کا حضور سے مماثلت کا ذکر ہے۔ اشارہ ہے کہ اون واقعات میں آپ کی تاریخ ہی کا ذکر ہے (۶) گو حضور کو موسیٰ سے مماثلت زیادہ ہے مگر تمام انبیاء کی وحی کا باہم تعلق ہے۔ اصل الاصول سب کے ایک ہیں اور ایک دوسرے کے لئے پیشین گوئیاں بھی موجود ہیں بالخصوص حضور کی (۷) جو لوگ سردار بن کر دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں اُن کا انجام کیسا ہے (۸) قارون کا ذکر جس نے کثرت مال پر فخر کر کے دوسروں کو گمراہ کیا (۹) ہجرت کے بعد واپسی کی پیشین گوئی ربط۔ سورۃ الشعراء میں فرعون کی ہلاکت کا ذکر کر کے بتایا تھا کہ بنی اسرائیل کو طاقت اور حکومت ملے گی۔ النمل میں بتایا کہ حضرت موسیٰ کے سلسلے کو یہ عظمت حضرت سلیمان کے زمانے میں نصیب ہوئی۔ اب تیسری میں بتایا ہے کہ نبی کریم صلعم کی یہ شان و شوکت آپکی

ہجرت سے وابستہ ہے۔ اسلام کی کل ترقیوں کی بنیاد ہجرت ہے۔ اس لئے اس سورت کو اس مجموعہ کے آخر میں رکھا ہے۔

نوٹ: وجہٖ جس سے کسی چیز کی طرف آیا جاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ بندوں کے اعمال سے ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے اور باطل ہے سوائے اوس عمل کے جس سے اللہ تعالےٰ کا ارادہ کیا جائے۔

سورۃ العنکبوت ۲۹

مکی: آیت ۴۱ میں مشرکانہ عقائد کو اور مخالفین اسلام کے تدابیر کو مکڑی کے جالے سے تشبیہ دے کر بتایا ہے کہ شرک آخر کار دنیا سے مٹ جائے گا۔ اور توحید پھیل جائے گی اور اسلام کے خلاف کوئی تدبیر کارگر نہ ہوگی۔ اس سورت میں مسلمانوں کی تکالیف کا ذکر کر کے انھیں آخری کامیابی کا یقین دلایا ہے اور اوسی کی طرف اس نام میں اشارہ ہے۔

آنے والی چار سورتوں کا زمانہ نزول ایک ہی معلوم ہوتا ہے اور سورت کی ابتدائی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پانچویں یا چھٹے سال بعثت نبوی کا تھا۔ پس اس سورت کا زمانہ نزول بھی وہی ہے اور اس میں مسلمانوں کی خاص تکالیف کا ذکر بھی بتاتا ہے اور ہجرت کی ضرورت میں اشارہ ہجرت حبش کی طرف بھی ہوسکتا ہے اور آیندہ پیش آنے والی ہجرت مدینہ کی طرف بھی۔

ربط: یہ سورت اور بعد کی تین سورتیں جو الٓمٓ سے شروع ہوتی ہیں اون سب کا مضمون تقریباً ایک ہی ہے یعنی اسلام کی آخری کامیابی۔ پچھلی تین سورتوں میں اصل مضمون حضرت موسیٰ کی آخری کامیابی پر تھا۔ یہاں اوس کے مقابل پر آنحضرت کی کامیابی کا ذکر ہے اور پچھلی سورت سے ان کا تعلق یوں ہے کہ وہاں موسیٰ ہجرت کا ذکر کیا تھا اور آخر میں نبی صلعم کی ہجرت کا تو یہاں بتایا کہ ہجرت کامیابی کے لئے ضروری ہے اور تکالیف میں پڑنا تزکیہ نفس اور حصول کمال کے لئے ضروری ہے۔ جو مذہب کی اصل غرض ہے۔

سورہ: ابتدا میں مسلمانوں کی تکالیف جو مصلحت پر مبنی تھیں یہ بتلاتی ہیں کہ ان کے بغیر انسانی کمال حاصل نہیں ہوسکتا۔ پھر حضرت نوح۔ ابراہیم اور لوط و دیگر انبیاء کے مختصر ذکر اور حق کی کامیابی۔ (۵) مخالف عذاب مانگتے ہیں مگر قرآن ذریعہ تزکیہ نفوس ہے۔ تو یہ لوگ غرض کو چھوڑ کر غلط چیز مانگتے ہیں۔ (۶) ہجرت کرنی پڑے گی مگر اللہ تعالیٰ سامان معیشت مہیا کر دینگے۔ (۷) تکالیف عارضی ہیں۔ دور ہو جائیں گی اور مومن کامیاب ہوں گے۔

نوٹ (۱) فتن۔ دکھوں میں ڈالنا تا کہ انسانی کمزوریاں دور کر کے اعلیٰ مقام پر پہونچا دے۔

منہ سے ایمان لانا کافی نہیں۔ اصل غرض کمالات تک پہونچانا ہے اور وہ بغیر دکھوں میں پڑے میسر نہیں آتا۔

نوٹ (۲) جہاد کے معنی یہاں جہاد سیفی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوشش کرنا ہے خواہ اپنے تزکیہ کے لئے ہو خواہ دوسروں کو حق کی طرف بلانے کے لئے (یہ سورت مکی ہے اور جہاد سیفی کی اجازت نہ ہوئی تھی) دعوت الی اللہ تزکیہ نفس کے لئے بہترین جہاد ہے۔

نوٹ (۳) فلا تطعهما۔ اگر والدین بھی اللہ تعالیٰ کی معصیت کا حکم دیں تو نہ ماننا چاہئے۔ یہ قرآن کی صریح تعلیم ہے۔ تو پھر حاکم ہو یا عالم۔ پیر ہو یا کوئی اور۔ اگر خلاف شریعت حکم دے تو نہ ماننا چاہیئے۔

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ اللهِ۔

سورۃ الروم ۳۰ مکی۔ پانچواں یا چھٹا سال بعثت۔ رومی مغلوبیت اور آیندہ غلبہ کی پیشین گوئی کی وجہ سے نام الروم رکھا گیا۔ یہ وقت نہ صرف رومیوں کے ایرانیوں پر غلبہ کا ہے بلکہ وہی وقت مسلمانوں کے اپنے دشمنوں پر غلبہ کا ہے۔ دونوں کو اکٹھا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ پیشین گوئی کے وقت یہ دونوں قومیں مغلوب تھیں۔

ربط: ان چاروں سورتوں کا مضمون تو ایک ہی ہے۔ لیکن یہاں اسلام کی آخری کامیابی کو دو پہلوؤں سے واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ اول مسلمانوں کے غلبہ کی خبر ایک متعینہ وقت کے اندر۔ دوسرے یہ کہ اسلام مذہب فطرت ہے اور فطرت انسانی آخر کار اوس کے سامنے سر جھکائیگی

سورہ: (۱) میعاد نو سال مقرر کرکے فرمایا کہ وہی وقت مسلمانوں کی کامیابی کا ہوگا (۲) مومن اور کافر کے انجام کا مقابلہ (۳) قدرت الٰہی کے نشانات کی طرف توجہ (۴) اسلام فطری مذہب ہے۔ اور مقبول ہوگا (۵) کل عالم میں فساد پھیل چکا تھا۔ اب عظیم انقلاب کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ جس کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں (۶) حق کی مخالفت دور کردی جائے گی۔

سورہ لقمٰن ۳۱ مکی۔ دوسرے رکوع میں لقمان کا ذکر ہے جو حبش کے رہنے والے تھے مقصود یہ ہے کہ اعلیٰ درجہ کی اخلاقی تعلیم جس سے قوموں کو فلاح ملتی ہے کسی ایک قوم سے خاص نہیں۔ بلکہ ہر ملک اور ہر قوم میں وہ تعلیم اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص وحی سے پہونچائی۔

ربط: پچھلی سورت میں مسلمانوں کے غلبہ کی کھلی پیشین گوئی کی تھی یہاں بتایا ہے کہ فلاح کی بنیاد اخلاق فاضلہ ہیں۔

سورہ: (۱) مومن جو اللہ کے روبرو جھکتے ہیں اور مخلوق خدا کی ہمدردی میں اپنے قویٰ اور اموال صرف کرتے ہیں وہ کامیاب ہوں گے (۲) لقمان کے نصائح اپنے بیٹے کو جس میں بتایا کہ فلاح ملتی ہے اخلاق فاضلہ سے۔ نیز یہ کہ اخلاق اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں جو دنیا کو پہنچائی گئیں (۳) نعمائے ظاہری و باطنی کا ذکر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اوس کے مخلوق کی وسعت کے طرف توجہ دلائی ہے۔ (۴) نعمائے الٰہی کے انکار کرنے والے بالآخر پکڑے جاتے ہیں۔

سورۃ السجدہ ۳۲

مکی۔ اس نام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مسلمانوں کی فلاح اور کامیابی قرآن کریم کی کامل فرمانبرداری سے وابستہ ہے اور یہی اس سورت کا مضمون ہے

ربط: مکی مجموعہ کی آخری صورت ہے۔ اس میں اسلام کے غلبہ اور استحکام کے ذکر کے ساتھ یہ بھی بتایا ہے کہ ایک وقت اوس کی ترقی میں رکاوٹ کا بھی ہوگا مگر وہ ایک محدود زمانہ ہے۔ اس میں گویا اوسکی آخری بشارت کامیابی کی ہے۔

سورہ: اسلام جو ہدایت کے لئے نازل ہوا اوس کے استحکام کے بعد اوس پر ایک ہزار سال کا زمانہ ایسا آئے گا جس میں اوس کی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہوجائے گی (۲) مومن اور کافر کا مقابلہ کرکے بتایا کہ ایمان اسی بات کا نام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی فوراً فرمانبرداری کیجائے۔ (۳) مومنوں اور کافروں کے درمیان فیصلہ کا ذکر ہے۔

سورۃ الاحزاب ۳۳

نام جنگ احزاب سے لیا گیا۔ مدنی سورت ہے۔

ربط: مجموعہ الٓمٓ کی چار سورتیں جو پیچھے گذریں اون میں اسلام کی کامیابی کی پیشین گوئی کی تھی۔ اس سورت میں اون پیشین گوئیوں کو پورا ہوتے دکھایا ہے کہ کس طرح کفار اپنا پورا زور خرچ کرکے ناکام رہے۔

سورہ: اس سورت کا اصل مضمون یہ ہے کہ نبی کریمؐ ایک کامل نمونہ ہیں اور مسلمانوں کو آپ کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔ جنگ احزاب کا ذکر اس غرض سے لایا گیا کہ کوئی طاقت اس حق کو مٹا نہیں سکتی۔ (۱) نبی کا تعلق مومنوں سے کیا ہونا چاہیے جسمانی تعلقات کی نفی کرتے ہوئے بتایا ہے کہ آپ کے ساتھ مومنوں کا روحانی تعلق ہے۔ آپ کی محبت سب محبتوں پر فائق ہونا چاہیے۔ (۲) جنگ احزاب کا ذکر ہے۔ اصل غرض اس طرف توجہ دلانی ہے کہ مخالفت کی ساری طاقتوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو حوصلہ نہیں ہارنا چاہیئے۔ ابتدا رکوع ہی میں بتایا کہ آنحضرت مسلمانوں کے لئے کامل نمونہ ہیں۔ زندگی کے ہر شعبہ میں آپ کا نمونہ کام دیتا ہے (۴) ازواج مطہرات کا ذکر کیا اور

بتایا کہ نبی کی زوجیت میں آنے کی غرض یہ نہیں کہ اُن کی توجہ دوسری عورتوں کی طرح دنیوی زیب و زینت کی طرف ہو۔ بلکہ محض ایک دینی غرض کو تکمیل کو پہونچانے کے لئے اون کا وجود ہے۔ اون کو بھی دنیا کی عورتوں کے لئے نمونہ بننا ہے (۵) پھر اصل مضمون کی طرف توجہ دلائی کہ آنحضرت کی ابویت جسمانی نہیں روحانی ہے (۶) مضمون کا انتقال آنحضرت کی ازواج کی طرف کیا اور اون پر پابندی کا ذکر کیا۔ (۷) منافق وغیرہ کس طرح مختلف باتیں کرکے ایذا دیتے ہیں۔ اون کا علاج بھی بتایا۔ ایسی باتیں کرنے والوں کو تنبیہہ بھی کی۔ (۸) ایسی باتیں کرنے والے منافق اور کافر ہیں۔ اوس کی سزا پائینگے (۹) (۱۰) میں بتایا کہ منافق اور کافر اس امانت میں خیانت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اُن کے سپرد کی ہے۔ اس خیانت کا نتیجہ یقیناً دکھ ہے۔

سورۃ السبا ۳۴

کی ہے۔ سبا کی قوم ملک یمن میں رہتی تھی۔ اون کی تباہی کا واقعہ پہلی یا دوسری صدی عیسوی کا ہے۔ اس میں مسلمانوں کو توجہ دلائی ہے کہ نعمتوں کے بعد ناشکری پر اللہ تعالیٰ اظہار ناپسندیدگی بھی فرمایا کرتا ہے۔

ربط: جب پچھلی سورتوں میں اسلام کے غلبہ کی پیشین گوئیاں کیں اور سورہ احزاب میں دکھا بھی دیا کہ اسلام کو کفر کی کوئی طاقت تباہ نہیں کرسکتی تو اب ایسی سورت اُس کے بعد رکھی ہے جس میں یہ بتایا ہے کہ یہ انعام جو مسلمانوں پر ہوا محض اون کے اعمال کے لحاظ سے ہوا۔ اگر نعمت کے ملنے پر اونھوں نے ناشکری کی تو اون کا بھی انجام وہی ہوگا جو اون سے پہلے دوسری قوموں کا ہوا۔

سورہ: (۱) نتائج اعمال حق ہیں۔ اچھے کاموں کا نتیجہ عزت و راحت ہے برے کاموں کا نتیجہ ذلت اور دکھ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اٹل قانون ہے۔ قوموں کی عزت و ذلت میں۔ اون کی عروج اور بربادی میں یہی کام کرتا ہے (۲) جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر اوس کے اعمال حسنہ کی وجہ سے انعام کرتا ہے پھر وہ قوم ناشکری کرتی ہے تو وہ بھی اوس ناشکری کی سزا پاتی ہے۔ مثال کے طور پر پہلے داؤد اور سلیمان کے ماتحت بنی اسرائیل کے غلبہ کا اور پھر سلیمان کے بعد اون کے زوال کا ذکر کیا۔ ایسا ہی قوم سبا پر انعامات اور سلب انعامات کا ذکر کیا۔ (۳) مومنوں کا کفار سے مقابلہ ہوگا۔ مومنوں کو اللہ تعالیٰ کی نصرت ملے گی۔ اور وہ غالب ہونگے۔ (۴) مخالفت کرنے والوں کا ذکر کیا کہ ایک لیڈر ہیں جو اُکساتے ہیں اور دوسرے بغیر سوچے سمجھے اون کی پیروی کرتے ہیں۔ (۵) کثرت مال جس پر انسان بھول جاتا ہے کوئی فخر کا مقام نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اون نعمتوں سے پہلی قوموں کو اس قدر حصہ دیا کہ کفار قریش اون کے مقابل پر مال دنیا کی کثرت کے لحاظ سے کوئی وقعت نہیں رکھتے (۶) یہ بتا کر

ختم کیا کہ حق کا آنا بیفائدہ نہیں وہ غالب آکر رہے گا۔

سورہ فاطر ۳۵ مکی ہے۔ فاطر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس میں اشارہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ جس نے فطرت انسانی کو بنا کر خدا سے ملنے کی تڑپ اوس میں رکھی ہے اوس تڑپ کو پورا کرنے کا سامان بھی دیا ہے۔ اس لئے اُس کا مضمون بھی ربوبیت روحانی ہی ہے۔

ربط: پچھلی سورت میں مسلمانوں پر اپنے انعامات کا ذکر دوسرے لوگوں کے ذکر میں کیا تھا۔ یہاں بتایا ہے کہ وہ خدا جو جسمانی طور پر لوگوں کی ربوبیت فرماتا ہے روحانی طور پر بھی فرماتا ہے اور تمام امتوں میں رسول بھیجنے کے بعد اب اوس نے اپنی روحانی نعمت کتاب اللہ کا وارث امت محمدیہ کو بنایا ہے۔

سورہ: (۱) دونوں قسم کی نعمتیں یعنے نعمائے جسمانی و روحانی کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ شیطان نعمائے روحانی سے انسان کو محروم کر کے اوسے دکھ کی طرف لیجاتا ہے (۲) انسان کو عزت صرف تعلق باللہ سے ملتی ہے (۳) اللہ تعالیٰ کی ربوبیت روحانی کا ذکر تمام قوموں میں نبی بھیجکر اُن کی روحانی ربوبیت کی۔ (۴) عالم میں اختلاف کی باعث نعمائے روحانی کے لینے میں اور فائدہ اٹھانے میں اختلاف مراتب ہیں۔ برگزیدہ لوگوں میں بھی سب یکساں نہیں۔ (۵) نعمائے روحانی کے انکار سے انسان خود دکھ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ بڑا بردبار ہے۔ ظلم پر فوراً گرفت نہیں کرتا۔ بلکہ ایک وقت تک مہلت بھی دیتا ہے۔

سورہ یٰسین ۳۶ نام پہلی آیت سے لیا گیا یہ خطاب ایسے انسان کامل آنحضرتؐ کو ہے جس میں یہ بتانا مقصود ہے کہ انسانیت کو اپنے کمال تک پہونچایا۔ اس لئے آپ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے ہی انسان کمال کو حاصل کر سکتا ہے یہی اس سورت کا اصل مضمون ہے۔ اس کو خود زبان مبارک نبوی سے قلب قرآن کا خطاب ملا ہے۔ اوس کے فضائل احادیث میں بہت سے آتے ہیں۔ اس کا قلب قرآن ہونا اس لحاظ سے ہے کہ قرآن کی اصل غرض انسان کو کمال تک پہنچانا ہے اور اوسی کا بالخصوص ذکر اس سورت میں ہے۔

ربط: پچھلی سورت میں ربوبیت روحانی کا ذکر تھا اور بتایا تھا کہ اوس نے تمام قوموں کی ربوبیت روحانی بذریعہ رسولوں کے کی۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ اب انسان کامل محمدؐ رسول اللہ صلعم کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے تمام انسانوں کی ربوبیت روحانی ہو گی۔ یہ چھ سورتوں کا ایک مجموعہ ہے۔ السبا۔ فاطر۔ یٰسین۔ الصّٰفّٰت۔ صٓ۔ الزمر۔ چنانچہ السبا الحمد للّٰہ رب العالمین

سے شروع ہوتی ہے۔ اور سورہ الزمر۔ الحمد للہ رب العالمین پر ختم ہوتی ہے۔ ان کا مضمون بھی تقریباً ایک ہی چلتا ہے اور زمانہ نزول بھی ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔

سورہ ۃ سب سے پہلے قرآن کریم کو آنحضرت صلعم کی صداقت پر بطور شہادت پیش کیا ہے اور بتایا ہے کہ آنحضرت کا معجزہ قرآن کریم ہے کیوں کہ آپ نے جس بات کا دعویٰ کیا ہے اوسے قرآن کریم ثابت کردے گا۔ اور ثابت کردینا عملی طور پر انسان کو اس مقام پر پہونچانا ہے۔

اس کے ساتھ یہ بھی بتایا ہے کہ جن انسانوں کو اوس مقام پر پہونچاتا ہے۔ اون کی حالت کیسی ہے۔ اون میں احساس گویا مرچکا ہے۔ (۲) ایک مثال کی رنگ میں سمجھایا ہے کہ وہ قوم جس کی اصلاح کا کام آنحضرت کے سپرد براہ راست کیا گیا ہے اس قابل نہ رہی تھی کہ کوئی موجودہ مذہب اون کی اصلاح کرسکتا۔ اور عملی طور پر پہلے مذاہب اوس کی اصلاح کی کوشش میں ناکام ہو چکے ہیں (۳) حق کی صداقت کے کچھ نشانات بیان کرکے یہ سمجھایا ہے کہ آنحضرت کا وجود باجود سے اللہ ایک مردہ زمین کو زندہ کردے گا۔ (۴) آپ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے والوں کو جزا اور آپ کی مخالفت کرنے والوں کو سزا کا ذکر ہے۔ (۵) جو قومیں اپنے برسر عروج ہونے کی وجہ سے حق کی مخالفت کرتی ہیں انھیں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اون کے بھی آخر زوال کا وقت آئے گا۔ اللہ تعالیٰ جس کی قدرت اور حکومت تمام اشیاء پر ہے حق کو غالب کرے گا۔ اور معبودان باطل اپنے پرستاروں کی کوئی مدد نہ کرسکیں گے۔

تفسیر: ہر انسان کے لئے پروردگار عالم کی عبادت قرب کا ذریعہ ہے۔ یہ قرب کیسے حاصل ہوتا ہے اور وہ عبادت کونسی ہے جس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور جو اوس کے نزدیک زیادہ مقبول ہے یہ انسان کو اللہ کے رسولوں نے بتلایا۔ اس لئے کہ اون کے پاس وحی کا ذریعہ تھا جس سے وہ اللہ کے منشاء کو جان سکتے تھے۔ حضرت ابوذر غفاری اسلام میں داخل ہونے سے پہلے یہ جان گئے تھے کہ بت پرستی صحیح مذہب نہیں۔ وہ خدا کی وحدانیت کے بھی قائل تھے مگر یہ نہیں جانتے تھے کہ اوس کی عبادت کیسے کی جائے۔ یہ نہیں جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کن باتوں سے خوش ہوتا ہے اور کن باتوں سے ناراض۔ وہ رات رات بھر روتے کھڑے رہتے اور زاری کرکے کہتے کہ اے اللہ میں نہیں جانتا ہوں کہ تو کس چیز سے اور کس عبادت سے خوش ہوتا ہے۔ غرض روتے اور روکر گر پڑتے۔ حضور اکرمؐ نے وہ راز بتوسط جبرئیل ظاہر فرمائے۔ جس کی وجہ سے ہم کو وضو اور نماز کے طریقے معلوم ہوئے۔ بعض باتوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک کے ذریعہ سے واضح فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کس عمل میں اور کونسی چیزوں میں ہے وہ کونسے اعمال ہیں جن سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔

اور وہ کون سے ہیں جن سے ناراض۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی سے عرضی گذاران نے کا طریقہ بتایا اور پھر اوس عرضی کا مسودہ بھی بہ شکل سورۂ فاتحہ مرحمت فرمایا۔ چنانچہ جب بندہ اپنے رب کی حضور میں جاتا ہے تو وہی عرضی پیش کرتا ہے یا کئی شخصوں کی جانب سے اکیلا عرضی گذرانتا ہے دوسرے آمین آمین کہکر امام کے کہے ہوئے پر صاد کرتے ہیں کہ ہماری بھی یہی عرضی ہے۔ اس عرضی میں پہلے خدائے تعالیٰ کی حمد ہے کہ تو ایسا ہے اور ایسا ہے اوس کے بعد اپنی عبدیت اور اپنے انتساب کا اقرار ہے۔ اس کے بعد اصلی معروضہ ہے کہ اے اللہ ہم کو صراط مستقیم دکھلا۔ اور گمراہ نہ کر۔ اس عرضی کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید بھیجا جو صراط مستقیم بتاتا ہے اور کہدیا کہ اَنِ اعْبُدُوْنِیْ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْم۔

انسانی زندگی کا تعلق آیندہ کی زندگی سے وابستہ ہے۔ ہر عمل مستقبل میں غائب نہیں ہوتا بلکہ محفوظ ہو کر رہتا ہے اور پھر پھیلا دیا جاتا ہے جس کو امامٌ مبین سے تعبیر کیا۔

یہ صراط مستقیم اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کے ذریعہ سے عوام کی جانب بھیجتا رہا۔ اور پیش کرتا رہا جب کبھی انسان اوس سے ہٹا تو دوسرا ڈرانے والا بھیجا۔ چنانچہ یہ صراط مستقیم انسان کی روبرو ہمیشہ رہا۔ بعض لوگ اوس پر قائم رہے اور بعض اوس سے علحدہ ہو گئے۔ صراط مستقیم پر قائم رہنے کے کیا نتائج ہیں؟ اوس سے ہٹنے کے کیا نتائج ہیں؟ پیغمبروں کو جانچنے کا کیا طریقہ ہے؟ پیغمبروں کی تعلیم کا اثر بنی نوع انسان پر کیا ہوتا ہے؟ انسان عبدیت کے نقطہ سے ہٹ سکتا ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ کی عبدیت سے ہٹ کر وہ کہاں جاتا ہے؟ یہ صراط مستقیم نیا ہے یا قدیم؟ یہ چند سوالات ہیں جن کے جوابات اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمائے۔ اسی لئے اس سورہ کو قلب قرآن کہتے ہیں۔

انسان کے روبرو صراط مستقیم دو شکلوں میں پیش ہوئی۔ ایک علمی شکل میں دوسری عملی شکل میں۔ علمی شکل میں تو خود قرآن پاک ہے اور عملی شکل میں خود حضور اکرم جس کی تصدیق خود خدائے پاک فرماتا ہے کہ اِنَّکَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْم۔

عبادت نام ہے جھکنے کا۔ انسان فطری طور سے محتاج ہے۔ جھکنے پر مجبور ہے ہر ہر لحظہ وہ خدا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ ہوا۔ پانی۔ غذا۔ روشنی یہ سب چیزیں جب اوس کو باہر سے ملتی ہیں تو وہ زندہ رہتا ہے۔ اوس کی احتیاج ہر وقت اور ہر آن جاری ہے اوس کے جسم کے اندر بہت سی چیزیں ایسی ہیں اور ہوتی رہتی ہیں جس پر وہ قادر نہیں جب اوس کی قدرت سے

باہر ہیں تو کسی دوسرے کی قدرت کے اندر ہوں گی یہ ہے نقطۂ عبدیت۔ انسان اس نقطہ سے ہٹ نہیں سکتا۔ عبدیت نام ہے مجبوری کا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ انسان مجبور ہے ہوا۔ پانی وغیرہ۔ نیز اوس فیضان کا جو مسلسل اوس پر جاری ہے۔ اس صحیح انتساب کا سمجھنا اور اوس کا شکر ادا کرنا یہی اوس کی حقیقت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عزت اور رحم دونوں کا یہی تقاضا تھا کہ وہ صراط مستقیم کو انسان کے روبرو پیش کرتا رہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کیا۔ ابتدا میں تو انسان کو اپنے خالق اور اوس کے خوشنودی کی تلاش ہوتی ہے مگر اوس کی اولاد اور نسل سے وہ تلاش گم ہو کر صرف عصبیت رہ جاتی ہے یعنی وہ نسلیں کسی مذہب کی پابند صرف اس لئے رہ جاتی ہیں کہ اوس نے اپنے باپ کو اس طرح چلتے دیکھا ہے جب وہ تلاش خالق ومخلوق کے رشتہ معلوم کرنے کی اور وہ باہمی انتساب ومحبت گم ہو جائے تو ظاہر ہے کہ ایسے انسانوں سے خشیت و چونک جاتی رہتی ہے اور اپنے باپ دادا کے طریقوں کو مذہب سمجھتے ہیں۔ اور پیغمبروں کے بتائے ہوئے راستوں میں بہت کچھ کھوٹ ملا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پھر اپنی رحمت سے غفلت کو دور کرنے اور عصبیت کا زور گھٹا کر چونک پیدا کرنے کیلئے پیغمبر بھیجتا ہے۔ تاکہ دوبارہ اُن میں تازگی اور زندہ دلی پیدا کر دے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا رہا۔ ہمیشہ دھمکانے والا آیا۔ تاکہ انسانوں میں چونک پیدا ہو جائے اور اوس کی عبادت کرنے لگیں۔

یہ بتلایا جا چکا ہے کہ صراط مستقیم اللہ تعالیٰ ہمیشہ بھیجتا رہا۔ لوگ ابتدا میں اوس پر قائم رہے تاکہ اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہو۔ مگر چند روز میں صرف عصبیت کی وجہ سے مذہب کی پابندی رہجاتی ہے اور یہ خیال جاتا رہتا ہے کہ وہ قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔ جب یہ کیفیت اون پر مسلط ہو جاتی ہے تو وہ اُن کو پیغمبر پر ایمان لانے سے روکتی ہے اور یہی پردہ ہو جاتا ہے جو اون لوگوں کو اچھی باتیں ماننے سے روکتا ہے۔ ایسے لوگوں کی فطرت اوندھی ہو جاتی ہے اور خشیت اُن سے نکل جاتی ہے۔ اگر یہود یوں اور عیسائیوں کے سامنے یہ عصبیت کا خیال باقی نہیں رہتا تو بہت ممکن تھا کہ وہ صراط مستقیم کی تلاش کرتے اور حضور اکرمؐ کی تعلیم کو تشفی بخش پاتے جیسا کہ ابو نور نے پایا۔ چنانچہ ایک مشہور لیڈر کا قول ہے کہ میں جانتا ہوں کہ میرا مذہب اوہام پرستی ہے مگر جس طرح میں اپنی بیوی کو نہیں چھوڑ سکتا اسی طرح اپنے مذہب کو بھی نہیں چھوڑ سکتا۔

پیغمبر جب صراط مستقیم لوگوں کے روبرو پیش کرتا ہے تو لوگ اپنی فطرت کے اعتبار سے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے اور ایک وہ گروہ جن کے دل میں ڈر نہیں ہے۔ جن کے دل میں ڈر ہوتا ہے وہ صراط مستقیم کو قبول کر لیتا ہے اور جن کے دل میں ڈر نہیں ہوتا

وہ طرح طرح کے تاویلات کرتا ہے۔ اوس کی تمثیل ایک واقعہ سے دی ہے۔ اصحاب قریہ کی طرف جب مرسل گئے تو جن کے دل میں ڈر نہیں تھا اونھوں نے مرسلین کا ٹھٹھا اڑایا اور صداقت کے چراغ کو بجھا دینا چاہا۔ ہر زمانے میں گمراہ لوگ صرف دنیوی جاہ و حشم قائم رکھنے کیلئے اسی قسم کی باتیں بناتے ہیں۔ چنانچہ بعض بھائیوں میں بھی اس قسم کی قیل و قال ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو دنیا سے مٹا دینا چاہیئے۔ مگر جن کے دل میں خدا کا ڈر ہوتا ہے وہ پیغمبر اور مرسل کے بارے میں تنقیحات ذیل قائم کرتے ہیں اور اسی طرح جانچنا چاہیئے:

(۱) مخلص ہے یا نہیں۔ اوس کے کلام میں صداقت ہے یا نہیں (۲) اوس کے اخلاق و عادات کیسے ہیں۔ (۳) اوس کی تعلیم فطرت کے مطابق ہے یا نہیں۔ اسی طرح رَجُلٌ یَّسْعٰی نے پیغمبروں کو جانچنے کا معیار بتلایا۔ اوس کے بعد کہا کہ اگر ہم خدا کو چھوڑ کر کسی بزرگ کی پرستش کرنے لگیں تو اوس کی دعا سے بھی محروم ہو جاتے ہیں کیونکہ اُس بزرگ کو خدائے تعالیٰ کے روبرو سفارش کرتے شرم آئے گی۔ اگر جمادات کی پرستش کریں تو وہ شفاعت کی استطاعت نہیں رکھتے۔ اوس کے بعد رَجُلٌ یَسْعٰی نے خود ایمان لایا۔ اقرار بالاعلان کیا اور مر گیا اور جنت میں داخل ہو گیا۔ یہاں سے وہ حدیث مستخرج ہے کہ من قال لا الٰہ الا اللہ فقد دخل الجنۃ مرتے وقت یٰسین اس لئے پڑھائی جاتی ہے کہ مرنے والا اس سے سبق لے اور کلمہ طیبہ زبان سے نکالے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مثل رجل یسعی جنت میں داخل ہو۔

حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مثال دی ہے کہ آفتاب اپنی تابش اور روشنی میں یکساں ہوتا ہے مگر کپڑا اوس سے سفید ہوتا ہے اور دھوبی کا رنگ کالا۔ اسی طرح پیغمبر کی تعلیم کا اثر مختلف قلوب پر مختلف ہوتا ہے۔ جن کے دل میں خشیت ہوتی ہے وہ اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں اور جو غافل اور عصبیت میں گرفتار ہوتے ہیں اُن کے دل اور زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ وہ استہزا کرتے ہیں اور مذہب کی حقیقت نہ جان کر دور جا پڑتے ہیں۔ جب تک مذہب کی ضرورت انسان کو متلاشی نہیں بناتی اوسوقت تک وہ صداقت کے زور اور اوس کی لذت سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکتا۔

قرآن مجید کا قاعدہ ہے کہ جہاں ضرورت ہو یا جہاں وسوسہ لگے بس وہیں وہ کلیہ کو یا قوانین قدرت کو دہرا دیتا ہے یہ نہیں کہتا کہ ہم اوس پر فلاں جگہ بحث کر آئے ہیں دیکھو صفحہ فلاں۔ بلکہ کہی ہوئی بات دوبارہ کہہ دیتا ہے۔ خواہ وہ پہلے کہی گئی ہو یا نہ کہی گئی ہو۔

فرع اور اصل میں تعلق اور انتساب قائم رکھنے کے لئے یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ جب اس قدر ٹھوس اور علم سے لبریز مسلسل کڑیاں اس زندگی میں ملتی ہیں تو کیا اوس کا مبدء جاننے والا علیم وبصیر ہوتا ہے یا جاہل مردہ مادّہ۔ قوانین میں استحکام۔ اوس کی ترتیب سب اوس کا پتہ دیتے ہیں کہ اس کا خالق مبدء علم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس عالم کی گھڑی میں باوجود اس قدر زمانہ گزرنے کے کوئی فرق نہیں پیدا ہوا۔ پہلے مصنوعات خداوندی کو گنوایا۔ اس کے بعد مصنوعات انسانی کو گنوایا کہ یہ کشتی جس پر تم سوار ہوتے ہو یہ بھی ہماری رحمت سے تم کو ٹھکانے پہونچاتی ہے۔ انسان اس کی رحمتوں سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ انسانی زندگی پیچ در پیچ قوانین کے تحت جکڑی ہوئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت پر اس کا انحصار ہے ورنہ نازک قوانین ذرا سے فرق سے مخالف کام کرنے لگتے ہیں۔ لہذا انسان کی پناہ صرف اوس کی رحمت میں ہے۔ معترضین کا اعتراض ہوتا ہے کہ کیا جس کو اللہ تعالیٰ نے غریب بنایا اوس کو ہم خیرات دے کر مالدار کریں۔ اگر اللہ چاہتا تو اون کو بھی امیر بناسکتا۔ جو لوگ آج کل بھی یہ اعتراض کرتے ہیں وہ معترضین میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے مال میں سے دینا یہ اوس کی آزمائش ہے کہ وہ رواداری کو کہاں تک جائز رکھتا ہے۔ اور اگر یہ حکم نہ ہوتا تو اوس کو درجات کیوں کر ملتے۔ معترضین کا دوسرا سوال یہ ہے کہ قیامت کب آنے والی ہے۔ اوس کا صحیح وقت بتادو اور استدلال اس طرح کرتا ہے کہ اوس کا صحیح وقت نہ بتایا تو گویا یہ دلیل ہے اوس کے نہ آنے کی۔ کوئی شخص کہے کہ تو مرنے والا ہے اور جب پوچھا جائے گا کہ کب اور کس وقت تو اوس کا جواب نہ پاکر مطمئن ہو جانا کہ موت نہیں آئے گی بعینہٖ اوس کی مثال ہے بعض امور کے نہ بتلانے میں مصلحت تھی لہذا مخفی رکھا گیا۔

قرآن مجید واضح کرتا ہے کہ اوس کی نجات ذات کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس کے صفات کے ذریعہ سے ہے۔ صفات کو ترقی دینا۔ اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی قوتوں کا صحیح استعمال کرنا ہی ذریعہ نجات ہیں۔ قوتیں سب اپنی جگہ اچھی ہیں۔ اون کا اچھا اور برا استعمال اون کو اچھا اور برا بناتا ہے۔ قرآن مجید اس صحیح استعمال کو جتلاتا ہے۔ انسانی فطرت پر کٹہ باندھنا جائز نہیں یہ سیلاب اس طرح ذرکے گا۔ مناسب یہ ہے کہ اس سیلاب کو ایسی نہروں میں نکال دو کہ وہ بنجر زمین کو سیراب کرے۔ یہ صحیح استعمال ہو جائے گا۔ انسان میں جھکنے کی بھی صفات ہیں اور اکڑنے کی بھی۔ کس کے سامنے جھکنا اور کس سے اکڑنا ہی مذہب کی تعلیم ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ سب دنیا انسان کے لئے ہے اور انسان خدا کے لئے۔ اس لئے دنیا سے اکڑنا اور خدا کے روبرو جھکنا یہ صحیح راستہ ہے۔ یہی صراط مستقیم ہے اللہ تعالیٰ کی تنبیہ ہے کہ یا بنی آدم

ان لا تعبد الشیطان اِنَّہٗ لکم عدو مبین کبھی انسان غلطی سے اس طریقہ کو الٹ دیتا ہے۔ خدا کے سامنے جھکنے کے بجائے اسباب پر نظر رکھتے ہوئے دوسری طاقتوں کے سامنے جھکتا ہے۔ اور اس کو نظر انداز کر دیتا ہے کہ یہ سب قوتیں اللہ تعالیٰ کے قبضۂ اختیار میں ہیں۔ اگر وہ دوسری قوتوں کے روبرو جھکے تو یہ ہوئی شیطان کی موافقت جس سے تعلق پیدا کرنے سے انسان صراط مستقیم سے دور جا پڑتا ہے۔ صراط مستقیم پر چلنے سے مرکزی طاقت پر قبضہ ہو جاتا ہے اور اوس سے ہٹنے والا دوزخ کے گڑھے پر پہونچتا ہے اور اوس میں گرنا لازمی نتیجہ ہے۔ اس لئے فرمایا کہ اِصلوھا الیوم۔ ہاتھ پیر اللہ تعالیٰ کی فوج ہیں جو ہم کو دے گئے ہیں اور اوس کے حکم سے ہماری متابعت کرتے ہیں اور اوسی کے حکم سے بولنے لگیں گے۔ اور ہمارے خلاف شہادت دیں گے۔ زبان اس لئے بولتی ہے کہ اوس کو بولنے کا حکم ہے۔ جب ہاتھ کو حکم ہوگا تو وہ بولنے لگے گا۔ اس میں تعجب کرنے کی بالکل گنجائش نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ انسان قوی ہیکل کو کوزہ پشت بنا سکتا ہے۔ قوت دیگر اس کو کوزہ پشت کر سکتا ہے تو وہی خداوند علیم اپنی قدرت سے ہاتھ پیر کو گویا کرے تو کیا عجب ہے۔ آنکھ اس لئے دیکھتی ہے کہ اوس میں یہ خصوصیت اللہ تعالیٰ نے رکھ دی ہے اگر یہی خصوصیت دوسری جگہ رکھ دی جائے تو وہ حصہ بھی بصارت کا کام دے گا۔ اسی طرح آنکھ سے بصارت لے لیجائے تو پھر سید صارات بھی دکھائی نہ دیگا۔ پس حقیقت میں قادر مطلق کا حکم قابل قدر ہے جس کی بدولت یہ سب احکام جاری و ساری ہیں۔ جب آنکھ کو حکم ہوگا تو وہ مثل چمڑے کے کور ہو جائے گی۔

قرآن مجید سے پتہ چلتا ہے کہ صراط مستقیم ایک ہی ہے جس پر چل کر انسان جنت تک پہونچ جائے گا۔ اگر صراط مستقیم سے ہٹا تو پھر جس قدر بھی راہیں ملیں گی وہ لے جا کر جہنم کے گھڑے پر کھڑا کر دینگی۔ اور سوائے اوس میں گر جانے کے چارہ کار نہ ہوگا۔ یہ بھی مثل دوسرے قوانین کے اللہ تعالیٰ کا زبردست قانون ہے لہٰذا انسانی سعی یہی ہونا چاہئے کہ وہ نیک عمل کرتا جائے۔ اور صراط مستقیم پر قائم رہے۔ انسان عبدیت پر ہے اور رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کی عبدیت پر قائم رہنا یہی قدرتی قاعدہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی عبدیت پر قائم نہ رہا اور اوس سے روگردانی کی تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک نصب العین جو اوس کے روبرو ہونا چاہئے اوس سے ہٹ جائے گا۔ ساتھ ہی تنزل کی طرف رجوع ہوگا۔ ہر کس و ناکس کے روبرو جھکنے لگے گا۔ اسی طرح تنزل کی انتہائی منزل پر پہونچ جائے گا جو شیطان کی عبدیت ہے انسان کے اعتقاد کی انتہا لَھُمْ مَا یَدَّعُوْنَ سے ظاہر ہے۔ اور انسان کے تنزل کی انتہا تعبد الا لشیطان ہے جو جہنم کے گڑھے پر پہنچا دیتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جو کچھ کہا گیا وہ زور دکھانے تو

نہیں کہا گیا اوس کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے کہا کہ مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَ مَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۔ شاعر کے متعلق کہا ہے کہ وہ گم کردہ راہ ہیں۔ مبالغہ کرتے ہیں۔ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور نصب العین اون کے سامنے نہیں ہوتا۔ قرآن مجید تو ایک چونک ہے۔ بیداری کا پیغام۔ مگر اوس سے وہی شخص راستہ پاتا ہے جس کے احساسات ستہ باقی ہوں جن سے فطرت انسانی بنتی ہے وہ احساسات ستہ یہ ہیں۔

(۱) تقویٰ (۲) ایمان بالغیب (۳) صلوٰۃ۔ (۴) انفاق (۵) رواداری (۶) نتیجہ و آخرہ پر ایمان۔

اس کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے ابتدائے قرآن ہی میں کردی ہے غرض قرآن مجید انھیں لوگوں کو بیدار کرے گا جن میں یہ احساسات ستہ صحیح طور پر موجود ہوں جن میں یہ مردہ ہیں اون پر اللہ تعالیٰ اپنی حجت پوری کرتا ہے۔ چنانچہ مومن مرد زندہ ہے اور کافر مرد مردہ۔ زندگی کا مقصد انسانی زندگی ہے حیوانی زندگی نہیں۔ انسان کو جو حیوانوں پر تفوق ہے وہ اوس کی بعض صفات کی وجہ سے ہے اگر وہ صفات ہی گم کردئے جائیں تو پھر زندگی کیا باقی رہی۔ صرف اپنی فضیلت کی وجہ سے انسان جانوروں سے کام لیتا ہے جس کا شکر ادا کرنا چاہیئے تھا لیکن اگر صفات کو کھو کر حیوانی زندگی کو کوئی شخص اختیار کرے تو وہ عبدیت خدا کے نقطہ سے ہٹا ہوا ہے۔

دنیا میں آکر جب انسان دیکھتا ہے کہ اسباب کی کڑیوں میں جکڑا ہوا ہے۔ بظاہر اوس کے ابنائے جنس اوس کو فائدہ اور نقصان پہونچاتے دکھائی دیتے ہیں تو وہ اس ظاہری حالت سے مرعوب ہوکر نفع و ضرر اوس کی طرف منسوب کرنے متزلزل ہو جاتا ہے اور دوسروں سے مدد کا طالب ہوتا ہے یہی اوس کی کمزوری ہے اوسکو سوچنا چاہیئے کہ قلوب پر حکومت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ جب تک مقلب القلوب کی اجازت نہ ہوگی اوس کی خوشامد کام نہ دے گی اور نہ ہمیشہ اوسکی تدبیریں کام دی ہیں اس کے ثبوت میں اوس کی بے کسی کی حالت کی طرف توجہ دلائی کہ وہ ایک نطفہ سے پیدا کیا گیا۔ اُس وقت صرف اللہ تعالیٰ ہی نے اوس کو بنایا۔ اوس وقت تو وہ اپنی مدد کے لئے آپ قادر بھی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اوس حالت سے شروع کرکے اوس کو تمام طاقتیں دیں۔ وہی نفع و نقصان کا مالک بھی ہے۔ جہاں انسان نے نفع و نقصان کو کسی دوسرے کی طرف عاید کیا اتو وہ مبدء و معاد سے ہٹ گیا۔ اوس کے بعد شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ لکڑی برودت کا بھی مبدء ہے اور سرسبزی بھی اوس میں دکھائی دیتا ہے۔ پھر وہی لکڑی اپنی سرسبزی میں اشتعالی مادہ بھی رکھتی ہے اور بہت جلد آگ کو قبول کرلیتی ہے۔ یہی ٹھیک مثال انسان کی بھی ہے۔ اوس میں حیاتی صفات نظر آتے ہیں۔ اوس کے بعد موت کے صفات آجاتے ہیں۔ اوس کے بعد پھر حیاتی صفات آجائیں گے یہ مثال تو روح کے آنے جانے کی ہوئی۔ اب اگر

ڈھانچے کے متعلق اعتراض ہے تو سمجھ لو کہ جب اوس نے بڑے بڑے پہاڑ پیدا کیئے۔ تو کیا ساڑھے چار ہاتھ کا آدمی دوبارہ نہیں بنا سکتا لہذا پاک ہے وہ ذات جس کے قبضۂ قدرت میں ساری طاقتیں ہیں اور جو نفع و نقصان کا بالکلیہ مالک ہے۔

سورہ الصّٰفّٰت ۳۷ کی۔ پہلی آیت سے نام لیا گیا۔ خدا کے حضور میں صف باندھ کر کھڑے ہونے والوں کو اللہ تعالیٰ نے توحید پر بطور نشان یا دلیل پیش کیا ہے اور بتایا کہ یہ لوگ اور ذکر کرنے والے آخر کار غالب ہوں گے اور دنیا کی کوئی قوت اُن کو برباد نہ کر سکے گی۔

ربط: پچھلی سورت میں انسان کامل (حضرت محمدؐ) کے پیغام کا ذکر کیا تو اوس میں آپ کے اور آپ کے ساتھیوں اور اُن کے ذریعہ سے توحید کے آخری غلبہ کا ذکر کیا۔

سورہ: (۱) توحید کے آخری غلبہ کا بیان۔ اور اوس کے راستے میں جس قدر رکاوٹیں ہیں اون کو دور کئے جانے کا ذکر (۲) موحدین و مشرکین کے انجام کا ذکر اور مقابلہ ۳-۴-۵ میں بتایا کہ پہلے رسولوں کا بھی اس طرح مقابلہ کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے سب راست باز بندوں کو جو اوس کو پکارتے تھے سب ہی کو نجات دی۔ اور کامیاب کر کے متعاقبین کے لئے ہادی راہ بنایا۔ اور اون کا ذکر جمیل آنے والی نسلوں میں باقی رکھا۔ آخر میں یہ پیشین گوئی ہے کہ رسول اللہ آخر کار مظفر و منصور ہونگے اور مومنوں کو مخالفین پر غالب کیا جائے گا۔

سورہ صٓ ۳۸ صٓ بجائے صَدَقَ اللّٰہُ کے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچ ہے۔ حق کو کامیابی کا وعدہ ہے۔ اس میں اشارہ اون تکلیفوں اور مصیبتوں کی طرف ہے جو راست بازوں کو پہونچتی ہیں۔ اور یہ بتانا مقصود ہے کہ کتنے بھی دکھ انھیں پہونچیں مگر وہ مایوس نہیں ہوتے کیونکہ اون کو اللہ تعالیٰ کے وعدوں کی سچائی پر یقین کامل ہوتا ہے۔

ربط: پچھلی سورت میں توحید کے آخری غلبہ کا ذکر تھا۔ یہاں بتایا کہ بڑے بڑے مصائب کے بعد اور بڑا صدق دکھلانے کے بعد یہ غلبہ ملے گا۔ زمانۂ نزول ایک ہی ہے۔

سورہ: (۱) کفار کی ضد و عداوت کا ذکر۔ اور اوس عزم کا کہ بتوں کو چھوڑ کر خدا کو نہ مانیں گے۔ ؏ حضرت داوُد اور اون کے مخالفین کا ذکر جس سے یہ ظاہر کیا ہے کہ باوجود بادشاہی اور سامان حفاظت کے لوگ اون کی جان کے درپے تھے۔ ؏ حضرت سلیمان کا ذکر۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جیسے اون کو حکومت کی ضرورت تھی ویسے ہی حضور کو ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کے عظمت کے اظہار کے لئے انبیاء ساز و سامان چاہتے ہیں مگر اون سے دلی تعلق نہیں ہوتا ؏ حضرت ایوب کا ذکر۔ راستبازوں کو صبر کا اجر

کیوں کرملتا ہے ع۶ شیطان اور شیطانی صفت لوگ ہمیشہ سے راست بازوں کی مخالفت کرتے چلے آئے ہیں۔ ابلیس کی آدم سے مخالفت کا بھی ذکر کیا ہے۔

سورۃ الزمر ۳۹

آٹھویں رکوع میں دو گروہوں کا ذکر ہے اس سے نام لیا گیا۔

ربط: پچھلی سورت میں مومنوں کو بتایا تھا کہ کامیابی کے لئے مصائب کا برداشت کرنا ضروری ہے۔ اور صدق پر جمے رہنا چاہئے۔ یہاں دونوں گروہوں کا مفصل ذکر ہے۔ ایک حق کے پھیلانے کھڑا ہوتا ہے۔ دوسرا اوس کی مخالفت میں۔

سورہ: ع۱ اللہ تعالیٰ کے فرمانبرداری کی ضرورت ع۲ فرمانبرداروں کے اجر اور نافرمانوں کی سزا کا مقابلہ ع۳ فرمانبرداری اور نافرمانی کے نتائج ع۴ نافرمانوں کی سزا ع۵ یہ سزا ٹل نہیں سکتی۔ ع۶ رحمت الٰہی کی وسعت کا بیان کرکے کہ وہ سب گناہ بخشنے تیار ہے۔ ع۷ میں حساب وکتاب۔ ع۸ میں ہر دو فریق کے ٹھکانے کا ذکر ہے۔

سورۃ المومن ۴۰

رجل مومن کا ذکر ہے اوس سے یہ نام لیا گیا۔ یہ شخص فرعون کے سامنے حق کی حمایت کے لئے کھڑا ہوگیا۔ اس سورت کا مضمون بھی یہی ہے کہ رسول تو رسول ہیں اگر مومن بھی حمایت حق میں کھڑے ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ اس دنیا میں نصرت دیتا ہے اور مخالفت خواہ کتنی ہی زبردست کیوں نہ ہو اس کو کامیابی ہوتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا قانون مستمرہ ہے۔

ربط وخصوصیات: اس سورت سے (۴۶) ویں سورت تک یہ سات سورتوں کا ایک مجموعہ ہے جو حٰم سے شروع ہوتا ہے۔ ان کا مضمون ملتا جلتا ہے اور جس طرح پچھلے مجموعہ سورۃ کا مضمون حق کی کامیابی ہے۔ اس مجموعہ کا مضمون بھی یہی ہے۔ ہاں یہاں زیادہ زور اعداء کی ناکامی پر دیا ہے۔ ان میں انبیاء کی تاریخ کا بہت کم ذکر ہے۔ ان سب سورتوں میں یہ بتایا کہ دشمن باوجود اپنی طاقت۔ دولت اور دنیوی سامان کے غالب نہیں آسکتے۔ اہل حق کی نصرت یقینی ہے۔ زمانۂ نزول کی زمانہ کا درمیانی حصہ معلوم ہوتا ہے۔ ان سورتوں کے نزول سے پہلے انبیاء کے تذکرے نازل ہو چکے ہیں۔ یہ تذکرے سورۂ بنی اسرائیل۔ کہف۔ مریم۔ طٰہٰ میں موجود ہیں۔ ان سورتوں سے دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت صلعم اور مسلمانوں کی مخالفت کفار سے پورے زور پر تھی۔

سورہ: ع۱ اللہ تعالیٰ کے رحمت بے پایاں کا ذکر کرکے بتایا کہ مومنین کی حفاظت کی جاتی ہے۔ ع۲ اس مضمون کو جاری رکھتے ہوئے بتایا کہ مومنین کی حفاظت بھی بوجہ اون کے اعمال کے ہے اور اعمال کے نتائج کو ظاہر ہونے سے کوئی چیز روک نہیں سکتی۔ ۳۔۵ ع میں فرعون کے ذکر میں مخالفین

حق کو تنبیہہ کی ہے کہ فرعون دنیوی طاقت کا نمایندہ ہے اور اپنی پوری طاقت مخالفت میں صرف کرتا ہے۔ مگر حق کو نابود نہیں کر سکتا۔ بلکہ آخر کار خود نابود ہو جاتا ہے اسی اثنا میں یہ بھی بتایا کہ اوسی کی قوم میں سے اوس کا ناصح بھی پیدا ہوا۔ مگر دنیوی طاقت کے نشہ میں اوس نے کسی چیز کی پروا نہ کی۔ ۶ع میں کھلے الفاظ میں یہ وعدہ دیا کہ رسول یا مومن جو کوئی بھی حق کو لے کر نکلے اوس کے ساتھ نصرت الٰہی کا وعدہ اس دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی ۷ع میں اللہ تعالٰی کی قدرت کا ذکر کر کے ۸ع میں نشان کے آنے کو یقینی بتایا۔ ۹ع میں یہ بیان کر کے کہ بدی کی سزا کا قانون ہمیشہ سے دنیا میں کام کرتا آیا ہے سورت کا خاتمہ کیا جہاں یہ ظاہر کر دیا کہ ایک وقت تک انسان کو رجوع فائدہ دیتا ہے لیکن جب بدی اس انتہا کو پہونچ جائے جس پر سزا لازماً مترتب ہو جاتی ہے تو پھر رجوع یا ایمان بھی فائدہ نہیں دیتا۔ اسی لئے لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا کی شرط ہے۔

حم السجدہ ۴۱ اس کا نام فُصِّلَتْ بھی ہے۔ اصل غرض یہ ہے کہ اللہ تعالٰی یوں ہی انسان پر گرفت نہیں کرتا جب تک کہ اوس کی بھلائی اور اُس کی بُرائی کی راہیں کھول کھول کر اوسے بتا نہیں دیتا۔

ربط: پچھلی سورت میں مومنوں کی نصرت کا ذکر کیا تھا۔ اوس میں بھی مخالف حق کی ناکامی کو کھول کر بیان کیا اور آخر میں بتایا کہ اسلام کا غلبہ نہ صرف ملک عرب میں بلکہ اطراف واکناف عالم میں بھی یقینی ہے۔

سورہ: ۱ع دعوت حق پر کفار کا اعراض ۲ع انذار ہے ۳ع بدیاں جن سے بچنے کے لئے یہ پاک کتاب ہدایت فرماتی ہے خود انسان کے جوارح پر اپنا اثر چھوڑتی ہیں جو بالآخر قیامت کے دن ایک کھلی شہادت کے رنگ میں ظاہر ہونگی۔ ۴ع میں بتایا قرآن کریم کے اثر سے بچنے کے لئے کفار نے کیا راہ اختیار کی ہے۔ مومنین کی تعلیم قرآن پر چلنے کا یہ نتیجہ بتایا ہے کہ ملائکۃ اللہ اون پر نازل ہوں گے۔ ۵ع دعوت الی الحق بہترین کام ہے۔ قرآن کریم باطل کے اثرات سے محفوظ ہے۔ ۶ع نتائج اعمال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اسلام کا غلبہ نہ صرف ملک عرب میں ہوگا بلکہ اطراف واکناف عالم میں بھی اوس کو غالب کیا جائے گا۔

غیر ممنون = غیر مقطوع۔ اسلام نے اعمال صالحہ کا اجر غیر مقطوع فرمایا ہے۔

سورہ الشوریٰ ۴۲ نام اوس عظیم الشان حکم سے لیا گیا ہے جس کو مسلمانوں کی حکومت اور کل قومی کاموں کی بنیاد قرار دیا ہے یعنی باہمی مشورے سے امور کا طے کرنا۔ یہ سورت مکی ہے اور

اوس زمانے کی ہے جبکہ مسلمانوں کی نہ کوئی قوم بنی تھی اور نہ کوئی قومی کام طے ہونے والے تھے حکومت کا تو وہم وگمان بھی نہ تھا اوس وقت مسلمانوں کو مشورہ کا حکم دینا اور نماز اور انفاق فی سبیل اللہ کے ساتھ اُسے مسلمانوں کی عظیم الشان ضرورت قرار دینا بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس اصول کو کس قدر اہمیت دی ہے۔

ربط: پچھلی سورت میں اسلام کے اطراف واکناف میں غلبہ کی پیشین گوئی کی تو یہاں بتایا کہ اسلام کا پیغام کل عالم کے لئے ہے اور اسلام سب اختلافات مذہبی کا فیصلہ کرتا ہے اور اصول اتحاد اقوام کی صحیح بنیاد رکھتا ہے۔

سورہ: حٰمٓ۔ رحمٰن عسق۔ علیم وسمیع وقدیر ۱ع رسول کے بھیجنے کی غرض یہ ہے کہ ام القریٰ سے لیکر کل عالم کو انذار کریں یعنی بدی کے بدنتائج سے متنبہ کریں ۲ع اسلام کا حق کل دنیا کو انذار کرنے کا ہے۔ کیونکہ کل مذہبی اختلافات کا فیصلہ کرتا ہے۔ ۴۔۳ ع مومنوں کی کامیابی کی بشارت۔ اتنے عظیم الشان پیغام کی کوئی قوم متحمل نہ ہوسکتی تھی تا وقتیکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید و نصرت کے وعدے اور بشارتیں نہ ہوں۔ جو ان میں مصائب برداشت کرنے کی ہمت پیدا کریں اس موقعہ پر مسلمانوں کو مشورے کا حکم دیا یعنی جب کامیاب ہو جاؤ تو پھر حکومت کے صحیح اصول کو ہاتھ سے ندو ۵ع بدی کے نمایندوں کے لئے آخرکار ہلاکت ہے۔ زندگی کی بنیاد صرف قرآن کریم ہے جس سے دنیا کی قوموں کو آیندہ کے لئے زندگی مل سکتی ہے۔

ایک حدیث میں حضرت علی سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کے بعد جب کوئی اہم امر پیش آئے جس میں قرآن کریم کی کوئی نص صریح نہیں۔ نہ آپ کا کوئی فیصلہ ہے تو کیا کرنا چاہیئے فرمایا کہ میری امت کے نیک لوگوں کو جمع کرو اور اون کے مشورے سے اوس کا فیصلہ کرو۔ اکیلے کی رائے سے فیصلہ نہ کرو۔

سورۃ الزخرف ۴۳

زخرف = سونا۔ لوگ عموماً دنیوی آرائش کی ظاہری سامانوں پر فریفتہ رہتے ہیں۔ حالانکہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک کچھ حقیقت نہیں رکھتیں۔ وہ اپنے رحم بے پایاں سے رسول بھیجتا ہے تاکہ لوگوں کو بدی کے بد انجام سے ڈرائے۔

ربط: پچھلی سورت میں بتلایا کہ پیغام اسلام کل عالم کے لئے ہے۔ یہاں بتلایا کہ مذہب لوگوں کے اخلاق کی درستگی کے لئے آتا ہے۔ دنیوی سامانوں سے متمتع کرنا اوس کی غرض نہیں۔ عیسائی اقوام کو اپنی دنیوی زیب وزینت پر بہت فخر ہے حالانکہ مذہب کی غرض اخلاقی زیب وزینت کا جامہ پہنانا ہے اور انھیں کی طرف زخرف کے ذکر میں خاص اشارہ ہے۔ آخری دو رکوعوں میں حضرت عیسیٰ کا

ذکر اور عقیدۂ ابنیت کی تردید ہے۔

سورہ: ۱ع اللہ تعالیٰ نے باوجود ایک قوم کے حد اسراف کو پہونچ جانے کے انھیں بھلایا نہیں بلکہ اون میں ایک رسول بھیجا جس کو علم و حکمت کی کتاب دی تاکہ شرک کی بیخ کنی کرے۔ ۲ع شرک کی تردید کی ہے کہ شرک پر نہ عقلی دلیل ہے نہ نقلی ۳ع لوگ چاہتے ہیں کہ کوئی مالدار آدمی رسول ہو کیونکہ اون کی نظروں میں مال کی وقعت بہت ہے مگر اللہ تعالیٰ کی نظروں میں مال دنیا کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ رسول کا انتخاب درجات کے لحاظ سے ہوتا ہے ۴ع مخالفت رسول کی سزا کا ذکر کیا۔ ۵ع حضرت موسیٰ اور قوم فرعون کی مثال سے اوسے واضح کیا۔ ۶ع حضرت عیسیٰ کا آنا ہی اسرائیل کے لئے قیامت وسطیٰ کا قائم ہونا تھا اور سمجھایا کہ ایک برگزیدہ قوم بھی جب خدا کے رسول کی مخالفت کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی نگاہ سے گر جاتی ہے ۷ع آنحضرت کی مخالفت کرنے والوں کو توجہ دلائی کہ اون کے لئے دنیا میں بھی ناکامی ہے اور آخرت میں بھی عذاب ہے۔

سورۃ الدخان ۴۴

دخان بمعنی دھواں جس کا ذکر اس سورت میں ہے۔

ربط: پچھلی سورت میں یہ ذکر تھا کہ دنیا کی ظاہری زیب و زینت کو لوگ زندگی کی اصل غرض سمجھ کر مقصد زندگی سے دور جا پڑتے ہیں اس لئے اب بتایا کہ یہ دنیا کے ظاہری ساز و سامان بھی بعض اوقات تھوڑی دیر کے لئے بطور تنبیہ لے لئے جاتے ہیں مگر جو لوگ پھر بھی سبق نہ لیں اون پر آخرش سخت گرفت ہوتی ہے۔

سورہ: ۱ع دخان کی پیشین گوئی اور اوس کے بعد ایک عظیم الشان گرفت کا ذکر ہے۔ ۲ع بنی اسرائیل کی نجات کی خبر میں جو فرعون کے ہاتھ سے انھیں ملی مسلمانوں کو خوشخبری دی ہے ۳ع بدوں اور نیکوں کی آخری سزا و جزا کا ذکر ہے۔

سورۃ الجاثیہ ۴۵

الجاثیہ۔ گھٹنوں کے بل بیٹھنے والی جماعت۔ اس میں وحی الٰہی کی حقانیت اور جزا و سزا کے حق ہونے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور اُن کے صداقت کے انکار پر سزا کا ذکر ہے۔ یعنی خوف قیامت کی وجہ سے بڑی جماعتیں خدا کے حضور میں عاجز ہوں گی۔

سورۃ الاحقاف ۴۶

الاحقاف۔ ریت کا ٹیلہ یا تودہ۔ اس سورت کی غرض انجام مخالفت کی طرف توجہ دلانا ہے جس کے لئے تیسرے رکوع میں قوم عاد کی مثال بیان کی ہے۔ جو بڑی زبردست قوم تھی۔ اون کے بیان سے یہ بتایا ہے کہ دنیا میں کوئی قوم اپنی طاقت پر بھروسہ کر کے حق سے روگردانی نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کی زبردست طاقت کے سامنے سب طاقتیں ہیچ ہو جاتی

ہیں۔ پہلے دو رکوعوں میں صداقت وحی کا ذکر ہے اور پچھلے دو رکوعوں میں وحی کی مخالفت کے انجام کا ذکر ہے۔

سورۃ محمد ﷺ آنحضرت صلعم کا اسم مبارک محمدؐ اس سورت کی دوسری آیت میں آتا ہے اوس سے یہ نام رکھا گیا اور وہیں اون لوگوں کا ذکر ہے جو محمد صلعم پر ایمان لائے ہیں۔ اس نام میں یہ اشارہ ہے کہ آپ کے نام لیوا دنیا میں ذلیل وخوار نہیں رہ سکتے۔ اسی مضمون کو اس سورت میں صراحت سے بیان کیا ہے۔ اس لئے کہ محمدؐ کے معنی ہیں تعریف کیا گیا۔ گویا اس سورت کا یہ نام رکھ کر اور دوسری طرف دونوں فریق کا جو آپ پر ایمان لائے تھے اور جو آپ کی مخالفت کرتے تھے ذکر کرکے یہ سمجھایا ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھی کس مپرسی کی حالت میں نہیں رہ سکتے۔ بلکہ ضروری ہے کہ آپ کا جلال دنیا میں ظاہر ہو۔

ربط: حٰم کی تمام سورتیں عام طور پر حق وباطل کے مقابلہ کا ذکر کرتی ہیں۔ اس لئے اون کے بعد ایسی سورت کو لایا گیا ہے جس میں یہ وضاحت سے بیان کر دیا گیا کہ اس وحی پر ایمان لانے والے کس طرح کامیاب ہوں گے اور اون کے مخالفین جو اہل باطل ہیں کس ذریعہ سے ہلاک ہوں گے اور وہ وحی جو اللہ تعالیٰ نے بھیجی ہے اوس کے حامل کا جلال آخر دنیا میں کس طرح ظاہر ہوگا یہ سورت مدنی ہے ابتدائی۔ زمانہ جنگ بدر سے پہلے کا۔

سورہ: ا ع آنحضرت پر ایمان لانے والے گو اس وقت گھروں سے نکالے جا چکے ہیں اور دشمن اپنی مخالفت میں کامیاب نظر آتا ہے مگر یہ حالت نہ رہے گی۔ مسلمانوں کی تکلیفیں دور کی جائیں گی۔ اور مخالفین کی مخالفت آخر ناکام ہوگی۔ یہیں یہ بھی بتایا ہے کہ جنگ کے ذریعہ سے ہوگا۔ جن کے لئے مخالف تیار ہو کر نکل چکے ہیں لیکن مسلمان اون پر غالب آ جائینگے۔ اور اون میں سے قیدی بھی بنا لئے جائینگے۔ جنھیں فدیہ دیکر یا احسان کے طور پر چھوڑ دینے کا حکم یہاں دیا گیا۔ ۲ع اسی مضمون کو جاری رکھتے ہوئے بتایا کہ اون اہل مکہ سے جنھوں نے آنحضرت کو نکالا ہے۔ زیادہ زبردست قوموں کو بھی ہم حق کی مخالفت کی وجہ سے ہلاک کر چکے ہیں اور اون کی تباہی کی گھڑی بھی قریب آ رہی ہے۔ پچھلے دونوں رکوعوں میں منافقین کا ذکر ہے جو جنگ سے ڈرتے تھے اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل کرتے تھے۔

سورۃ الفتح ﷺ اس سورت کا نام اوس عظیم الشان فتح پر ہے جو اسلام کو صلح حدیبیہ میں حاصل ہوئی۔ ظاہری نظروں میں یہ تو کوئی فتح نہ تھی خود صحابہ کے بڑے حصہ پر یہ امر شروع میں مخفی رہا۔ بلکہ وہ سب کے سب صلح حدیبیہ کے شرائط کو اسلام کے لئے ذلت کا موجب سمجھ کر مغموم تھے۔

یہاں تک کہ اس سورت کے نزول سے غم کی جگہ دل خوشی سے بھر گئے۔ اوس کا فتح مبین ہونا بعد میں واقعات نے ثابت کر دیا۔ یعنے اس صلح کے ساتھ آمد و رفت کے راستے کھل گئے۔ اور مسلمان اور کفار کا آپس میں میل ملاپ ہو گیا۔ اسلام کی خوبیاں دلوں میں گھر کرنے لگیں اور کثرت کے ساتھ لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ بلکہ اسلام کی کشش ایسی زبردست ثابت ہوئی کہ جو لوگ مسلمان ہوتے تھے وہ اپنے گھر بار چھوڑ کر مقام عیص پر ساحل پر جمع ہونا شروع ہو گئے۔ کیونکہ بروئے شرائط معاہدہ وہ مدینہ میں نبی کریم صلعم کے پاس نہ رہ سکتے تھے اور یوں یہ ثابت ہو گیا کہ اسلام کی فتح دلوں پر تھی اور جب تلوار کی حکومت اٹھی تو کافر ہی مسلمان ہو گئے۔ مسلمانوں میں سے کوئی کفر میں واپس نہ گیا۔

نزول: اس سورت کی نزول کی تاریخ یقین کامل سے متعین کیجا سکتی ہے۔ ساری سورت کا نزول ایک ہی وقت میں ہوا۔ نزول ذیقعدہ ۶ھ کے آخر دن تھے۔ اور بوقت نزول آپ مکہ ہی سے قریب تھے مگر چونکہ ہجرت کے بعد نازل ہوئی اس لحاظ سے مدنی کہلائی۔

ربط: پچھلی سورت کا نام محمدؐ تھا اور اس کا نام الفتح ہے گویا بتایا ہے کہ حضور اکرم کا ظہور دنیا میں چاہتا تھا کہ فتح بھی اوس کے ساتھ ہو وہ دشمنوں سے مغلوب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ سب دشمنوں پر غالب آئے گا۔ پہلوں پر بھی اور پچھلوں پر بھی۔ محمدؐ کا نام جہاں آئیگا فتح بھی ہم رکاب ہوگی۔

سورہ: (۱) صلح حدیبیہ فتح مبین ہے جو اسلام کے لئے بڑی بڑی برکات کا موجب ہوگی ع۲ اون لوگوں کا ذکر کر کے جو مشکلات کے وقت ساتھ نہیں ہوتے تھے ع۳ میں فرمایا کہ یہ صلح عظیم الشان فتوحات کا پیش خیمہ ہے جس میں سب سے پہلے یہودیوں پر فتح تھی جو خیبر کے مقام پر حاصل ہوئی۔ بعد میں دیگر فتوحات۔ تیسرے درجہ پر بیرونی فتوحات اور اون سب کی خوشخبری سنا کر ع۴ میں بتایا کہ اسلام آخر کار دنیا کے تمام مذاہب پر غالب آئے گا۔ اور یوں ہر طرح سے اس سورت کا نام الفتح موزوں ہے۔

سورۃ الحجرات ۴۹

مدنی۔ اس سورۃ کا اصل مضمون جماعت اسلامی کے نظام کو قائم کرنا اور باہمی محبت و مودت کا پیدا کرنا ہے۔ سب سے پہلے یہ بتایا ہے کہ رسول اللہ صلعم کے ساتھ ہر ایک فرد جماعت کو کس طرح مؤدب رہنا چاہئے۔ جماعت میں اوسی قدر محبت والفت بڑھے گی جسقدر زیادہ محبت اوس پاک وجود سے ہوگی جو اوس کی روح کے قائم مقام ہے یعنی رسول اللہ کی محبت بمقام روح ہے۔

ربط: پچھلی سورت کے آخری حصہ میں رُحَمَآءُ بَینَھُم کی تفسیر ہے اور یوں بھی جب فتح کا

ذکر کیا تو اوس میں یہ اشارہ کیا کہ لوگ اسلام میں داخل ہوں گے تو ان نئے داخل ہونے والوں کے لئے ادب کا بھی ذکر ضروری تھا۔ وہ یہاں کر دیا گیا سورت کا نزول ۹ھ کا ہے۔

سورہ : ابتداء اس سے کی ہے کہ اللہ اور اوس کے رسول سے تقدم اختیار نہ کرو۔ اپنی آوازوں کو بھی رسول کے سامنے پست رکھو۔ یہ نہ صرف بہ تقاضائے محبت و ادب تھا بلکہ تمام نظام جماعت کے لئے بھی ضروری تھا۔ اور اون لوگوں کو روکا جو باہر سے آتے تو فوراً رسول اللہ صلعم کے حجروں پر آوازیں دینا شروع کرتے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اہم قومی کام جو رسول اللہ کی توجہ کے محتاج تھے اون کے لئے بھی آپ کو تنہائی میسر نہ آتی تھی۔ اسی مناسبت کے لحاظ سے اس سورت کا نام الحجرات ہوا۔ اس تمہید کے بعد مسلمانوں کو ساوی دو راہیں سکھلائی ہیں جن سے قوم میں باہم محبت پیدا ہو سکتی ہے۔ بغیر تحقیق کے ایک دوسرے کے خلاف کارروائی نہ کر بیٹھیں۔ اگر باہم دو گروہوں میں لڑائی بھی ہو جائے تو بحیثیت الجماعت مسلمان اون میں اصلاح کی کوشش کریں اور زیادتی کرنے والے کے خلاف جنگ تک کرنے کو تیار رہیں تاکہ جماعت کا امن قائم رہ سکے۔ پھر جن باتوں سے عداوت پیدا ہوتی ہے ایک دوسرے کی تحقیر۔ ایک دوسرے پر عیب لگانا۔ ایک دوسرے کے نام رکھنا۔ دوسروں کے اقوال و افعال کی نسبت بدظنی کرنا۔ دوسروں کی چھپی ہوئی باتوں کی ٹوہ میں لگے رہنا۔ پیٹھ پیچھے اون کی کمزوریوں کا ذکر ان تمام باتوں سے روک کر بتایا کہ تم سب انسان یکساں ہو کسی قوم کو دوسری قوم پر فخر نہ کرنا چاہیے۔ کہیں کا رہنے والا ہو کسی قوم و قبیلہ سے ہو کسی رنگ کا ہو۔ معزز ہونے کا معیار ایک ہی ہے یعنی تقوی اللہ۔ یا اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ حقوق کی رعایت۔ جو شخص جس قدر زیادہ دوسروں کے حقوق کی پرواہ کرتا ہے اوسی قدر زیادہ اوس کی عزت اور مرتبہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہے۔ پھر مسلمانوں میں سے اوس سخت کمزور گروہ کا ذکر کیا جو ابھی برائے نام ہی اسلام میں شامل ہیں اور دوسری طرف کامل مومنوں کا ذکر کیا اور بتایا کہ اس مرتبہ کو حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

سورہ ق مکی۔ اس سورت میں بھی دکھلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قرآن کے ذریعہ سے ایک انقلاب عظیم پیدا کریگا۔ ساتھ ہی قیامت کا ذکر بھی ہے۔ دونوں باتوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی طرف ہی توجہ دلائی ہے۔ ترتیب کے لحاظ سے پچھلی سورتوں سے تعلق ظاہر ہے۔ اس لئے کہ سورہ الفتح میں دین اسلام کے کل دینوں پر غلبہ کا ذکر تھا۔ سورۃ الحجرات میں اوسی کے ایک حصہ کی تفسیر تھی پس اس سورت کے ساتھ رکھ کر یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ اس غلبہ کے لانے پر قادر ہے۔ یہ غلبہ بذریعہ قرآن کریم ہوگا۔ اسی لئے قرآن کی صفت مجید کا سب سے پہلے یہاں ذکر کیا۔ یہ سورت مکی ہے اور ابتدائی مکی زمانے سے

تعلق رکھتی ہے۔

سورۃ والذّٰریٰت ۵۱

ذاریات۔ وہ ہوائیں جو اڑا کر پھیلانے کا کام کرتی ہیں یعنی بیج کو ایک جگہ سے اڑا کر دوسری جگہ پہنچاتی ہیں اور یہاں حق کے پھیلانے والی جماعتوں کے ساتھ انھیں مشابہت دی ہے اور بتایا ہے کہ پہلی حالت حق کی بھی ایسی ہی ہوتی ہے مگر وہ آخر بڑھتا اور پھیلتا ہے اور کوئی مخالفت اوسے روک نہیں سکتی۔ بلکہ اوس کی مخالفت کرنے والے خود تباہ ہوجاتے ہیں۔

ربط: پچھلی سورت میں ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ حق کو غالب کرے تو یہاں بتایا کہ وہ غلبہ تدریجی ہوتا ہے اور یہ بیج پھیلتا جائے گا یہاں تک کہ آخر کار بار آور ہو کر تمام دنیا میں پہونچے گا۔ سورت مکی ابتدائی زمانے کی ہے۔

سورۃ الطور ۵۲

الطور میں اشارہ حضرت موسیٰ کی وحی کی طرف ہے جس کا نزول طور پر ہوا اور مقصود اس نام میں یہ ہے کہ جس طرح اوس وحی کی مخالفت کرنے والوں کا انجام ہلاکت ہوا اُسی طرح آنحضرت صلعم کی وحی کی مخالفت کرنے والوں کا انجام ہلاکت ہوگا۔ اور یہی مضمون اس سورت کا ہے۔ اور آخری آیت میں جنگ بدر کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے جو آنحضرت کے مخالفین کی قوت کو توڑنے کا موجب ہوئی۔

ربط: پچھلی سورت میں حق کی تدریجی ترقی کا ذکر تھا تو یہاں مخالفت کرنے والوں کی سزا کا ذکر کیا۔ اس کا تعلق بھی ابتدائی مکی زمانے ہی سے ہے۔

سورۃ النجم ۵۳

مکی۔ لفظ النجم میں اشارہ ہے کہ مخالفین کے اقبال کا ستارہ غروب ہونے کو ہے یا اوس سے مراد قرآن کریم کا ہر حصہ ہے جو نازل ہوتا ہے اور اوس میں آنحضرت کے مقامات عالیہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ یہ دونوں باتیں اوس سورت کے مضمون میں داخل ہیں پچھلی سورت میں طور کی وحی کی طرف توجہ دلائی تھی تو اس میں قرآن کریم اور آنحضرت کے کمالات کی طرف توجہ دلائی ہے۔

وہ سورت ادبار النجوم پر ختم ہوتی ہے اور یہ النجم سے شروع ہوتی ہے۔ نزول کا زمانہ ۵ نبوت ہے۔

سورۃ القمر ۵۴

مکی۔ القمر معجزہ شق القمر سے لیا گیا جس سے اس سورت کی ابتدا ہوتی ہے چونکہ اس سورت میں صراحت کے ساتھ مخالفین مکہ کی طاقت کے خاتمہ کا ذکر ہے جس کا جنگ میں شکست کی صورت میں نمودار ہونا یہاں بطور پیشین گوئی کے بیان کیا گیا اور چاند چونکہ اہل عرب کے لئے بطور نشان کے تھا اس لئے شق القمر کا معجزہ اور اوس سورت کا نام دونوں ایک ہی حقیقت کے اظہار کے لئے اختیار کئے گئے ہیں۔ اس سورت میں مختلف قوموں کی تکذیب انبیاء کی وجہ سے اون پر ہلاکت

کے آنے کا ذکر کر کے آخر صاف بتایا کہ اسی طرح کا فرزاد رکذب لوگ بھی ہلاک ہونگے اور یہ بھی بتایا کہ قریش کی ہلاکت بذریعہ جنگ ہوگی۔ گویا یہ سورت النجم کا تتمہ ہے کیونکہ وہاں بھی کمالات نبوی کا ذکر کر کے آخر پر فرمایا تھا کہ آپ کی مخالفت کرنے والے ہلاک ہوں گے۔ ان دونوں کا تعلق ایسا شدید ہے کہ اوس کا خاتمہ جن الفاظ پر کیا تھا ازفت الآزفہ انھیں سے اوس کی ابتدا کی ہے۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ سے مراد مخالفین کے مٹنے کی گھڑی آن پہونچی۔

سورۃ الرحمٰن ۵۵

مکی۔ نام پہلی آیت میں مذکور ہے جہاں بتایا کہ قرآن کریم کا بھیجا جانا مقتضائے صفت رحمانیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ظاہری نعمتوں کے لئے ہر قسم کے سامان دنیا میں پیدا کر رکھے ہیں مگر انسان ان سامانوں سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ دکھ اُٹھاتے ہیں۔ جو ان سامانوں سے کام لیتے ہیں وہ راحت حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی باطنی نعمتوں کا سامان قرآن کریم میں دنیا کو دیا ہے پھر ایک وہ لوگ ہیں جو قرآن سے فائدہ نہیں اٹھاتے یعنی باطنی نعمتوں سے تو اوس کا نتیجہ بھی یہ ہے کہ دنیا میں روحانی طور پر اور آخرت میں کھلے طور پر دکھ اٹھاتے ہیں۔ مومن جو ان سامانوں کو کام میں لاتے ہیں وہ دنیا میں روحانی طور پر اور آخرت میں کھلے طور پر جنت حاصل کرتے ہیں۔

سورۃ الواقعہ ۵۶

مکی۔ الواقعہ = وقوع میں آنے والی چیز۔ یہ جزا و سزا کی گھڑی ہے۔ اس دنیا کی جزا و سزا اور قیامت کی جزا و سزا دونوں اوس میں آجاتی ہیں۔ اوس میں انسانوں کے تین گروہ کا ذکر ہے اول جو مقربین بارگاہ ہیں۔ گروہ دوم عامۃ المومنین۔ گروہ سوم مکذبین و اَعداء حق۔ یہ سورت اور پچھلی سورت ایک ہی زمانے کی ہیں۔ دونوں میں مضمون کو بھی جاری رکھا ہے۔ وہاں بھی دراصل تین گروہوں کا ہی ذکر تھا۔ یہاں واضح کر کے بیان کر دیا ہے۔

تفسیر: ایک وہ عبوری دور ہے جس کو دنیا کہتے ہیں۔ اصلی واقعہ تو بعد میں آئے گا جس کو دنیا والے جھٹلا نہ سکیں گے۔ وہ نتیجہ ہوگا اس عبوری دور کا جو جھکے ہوؤں کو اٹھا دے گا۔ سرفراز کو گرا دیگا۔ چنانچہ یہ بلندی اور پستی قابل اعتبار نہیں ہیں حقیقت میں تو اوس واقعہ کے بعد کی بلندی اور پستی اصلی ہوگی۔ جب پہاڑ ذرّوں میں منتشر ہو جائیں گے تو اوس وقت اولاد آدم تین حصوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ تجلیوں میں جلوہ فرماتا ہے۔ قیامت میں لوگ اس تجلی کے بائیں اور چپ میں ہوں گے یا سامنے۔ اعمال نیک کرنے والوں کی فطرتیں تین قسم کی ہیں۔ ایک وہ جو رغبت سے دوڑتے ہیں۔ ایک وہ جو کرتے ہیں مگر دیر سویر سے اور تیسرے جو پیچھے رہتے ہیں۔ مقصود حیات کسی کا نجات ہے اور کسی کا آنر پاس ہونا۔ جو

قرب کا مقام تلاش کرتا ہے اور سبقت کرنا چاہتا ہے اوس کو اعزاز کا درجہ ملتا ہے دوسرا درجہ اصحاب یمین کا ہے جن کو آرام کا درجہ دیا جائے گا۔ وہ چھپر کھٹ پر فرد کش تو نہیں ہوں گے مگر باغوں میں چھوڑ دے جائیں گے جس قدر تقابل اصحاب سابقوں اور اصحاب یمین کا ہے اوس سے یہی ظاہر ہے کہ اول الذکر کے عیش میں اعزاز شامل ہے اور آخر الذکر میں صرف آرام کا پہلو ہے۔ ان کے بعد اصحاب شمال کا ذکر ہے۔ کہ اون کا مآل کار کیا ہوگا وہ ایسے ملک میں بھیج دیے جائیں گے جہاں کی ہوا پیداوار پانی اور زمین وغیرہ اون کی مرضی کے خلاف ہوں گے اور وہ اس لئے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے ارادوں اور منشاؤں کے خلاف کام کیا اس لئے اللہ تعالیٰ کی تجلیات بھی اون کے ارادوں کے خلاف ہوں گی جس کی تفصیل اس کے آگے بیان کی ہے۔ پہلے ہوا سے شروع کیا کہ اوس میں سمیت اور لو ہوگی۔ پانی اور غذا کا ذکر بعد ہے۔ مثل = باطنی چیز کی نمایندگی کرنے والے انداز میں) کی نمایندگی جسم کرتا ہے جب ایک مرتبہ ہم نے نمایندگی کے لئے جسم دیا تھا تو یہ بھی ممکن ہے کہ پھر دوسرا جسم تمہاری نمائندگی کے لئے دیا جائے۔ احساس صحیح کے پیدا ہونے پر انسان شکر ادا کرنے لگتا ہے۔ جبکہ وہ جان لیتا ہے کہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا ہوا ہے۔ اس صحیح علم کا نام شکر دوام ہے جو انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے اوس کو احساس صحیح کہیں گے۔

انسان کا اصل مطالبہ یہ ہے کہ بہترین چیزیں اوس کے لئے ہوں اور احساسات کو راحت ملے جس نے بھلائی کی ہے اوس کو مرتے ہی پہلا احساس یہ ہوگا کہ مطابقت کلی محسوس کرے گا۔ اور یہی بڑی راحت ہے۔ اس کے بعد ریحان دیا جاتا ہے جو صحیح حدیثوں میں ہے کہ ملائکہ اس کو پھول دیں گے وہ پہلے ایک خوشبو محسوس کرے گا۔ یہ مقربوں کا درجہ ہے۔

عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ یہ سورہ فاقہ سے محفوظ رکھتا ہے۔ انسان کا دل مستغنی اور نشاط میں ہوتا ہے۔

سورۃ الحدید

مدنی۔ اس کا نام الحدید اس ذکر سے لیا گیا کہ جب لوگ حق کو نیست و نابود کرنے تل جاتے ہیں تو پھر انبیا کو بھی تلوار اٹھانی پڑتی ہے۔ ورنہ یہ اون کے آنے کی اصل غرض نہیں ہوتی۔ اسی لحاظ سے اس سورت میں اول اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت کی وسعت کا ذکر ہے۔ پھر مسلمانوں کو اتفاق کی طرف توجہ دلائی ہے۔ پھر منافقین کا ذکر کیا ہے جو نصرت دین میں شامل نہیں ہوتے اور مسلمانوں کو بھی توجہ دلائی ہے کہ لمبا زمانہ گزرنے پر اون کے دل پہلے اہل کتاب کی طرح سخت نہ ہو جائیں پھر بتایا کہ دنیوی زندگی کو غرض بنانے کا نتیجہ دکھ ہے۔ آخر پر رسولوں کے ارسال کے

قانون کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ حق کے قائم رکھنے کے لئے تلوار کی ضرورت بھی پڑتی ہے۔ سب سے آخر حضرت عیسیٰ کے متبعین کا ذکر کیا۔

نزول: یہ سورت مدنی ہے۔ اس کا نزول صلح حدیبیہ کے بعد کا معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں اون لوگوں کی فضیلت کا ذکر ہے جو من قبل الفتح اپنے اموال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہے

ربط: یہاں سے سورۂ تحریم تک دس سورتیں مدنی ہیں۔ سورہ احزاب کے بعد جو مکی سورتوں کا سلسلہ چلا تھا (اور اوس میں تین سورتیں صرف درمیان میں مدنی ایک خاص تعلق سے لائی گئیں یعنی محمد۔ الفتح۔ الحجرات) اوسے یہاں بند کر کے مدنی سورتوں کا مجموعہ شروع کیا ہے اور اس مدنی مجموعہ کی اس سورت میں کچھ ذکر منافقین کا۔ اور بطور اشارہ مخالفین کا ذکر کیا گیا۔

سورۃ المجادلہ ۵۸

مدنی۔ اس سورت کا نام ایک مسلمان عورت کے آنحضرت صلعم کے مجادلہ سے لیا گیا۔ ابتدا میں اوس کا ذکر کر کے ساری سورۃ میں مخالفین کی منصوبہ بازیوں اور شرارتوں کا ذکر ہے۔ اُن کے دو گروہ ہیں۔ ایک یہودی۔ دوسرے منافق اور یہ دونوں اندرونی دشمن اسلام تھے۔ کیونکہ یہود نے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کیا تھا اور منافق برائے نام مسلمان کہلاتے تھے۔ یہ ذکر مقابلہ کے رنگ میں ہے ایک عورت بھی رسول صلعم سے جھگڑتی ہے مگر اوس کے جھگڑے کی اللہ تعالیٰ اس قدر عزت کرتا ہے کہ فرماتا ہے کہ اوس کی بات کو ہم نے سن لیا۔ اس لئے کہ وہ حق پر جھگڑتی تھی مگر منافق اور یہود ناحق پر جھگڑا کرتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ ذلیل ہوں گے اور اللہ کا رسول غالب آئے گا۔

ربط: پچھلی سورت میں جو ذکر کیا تھا یہاں اوس کو زیادہ واضح کر دیا ہے۔ یہ سورت ۵ھ سے پہلے یعنی احزاب سے پہلے نازل ہوئی۔

سورۃ الحشر ۵۹

حشر سے مراد جلاوطنی ہے۔ اس سورت میں بنی نضیر کی جلاوطنی کا ذکر ہے۔ اور یہ گویا اون کے منصوبہ بازیوں اور شرارتوں کی سزا تھی۔ جس کا ذکر پچھلی سورت میں ہے۔ اوس کا نزول ۴ھ کا ہے۔ یہ سورت بھی مدنی ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کے تین صفات الخالق۔ الباری۔ المصور بیان کئے گئے صفات الٰہی کا جو کامل اور مکمل نقشہ قرآن کریم نے کھینچا ہے کسی آسمانی کتاب میں تلاش کرنا عبث ہے۔

سورۃ الممتحنہ ۶۰

مدنی۔ جو عورتیں اپنے خاوندوں سے الگ ہو کر آجائیں اور اپنے آپ کو مسلمان کہیں تو اون کے متعلق پورا اطمینان کر لینا چاہیئے۔ اسی امتحان سے نام رکھا گیا۔

سورہ: اس میں مسلمانوں کے تعلقات کفار پر بحث ہے۔ایک طرف اون کفار سے جو جنگ کرتے ہیں ہر طرح پر ترک موالات کا حکم ہے تو دوسری طرف جو غیر مسلم جنگ نہیں کرتے اون سے احسان کرنے اور انصاف کرنے کا حکم ہے۔

سورۃ الصف ۶۱ ابتدائی مدنی زمانے کی ہے۔دشمن کے مقابلہ میں مستحکم دیوار کی طرح کھڑے ہو کر لڑنے کی ترغیب ہے جس سے یہ نام لیا گیا۔

سورہ: اصل مضمون غلبۂ دین اسلام ہے جو اوسے تمام مذاہب پر حاصل ہوگا مگر اوس کے لئے مسلمانوں کو بڑی بڑی قربانیاں کرنی چاہئیں۔یہاں تک کہ ضرورت ہو تو خدا کے راستے میں مستحکم دیوار کی طرح کھڑے ہو کر جنگ بھی کریں۔دوسری طرف عیسٰی کی حواریوں کی طرح دین اسلام کو لیکر دنیا میں نکل جائیں کیونکہ یہی غلبہ کی اصل راہ ہے۔

سورۃ الجمعہ ۶۲ مدنی۔جمعہ کا ذکر جو دوسرے رکوع میں مذکور ہے اوس سے یہ نام لیا گیا۔

ربط: پچھلی سورت میں مسلمانوں کو بتایا تھا کہ دین کو دنیا کے کناروں تک پہنچائیں۔ کیونکہ یہی دین سب دینوں پر غالب آئے گا۔یہاں بتایا کہ آنحضرت کی شاگردی سے ہی اب دنیا کی پیاس بجھ سکے گی۔یہ سورت مدنی ہے۔ابتدائی زمانہ سے تعلق رکھتی ہے۔

سورہ: اصل مضمون اس سورت کا یہ ہے کہ نبی کریم صلعم ہی اب تا قیامت دنیا کے معلم اور مزکی رہیں گے۔جس قدر علم دنیا میں پھیلے گا اور جس قدر لوگوں کا تزکیہ ہوگا آپ کی شاگردی سے ہی ہوگا۔ مسلمانوں میں تعلیم اسلامی کو زندہ رکھنے کے لئے جمعہ کا دن اجتماع نہایت ضروری ہے اس لحاظ سے اس سورت میں نماز جمعہ کی اہمیت کو بیان کیا ہے۔اصل غرض تو یہ ہے کہ تعلیم اسلامی ہی دنیا میں زندہ رہے گی۔اوس کی زندگی کے سامانوں میں سے جو ایک عظیم الشان سامان تھا۔اوس کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔اور اوسی پر اوس کا نام ہے۔

سورۃ المنافقون ۶۳ مدنی۔اس سورت میں منافقوں کا ذکر ہے جو منہ سے کچھ کہتے تھے اور دل میں کچھ رکھتے تھے۔

ربط: یہ پچھلی سورت کے مضمون ہی کا تتمہ ہے تاکہ مومن کسی قسم کی مشابہت ایسے لوگوں سے پیدا نہ کریں۔اسی لئے دوسرے رکوع میں مومنوں کو اون کا اصل مقصد زندگی ذکر اللہ یاد دلا کر متنبہ کیا ہے کہ اموال و اولاد میں اس قدر مشغول نہ ہوں کہ اصل غرض زندگی کو بھول جائیں۔یہ سورت بھی مدنی ہے اور اوسی زمانے کی جس زمانہ کی پچھلی سورت ہے۔

سورۃ التغابن ۶۴

مدنی۔ تغابن بمعنی اوس کمی کا ظاہر ہو جانا جو انسان اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں دکھاتا ہے۔ اس سورت کا مضمون بھی یہی ہے کہ جو کچھ انسان خدا کے حق میں کمی دکھائے گا اوس کا نتیجہ دیکھ لے گا۔ چونکہ پچھلی سورت میں منافقوں کا ذکر تھا اور مومنوں کو متنبہ کیا تھا کہ وہ مال اور اولاد میں ایسی طرح مبتلا ہو کر ذکر اللہ سے غافل نہ ہو جائیں جیسا منافق ہیں اس لئے اب اس مضمون کو اور کھولا ہے بعد اتفاق فی سبیل اللہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ انفاق پر زیادہ زور مدنی سورتوں ہی میں دیا گیا ہے۔

تفسیر: انسان کا ایک علم وہ ہے جو حواس کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ یا عقل کے ذریعے سے۔ مگر جب قرآن مجید پڑھا جائے تو اوس کا خیال رکھنا چاہئے کہ کیا اوس سے اور نئی بات یا علم مل سکتا ہے جس کو ہم حواس یا عقل سے معلوم نہیں کر سکتے۔ بعض باتیں عمل سے بھی معلوم ہوتی ہیں کیونکہ غلط علم بھی ہم پر حاوی ہوتا ہے۔ جب تک وہ جڑ سے نہ نکل جائے اوس وقت تک صداقت دھندلی نظر آئے گی۔ دنیا کی اشیاء کے ارتقائی تسلسل پر نگاہ ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں علیحدہ علیحدہ نقائص ہیں۔ جمادات میں حرکت کی قوت نہیں۔ حیوانات میں عقل نہیں۔ انسان میں کمال نہیں بچپن میں سمجھ نہیں۔ جوانی میں پختگی نہیں۔ بڑھاپے میں انحطاط قویٰ ہو جاتا ہے۔ علیحدہ ہر چیز نقص سے خالی نہیں۔ مگر جب ان سب اشیاء کو ملا کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ کمال کو ظاہر کرتا ہے۔ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ مگر ہر چیز کو زبان نہیں ہوتی اس لئے ضروری نہیں ہے کہ ہر چیز زبان ہی سے تسبیح کرے۔ صوفی جب یہ علم قرآن پاک سے حاصل کرتا ہے تو اوس میں انہماک پیدا کرتا ہے یہاں تک کہ وہ تسبیح اوس کے عینی مشاہدات ہو جاتے ہیں۔ غرض اس طرح بعض صوفی حق الیقین حاصل کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ ہم کو کہتا ہے تو بس یہی کافی ہے اور وہ علم ہمارے عینی مشاہدات سے برتر ہے۔

انسان اپنے اندر عالم صغیر رکھتا ہے۔ مگر ہاتھ پاؤں سے کام لینے والی قوت نظروں سے غائب ہے۔ اسی طرح کائنات میں عمل کرنے والی قوت بھی نظروں سے غائب ہے۔ اوسی کے سمجھنے پر توحید افعالی کا انحصار ہے۔ توحید افعالی توحید صفاتی تک پہونچاتی ہے۔ عالم میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو شکر گزار ہیں یا وہ جو ناشکرے ہیں۔ ایک قوت ہے جو نگرانی کر رہی ہے انسان کے اعمال کی اور وہی ہے جس نے ہر چیز بالحق پیدا کی۔ اوس کا ایک نتیجہ ہے سارا عالم انسان کو دیا اور اوس کو اپنے کمالات کا مظہر بنایا۔ جو کوئی اپنا رشتہ اوس سے جوڑتا ہے وہ تو مومن کہلاتا ہے۔

اور جو اپنا رشتہ اوس سے توڑتا ہے وہ کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو منصب خلافت پر بٹھایا ہے۔ تمام صفات میں اختیار بھی دیا اور یہی صفت اوس کو خلیفہ بننے کے لئے ضروری تھی۔ اسی کی وجہ سے اوس سے حساب و کتاب لینے کی ضرورت ہوئی۔ کہ اوس نے ہمارے دیے ہوئے اختیار کو کیا صرف کیا۔ انسان کو اختیار کلی حاصل نہیں کہ بالکل اوس سے تعلق ہی نہ ہو۔ بلکہ ایک حد تک وہ مختار ہے اور اوسی حد تک اوس سے پرسش ہوگی۔ انسان سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اس اختیار کو صحیح طریقہ پر صرف کرے گا اور یہ صحیح طریقہ قرآن مجید بتلاتا ہے یعنی جو اپنا اور اپنے اختیارات کا رخ مالک ارض و سما کے اختیارات کی سمت میں کرلیتا ہے۔ اوس سے اوس کو اور قوت ملتی ہے اور اوس کا زور زیادہ ہوتا ہے اور جب یہ اختیار اوس رو کے مخالف کام کرنے لگے تو وہ کیفیت ہوتی ہے جو کسی انجن سے ٹکر کھا کر کسی بیل کی ہو۔ رو کے موافق چلنے سے جو نتائج مترتب ہوتے ہیں وہ نجات کے ہیں اور اوس کی مخالفت میں چلنے سے دوزخ کے گڑھے میں جا گرنا یقینی ہے۔

پیغمبر کا ماننا بھی اس لئے ہے کہ جہاں عقل و حواس کی رسائی نہیں وہ علوم بتائے۔ تصرفات حق دنیا میں ہورہے ہیں اوس کا مالک اللہ ہے یہ توحید افعالی ہے۔ تصرفات میں واحد طاقت کو ماننا اوس کو لہ الملک کہا۔ جو صفات اور کمالات اس عالم میں دکھائی دیتے ہیں وہ صفتیں سب اللہ تعالیٰ سے متعلق ہیں جس کو لہ الحمد کہا۔ لہٰذا لہ الملک اور لہ الحمد دونوں کا مالک اللہ ہے۔ صفات کا ظہور جو عالم میں ہے اوس کا سرچشمہ وجود واحد ہے۔ قانون فرع اور اصل کے معنی یہی ہیں کہ جو اصل میں نہیں ہے وہ فرع میں نہیں آسکتی فرع میں وہی چیز آئے گی جو اصل میں موجود ہے۔

کافر وہ جو پیغمبروں سے تعلق قطع کرے۔ مومن وہ جو پیغمبروں سے تعلق جوڑے۔ فطرت انسانی کفر میں مبتلا کیوں ہوجاتی ہے اور اس کے نتائج کیا ہوتے ہیں؟ اقوام بہت سی دنیا میں آئیں عیش و آرام سے رہیں اور پھر مردہ ہوگئیں۔ قرآن پاک یہ علم دیتا ہے کہ ایک رسول قوم میں آتا ہے وہ اپنے علوم لاتا ہے۔ جو نسبت حواس کو بیرونی اشیاء معلوم کرنے میں ہے یہی نسبت رسول کو عقل کے ساتھ ہے۔ جوں ہی وہ بیان کرتا ہے عقل اوس کو قبول کرتی ہے کہ یہی حق ہے۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ رسول بینات لاتا ہے۔ عقل بغیر رسول کے دنیا کی پیدائش کے متعلق جان نہیں سکتی مگر جب رسول کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں تو اوس سے انکار ناممکن ہے۔ اوس کو فلسفہ میں یہ کہتے ہیں کہ عقل جان نہیں سکتی مگر ماننے پر مجبور ہے۔ اوس کو بینات کہتے ہیں۔ اگر انسان یہ سمجھنے لگے کہ پیغمبر کے پاس جدید علم کا ذریعہ نہیں ہے یعنی وہ وحی کا انکار کردے تو پھر وہ کفر میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اور جب وہ اس علم کا انکار کرے تو

مبنیات اوس سے چھوٹ جاتے ہیں اور یہ وجہ بنتی ہے مبتلائے کفر ہونے کی۔

مصائب آتے ہیں انسانی معصیت سے یعنے اللہ تعالیٰ کے قوانین سے ہٹنے سے اوسکا علاج یہ ہے کہ جس نقطے سے ہٹے تھے وہاں واپس آجاؤ۔ اوس کو توبہ کہتے ہیں اور عہد مستقبل کو استغفار۔ اوس سے سزائیں کم ہوتی ہے۔ قانون تحویل کام کرتا ہے۔ اور تھوڑی بہت تکلیف سے چھٹکارا مل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت بسیط ہے اور سب پر حاوی ہے۔ غم کا علاج یہی ہے کہ مصیبت لانے والے سے گڑگڑاؤ۔ اوس سے طلب کرو۔ اوس کی رحمت نے دوا میں بھی کچھ افعال رکھدیئے ہیں مگر اصل علاج استغفار ہے۔ سب سے زیادہ سخت اللہ تعالیٰ کا غصہ ہے مگر اوس سے زیادہ سخت صدقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے غصہ کو بجھا دیتا ہے۔ اخلاق رذیلہ کے ازالے کی ضرورت نہیں اون کے امالے کی ضرورت ہے۔ اوسکا عملی طریقہ ٹھیک کرلو۔ بس یہی ضروری ہے۔

بزرگوں کا تجربہ ہے کہ وبا کے موقعہ پر اس سورت کا پڑھنا مفید ہے۔

سورۃ الطلاق ۶۵ - مدنی۔ سنہ ۶ھ میں نازل ہوئی۔ پہلے رکوع میں طلاق کے کچھ مسائل کا ذکر ہے جو سورہ بقرہ کے مضمون کی تکمیل کرتے ہیں۔ دوسرے رکوع میں رسول کے احکام کی سرکشی اختیار کرنے کا نتیجہ بتایا ہے۔

ترتیب سورہ، قرآن کریم کی ابتداء مدنی سورتوں سے ہوتی ہے۔ خاتمہ مکی سورتوں پر ہوتا ہے۔ سورہ تحریم کے بعد ۹۲ سے لے کر آخر تک سب مکی سورتیں ہیں۔ (سوائے النصر کے کہ وہ بھی مدنی ہو کر مکہ میں نازل ہوئی) مکی سورتوں میں تفصیلات شریعت نہیں ہیں بلکہ مدنی سورتوں میں ہیں۔ پہلی مدنی سورت بقرہ میں طلاق اور ایلا کا ذکر تھا یہاں مدنی سورتوں کے خاتمہ پر ان دو سورتوں کو رکھکر پہلے سورت کے مضمون کی تکمیل کی ہے بخصوصیت سے انفاق پر زور دیا ہے۔ اور بقرہ میں اوس پر زور دیا تھا۔

سورۃ التحریم ۶۶ - مدنی۔ حضور نے ایک ماہ کے لئے بیویوں سے نہ ملنے کی قسم کھائی تھی چونکہ حلال چیز کو حرام کر لینے سے امت میں فتنہ پڑتا ہے۔ اس لحاظ سے وحی کے ذریعہ ازواج مطہرات کو سمجھایا گیا کہ اگر وہ نبی کے گھر میں رہنا چاہتی ہیں تو مال دنیا سے محروم ہو کر رہنا پڑے گا۔ اور انھیں اختیار دیا گیا کہ چاہیں تو طلاق لے لیں۔ یہ واقعہ ۹ھ کا ہے۔ لیکن اصل مضمون مومنوں کی تطہیر اور تزکیہ ہے جس کو دوسرے رکوع میں بیان کیا۔ امت کی تشبیہ عورت سے بھی ہو سکتی ہے۔ جیسی اور امتیں اپنے نبی کے حکم سے باہر ہو گئیں یہ حالت اس امت کی نہ ہو گی مگر عارضی علیحدگی برداشت کرنا پڑے گی۔

عورت اور اُمت کی مماثلت: گیارھویں آیت میں کفار کی مثال عورت سے دی اور بعد کی آیت میں مومنوں کی مثال عورت سے دی ہے۔ کفار کی مثال حضرت نوح اور لوط کی بیویوں سے دی ہے کہ یہ کفار گو رسولوں کے پیرو ہی ہوں لیکن اگر اون رسولوں کی تعلیم کے عامل نہوں تو محض برائے نام پیرو ہونا انھیں کوئی فائدہ نہیں پہونچاتا۔ اِس میں مسلمانوں کو سمجھایا ہے کہ اگر رسول کی پیروی نہ کریں تو دعویٰ ایمان سے اُنھیں کوئی فائدہ نہ پہونچے گا۔ مومن کی مثال فرعون کی بیوی سے دی ہے اس آیت میں مومن کی روحانی ترقی کے دو مرتبے بتلائے ہیں۔ پہلی مثال آسیہ کی ہے جو فرعون کے زیر اثر ہے یعنے اوس کا شیطان ابھی مسلم نہیں ہوا اور اوسے بدی کی طرف تحریک کرتا ہے مگر مومن اوس کے مقابلہ میں جد و جہد میں لگا رہتا ہے مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ میں اِس جد و جہد کی طرف اشارہ ہے اور اوس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ جنت میں داخل ہو جہاں شیطان کا مقابلہ ختم ہو جاتا ہے دوسری مثال مومن کے اوس اعلیٰ مرتبہ کے لئے ہے جب وہ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا کا مصداق ہوتا ہے یعنے شیطان کسی جگہ سے اوس پر حملہ آور نہیں ہوسکتا۔ گویا اوس کا شیطان فرمانبردار ہوجاتا ہے تب اوس میں اللہ تعالیٰ کی رُوح یا پاک کلام پھونکا جاتا ہے۔ اور وہ نفس مطمئنہ بن جاتا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پہلی مثال سے مراد یہ ہو کہ جس طرح نوح اور لوط کی بیویاں تباہ ہوگئیں اِسی طرح پہلے نبیوں کی اُمتیں آخر کار ہلاکت تک پہونچ جائیں گی۔ اور دوسری مثال سے یہ کہ ایک وقت فرعون کے نیچے آکر مبتلائے مصیبت ہو جائیگی لیکن آخر کار وہ اِس مصیبت سے نکل جائیں گی۔

سورۃ الملک ۶۷ ۲

کی۔ مَلِك یعنے بادشاہ سے اشارہ ہے کہ ایک خدا کا قانون ہی ساری دُنیا میں چلتا ہے۔

سورہ: توجہ دلائی ہے کہ وہ عظیم الشان مخلوقات سماوی جس کو دیکھ کر نظر بھی متحیر رہ جاتی ہے سب ایک قانون کے ماتحت ہیں۔ اِسی سے انسان کو توجہ دلائی ہے کہ وہ بھی جب تک اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے قانون کے تحت نہیں چلاتا اوس کی زندگی کی غرض پوری نہیں ہوتی اور نہ سکھ چین نصیب ہوتا ہے۔ یہاں سے لے کر آخر تک سب سورتیں مکی ہیں سوائے النصر کے۔ ہر ایک سورت میں ایک خاص امر کی طرف اشارہ ہے۔

موت اور زندگی کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کا ایک عظیم الشان نشان ہے۔ جن قوانین کے ماتحت زندگی پیدا ہوتی ہے اور جن قوانین کے تحت موت پیدا ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے تصرف تام میں ہے۔ کوئی اِن قوانین کو ذرہ بھر اِدھر اُدھر نہیں کرسکتا۔ موت اور زندگی انسان

کے لیئے اِنعام کے موجب ہیں۔ زندگی اوسے اچھے کام کا موقعہ دیتی ہے اور موت۔ اچھے کام کے نتائج کو ظاہر کرتی ہے۔

جب موت و حیات کا قانون بیان فرمایا کہ اوس میں کسی کو کوئی تصرف نہیں تو اب اپنی عظیم الشان سماوی مخلوق کی طرف توجہ دلائی۔ سات آسمانوں کو ایک دوسرے کے موافق پیدا کیا۔ یہاں فرمایا کہ وہ سب ایک ہی قانون کے تحت ہیں۔ اس لیئے تم اوس میں کوئی تفاوت نہیں پاتے اور نہ اوس میں کسی قسم کا خلل ہی واقع ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت پر دلالت کرتی ہوئی توحید پر بھی شہادت دیتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمانیت سے اِنسان کے لیے سب سامان پیدا کیئے۔ اگر ایک رزق حاصل کرنے کے لئے جد و جہد اختیار کرنے کی ضرورت ہے جیسا جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ ؕ سے ظاہر ہے کہ رزق ظاہری کے لئے اطراف و جوانب کو چھان مارے تو اللہ تعالیٰ کا رزق روحانی بغیر جد و جہد کے کس طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ توکل کے متعلق جو غلط خیال پھیلا ہوا ہے اوسے یہ آیت جڑ سے کاٹتی ہے۔

ظاہر طور پر یہ بات صحیح ہے کہ جب بارش بند ہو جاتی ہے تو زمین کا پانی یعنے وہ چشمے جو زمین کے اندر جاری ہیں وہ بھی نیچے چلے جاتے ہیں اور خشک ہو جاتے ہیں۔ یہی قانون اوس کا عالم روحانی میں ہے اگر اللہ تعالیٰ کی وحی نازل نہ ہو تو اخلاق خود بخود مردہ ہو جاتے ہیں اسی لیئے اگلی سورت کے شروع میں آنحضرت کے اخلاق فاضلہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔

اِنسان کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے اندر حسن عمل پیدا کرے۔ اِنسان ہٹتا اس لیئے ہے کہ اوس کی نظر سطحی ہے اوس سے بعض علوم غائب ہیں وہ بظاہر اسباب سے غلط نتیجہ نکال کر حسن عمل سے ہٹتا ہے۔ جن علوم کو وہ خود حاصل نہ کر سکتا تھا وہ علوم بذریعہ قرآن ملے اون سے واقف ہو کر اب حسن عمل سے نہیں ہٹ سکتا۔

سورۃ القلم ۶۸ مکی۔ نام القلم یا نون ہے۔ اِن دو لفظوں میں توجہ دلائی ہے کہ قلم اور دوات کی مدد سے جس قدر علوم دنیا میں پھیلے وہ سب آخر دنیا کو اس نتیجہ تک تک پہونچائیں گے کہ محمد مجنون نہیں۔ علوم یہ بھی شہادت دیں گے کہ آپ کے اخلاق بلند ترین مقام تک پہونچ گئے ہیں۔

ربط: ابتدائی زمانے کا ہے۔ پہلے اقراء۔ پھر القلم۔ پھر مدثر۔ پھر مزمل۔

سورہ: اس سورہ کی غرض یہی بتانا ہے کہ ایک طرف محمدؐ کے اخلاق تعلق باللہ سے کمال کو پہونچ گئے ہیں تو دوسری طرف دنیا داروں اور طالبان مال کے اخلاق گرتے گرتے انتہائے پستی کو پہونچ گئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اخلاق فاضلہ صرف تعلق باللہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور وحی الٰہی کا نزول اخلاق کے نشوونما میں وہی کام کرتا ہے جو بارش زمین کی روئیدگی کے نشوونما میں دیتی ہے۔ جب انسان اپنے آپ کو خدا کی رضا کے ماتحت کر دیتا ہے تو اوس کا نتیجہ قانون الٰہی کے تحت یہی ہے کہ وہ ہر قسم کی خوبیوں کو اپنے اندر جمع کرلے۔ اور جو اس قانون کے خلاف چلتا ہے وہ ہر قسم کی بدیوں کو اپنے اندر جمع کرلیتا ہے۔

سورۃ الحاقہ ۶۹ | الحاقہ=حق ہو کر رہنے والی۔ اشارہ اس طرف ہے کہ جو کچھ بدی کا اور اللہ تعالےٰ سے قطع تعلق کا نتیجہ ہے وہ کسی طرح ٹل نہیں سکتا۔ یہ نتیجہ پہلے اس دنیا میں برنگ عذاب ظاہر ہوتا ہے جیسے عاد و ثمود و فرعون کی حالت میں اور آخر کھلا انکشاف اوس کا قیامت میں ہوگا۔ جب تمام مخفی قوتیں اور مخفی نتائج ظاہر ہو جائیں گے۔ اور آخر پھر تسبیح یا تعلق باللہ کی طرف توجہ دلائی۔

ربط: اس کا تعلق پچھلی سورت سے یوں ہے کہ اس میں ایک قانون کی خلاف ورزی کا جو نتیجہ بتایا تھا تو یہاں اوس کے متعلق فرمایا کہ وہ نتیجہ ایک حد تک اس دنیا میں اور آخر کامل طور پر قیامت میں ظاہر ہو جائے گا۔

سورہ: آخری پانچ آیتوں میں اِس مضمون کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اول قرآن کا ذکر ہوا۔ پھر اوس کے جھٹلانے والوں کا ذکر۔ پھر یہ کہ جھٹلانا اوس کے لیئے موجب حسرت ہوگا۔ پھر فرمایا کہ اوس کا وقوع حق الیقین ہے اسی لیئے اوس کو شروع میں الحاقہ کہا۔ اور ان سب کا نتیجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو۔ گویا اصل غرض تو تسبیح ہی تھی مگر جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے اون کے لئے دکھ اور حسرت کا آنا یقینی ہے۔ علم کے تین مراتب حق الیقین عین الیقین اور علم الیقین بدی کے بد نتائج انسان دلیل سے بھی مان لیتا ہے۔ دیکھ بھی سکتا ہے۔ لیکن اگر اس طرح فائدہ نہ اُٹھائے تو پھر اوس کا بھگتنا ضروری ہے۔

سورۃ المعارج ۷۰ | معارج=مراتب عالیہ۔ ربط: پچھلی سورت میں اللہ تعالیٰ سے قطع تعلق کا نتیجہ عذاب بتایا تھا تو یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والوں کے مراتب عالیہ کا ذکر ہے۔

سورہ: مومنوں کے لئے جو اون اعلیٰ صفات کو اپنے اندر پیدا کرتے ہیں جن کا ذکر اس سورت

میں ہے اور جن سے اون کا تزکیہ ہو جاتا ہے۔ بڑے بڑے مراتب اللہ تعالیٰ کی جناب میں ہیں اور مخالفین کو بھی یہی سمجھایا ہے کہ وہ بجائے عذاب مانگنے کے اون نیک صفات کو اپنے اندر لیں اور ترقیات روحانی کا مشاہدہ کریں اور آخر کار یہ بھی بتایا ہے کہ یہ لوگ اوس طرف رجوع کریں گے۔

سورۃ نوح ؁ — کی۔ نام حضرت نوح کے ذکر سے لیا گیا ہے جو اوس کا واحد مضمون ہے۔
ربط: پچھلی سورت میں اون بلند مراتب کا ذکر تھا جو انسان حاصل کر سکتا ہے مگر اون کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ یہاں سب سے پہلے تاریخی نبی کے حالات میں ایک مثال دی ہے کہ اپنی ترقی کے راہوں سے لوگ کس طرح منہ موڑ رکھتے ہیں۔

سورہ: حضرت نوح کے ایک عرصۂ دراز تک لوگوں کو نصیحت کرنے اور حق کی طرف بلانے میں سمجھانا یہ مقصود ہے کہ دنیا کی اصلاح ایک زمانہ چاہتی ہے۔ لوگ ان باتوں کو فوراً قبول نہیں کر لیتے۔ اور آخر اس قوم کی ہلاکت میں یہ نشان ہے کہ جو لوگ اس حق کو جو رسول اللہ صلعم لائے ہیں قبول نہ کریں گے اور کفر اور بدی پر اصرار کریں گے تو وہ آخر کار ہلاک کر دیئے جائیں گے۔

سورۃ الجن ؁ — نام۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ جن انسان ہی تھے مگر چھپ کر آتے اس لئے جن کہا گیا بعض کہتے ہیں کہ یہ غیر مرئی تھے۔

ربط: پچھلی سورت میں نوح کا ذکر تھا جن کی مخالفت میں قوم اس قدر کمربستہ ہو گئی تھی کہ آخر اون کی ہلاکت کے سوا کوئی راستہ نہ رہا۔ اس میں بھی رسول اللہ صلعم کو تسلی دینا تھا کہ حق کن مشکلات کے ساتھ دنیا میں قائم ہوتا ہے تو اب اس سورت میں بتایا کہ اگر اہل عرب مخالفت کرتے ہیں تو اور لوگ ہیں جو پیغام حق کو سن کر قبول کرتے چلے جاتے ہیں اس میں اسلام کی آیندہ کامیابیوں کی بشارت تھی۔

سورۃ المزمل ؁ — اَلْمُزَّمِّل = لباس اوڑھنے والا۔ اشارہ نماز کی تیاری کی طرف ہے۔
اس سورت میں بتایا ہے کہ بہ لحاظ قیام اور بہ لحاظ حضور قلب رات کی نماز یعنے تہجد بہترین نماز ہے۔ اس سے انسان میں قوت عملی پیدا ہوتی ہے اور اس کے قول میں تاثیر پیدا ہوتی ہے۔ گویا نماز انسان میں اعلیٰ درجہ کا حسن روحانی پیدا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں نماز کو مومن کی معراج کہا ہے اور اوس میں اشارہ ہے کہ تعلق باللہ سے ہی جس کے لئے نماز ایک ذریعہ ہے انسان کا قدم ترقی کی طرف اٹھتا ہے۔

سورۃ المدثر ؁ — المدثر: اوڑھنے والا۔

ربط: پچھلی سورت میں نماز کے ذریعہ سے تکمیل نفس کا ذکر ہے اور تکمیل نفس کے بعد گویا اب بتایا ہے
کہ اوروں کی تکمیل کرو۔ زمانہ نزول ابتدائی ہے۔

فترت۔ وہ زمانہ جس میں وحی رکی رہی۔ یہ چھ ماہ کا تھا۔ اس کے بعد یہ پہلی سورت ہے۔ اِس
فترت میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ وحی کے عظمت و جلال کی برداشت کی قوت نبی کریم صلعم میں پیدا ہو۔
اور طبیعت بتدریج مانوس ہو۔

سورۃ القیامۃ ۷۵ مکی۔ القیامہ۔ اِس میں قیامت کا ذکر ہے۔

ربط: پچھلی سورت کے آخر میں فرمایا تھا کہ قرآن ایک تذکرہ ہے جس میں
یہی اشارہ تھا کہ اوس سے ایک روحانی قیامت برپا ہوگی اور اس سورت میں اوس روحانی قیامت
کو بطور شہادت قیامت کبریٰ پیش کیا ہے۔ یہ بھی ابتدائی مکی سورت ہے۔

سورہ: قیامت کو بطور شہادت پیش کیا ہے یہ بتانے کہ ایک قیامت روحانی بذریعہ
نبی صلعم پیدا ہوگی جس سے مراد انسان کے اندر ایک نئے احساس کا پیدا ہونا ہے۔ نبی کریم کے
ذریعہ سے وہ احساس پیدا ہوا۔ بلکہ اس قدر قوت کو پہونچا کہ اوس کے سامنے بڑے بڑے پہاڑ اڑ گئے

ساعت۔ تباہی کا وقت۔ قیامت۔ زندگی کا وقت۔

سورۃ الدھر ۷۶ مکی۔ اِس کا نام الانسان اور الدھر دونوں آئے ہیں۔ بلحاظ مضمون
الانسان بہت ہی موزوں ہے اس لیئے کہ یہاں انسان کے روحانی
ترقیات کا ذکر ہے اور بتایا ہے کہ پہلا مرتبہ انسان کی روحانی ترقی کا یہ ہے کہ بدی کی طاقت کو دبائے
اور دوسرا یہ کہ نیکی کی قوت اپنے اندر پیدا کرے۔

ربط: پچھلی سورت میں فرمایا تھا کہ رسول اللہ صلعم کے ذریعہ سے دنیا میں ایک روحانی
قیامت قائم ہوگی۔ یہاں بتایا کہ اس روحانی زندگی کے دو مدارج ہیں۔ راستہ ہم نے دکھا دیا ہے
اب جو چاہے راستہ اختیار کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہے
خدا کی طرف آئے چاہے اوس کی طرف سے پھرا رہے۔ لیکن انسان کا یہ اختیار کسی حدبندی کے
ماتحت ہے اور وہ حدبندی خدائے تعالیٰ کی مشیت ہے۔ لیکن مشیت اوسی قانون کے رنگ میں
کام کرتی ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں بکثرت ہے کہ اعمال صالحہ کا نتیجہ مغفرت ہے اور اعمال
بد کا نتیجہ عذاب ہے۔

سورۃ المرسلٰت ۷۷ مکی۔ مرسلت سے مراد رسولوں کی جماعت ہے۔

ربط۔ پچھلی سورت میں انسانی ترقیات روحانی کا ذکر تھا۔ اس سورت میں بتایا ہے کہ رسولوں کی تکذیب کا ثمرہ کیا ملتا ہے۔

سورہ: رسول کی زندگی یہ ہوتی ہے کہ وہ معروف لے کر آتے ہیں اور اوس کو دنیا میں پھیلاتے ہیں۔ خس وخاشاک کو اُڑا دیتے ہیں۔ باطل کو خس وخاشاک سے مثال دی ہے۔ پھر دوسری جماعت رسولوں کے ساتھ ملکر حق کو دور دور پہونچا دیتی ہے۔ یہ جماعتیں دو صفتیں رکھتی ہیں۔ حق وباطل میں فرق کا ایک نمونہ بن جاتی ہیں اور وہ ذکر کو لوگوں کے سامنے پیش کرتی ہیں یہی کام رسول اللہ صلعم اور اون کے ساتھی کر رہے ہیں۔

سورۃ النبأ

مکی۔ النبأ= اوس خبر کو کہتے ہیں جس سے عظیم الشان فائدہ حاصل ہو۔ اس میں اشارہ یوم الفصل کی طرف ہے۔

ربط: جو ذکر پچھلی سورت میں تھا وہ یہاں صراحت سے بیان کر دیا گیا النبأ العظیم سے مراد قرآن یا امر نبوت یا بعث بعد الموت بھی لیا گیا ہے۔

سورہ: اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اور مختلف چیزوں کے وجود میں اپنی حکمت کو بیان کیا ہے حتیٰ کہ دن اور رات بھی اپنی اپنی جگہ کام کرتے ہیں۔

سورۃ النٰزعٰت

النّٰزعٰت۔ اپنے آپ کو کھینچکر نکالنے والی جماعتیں۔

سورہ: اس نام کو اختیار کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ مدارج روحانی کا یہ پہلا مرتبہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو خواہشات نفسانی سے کھینچکر باہر نکال لے۔ پھر اوس کے آگے دوسرے مراتب ہیں جو انسان کو اوس کے کمال روحانی تک پہونچاتے ہیں اور دوسری طرف یہ بھی اشارہ ہے کہ اعدائے اسلام کے لئے جو سزا آنیوالی ہے وہ جنگوں کے رنگ میں ہوگی۔ مفسرین نے نازعات سے مراد وہ فرشتے بتلائے ہیں جو کافر کی جان نکالتے ہیں۔ یا ستارے جو اُفق سے افق کی طرف جاتے ہیں۔ یا کمانیں۔ لیکن سدی سے مروی ہے کہ یہ نفوس انسانی کی جماعت ہے جو موت کے ساتھ اپنے رب کی طرف نکلتی ہے اور مراد نفوس انسانی کی ترقیات بھی لی گئی ہیں جو سلوک وتطہیر ظاہر وباطن میں اُنھیں پیش آتی ہیں یعنے وہ شہوات سے اپنے آپ کو باہر نکالتے ہیں اور عالم قدس کی طرف نشاط سے چلتے ہیں اور مراتب ارتقاء میں تیرتے ہیں اور کمالات کی طرف سبقت کرتے ہیں یہاں تک کہ دوسروں کی تکمیل کرنے کے اہل ہو جاتے ہیں۔

ایک اور رنگ میں ہر انسان کو توجہ دلائی ہے کہ اوس کی کامیابی کا کیا راستہ ہے سب سے

پہلی سیڑھی نازعات کی ہے یعنے ایک امر کے اشتیاق میں ترقی کرکے اوس شوق کو کمال تک پہونچانا جو غرق کا مصداق ہے۔ دوسرا مرتبہ اوس کا ناشطات ہے یعنے وہ توجہ کی صورت میں نہ اٹھا رہا ہو بلکہ نشاط خاطر سے اوس کی طرف متوجہ ہو۔ اور تیسرا مرتبہ سابحات کا ہے جس طرح سے پانی یا ہوا میں ایک جسم تیرتا ہے کہ رکاوٹ بہت کم ہوتی ہے اسی طرح وہ عمل میں لگ جائے کیونکہ سبح کے معنی تیزی سے گذرنا ہے یہ گویا تین ضروریات ہر امر کی ہیں۔ امر دین ہو یا امر دنیا۔ پہلا کمال اشتیاق و محویت۔ دوسرا انشاط خاطر کا حاصل ہونا تیسرا عمل میں تیزی سے لگ جانا اور باقی دو نتائج ہیں یعنے ایسے نفوس سبقت لیجاتے ہیں اور تدابیر امر کرنے کے بھی قابل ہو جاتے ہیں اور اصل غرض تو مومنوں کو توجہ دلانی ہے کہ دنیا میں خدا کا نام پھیلانے کے لئے کیا ضروریات ہیں اور امور دنیا ضمناً اون کے اندر آجاتے ہیں۔

سورۃ عبس [a] مکی۔ ابن مکتوم نابینا نے آتے ہی توجہ اپنی طرف پھیرنا چاہا۔ جس کو آنحضرت نے ناپسند کیا۔

سورہ: جو خود سیکھنا چاہتا ہے اوس کی جانب بے توجہی نہ کی جائے۔ یہ بھی بتایا کہ غریب اور چھوٹے لوگ اس قرآن کریم کی بدولت عظیم الشان مرتبے پر پہونچائے جائیں گے چھوٹا ہو یا بڑا جو کوئی قرآن کریم کو اپنا ہادی بنالے گا اور جو کوئی نفس کو ہوا و حرص سے روک کر اللہ تعالے کے احکام کے سامنے سر جھکا دے گا وہی دنیا میں بڑا ہو جائے گا۔

یہ گونہ خوشخبری بھی ہے ۱۲۔ ۱۶ تک چھ آیات میں عظیم الشان خوشخبری ہے کہ قرآن چونکہ خود ایک مکرم اور مطہر چیز ہے اس لئے اوس کے لکھنے والے نہ صرف کرام یعنے معزز ہوں گے بلکہ اعلیٰ درجہ کے راست باز بھی ہوں گے۔ دنیوی مرتبہ کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی راست بازی اگر کسی قوم نے جمع کی ہے تو وہ صرف مسلمان قوم ہے صحابہ کرام کو اللہ تعالیٰ نے کرام بررہ بنا کر دکھا دیا کہ وہ قرآن کے خدمت گذاروں کو کہاں تک پہونچا دیتا ہے۔ ابن عباس نے سفرہ سے مراد کاتب قرآن لئے ہیں اور قتادہ نے قاری۔ اور بعض نے ملائکہ۔

سورۃ التکویر [b] تکویر۔ صف لپیٹنا۔ (مکی)

سورہ: اس میں پیشین گوئی ہے کہ پہلے مذاہب کی صف لپیٹ دیجائیگی اور اسلام کے ساتھ علمی ترقیات دنیا میں پیدا ہوں گی یہاں قرآن کریم نے اس حقیقت کو آشکارا کرنے کے لئے دونوں قسم کی نشانیوں کو ملا دیا ہے جو قیامت کبریٰ سے متعلق ہوں گی۔

سورۃ انفطار ۸۲ انفطار۔ پھٹنا = (مکی)
خلاصہ: اس طرف اشارہ ہے کہ کس طرح روحانی بارش سے قوائے انسانی نشوونما پاکر کمالات انسانی کا ظہور ہوتا ہے۔

معدنیات باہر نکل آئیں گے۔ جہالت جو موت کے مماثل ہے علم سے دور ہو جائیں گی بارش روحانی ہوگی۔ علم دین کی روشنی ستاروں کی طرح پھیل جائے گی۔ دریاؤں کے بہانے سے علوم کے دریاؤں کا بہانا مراد ہے۔ قبروں کے کھول دینے سے اون لوگوں کا روحانیت کی زندگی پالینا ہو سکتا ہے اور یہ سب واقعات قیامت سے متعلق بھی ہو سکتے ہیں۔

سورۃ التطفیف ۸۳ مکی۔ التطفیف = معاملہ یا ادائیگی حقوق میں کمی کرنا۔
سورہ: اس سورے میں بتایا ہے کہ وہ قویٰ جو انسان کو دئیے ہیں انھیں مناسب محل پر استعمال نہ کرنے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ایسے آدمیوں کے اعمال ایک قید خانے میں رہ جاتے ہیں یعنے ترقی کے قابل نہیں رہتے اور جو ان قویٰ کا استعمال کرتے ہیں وہ بلند سے بلند ترقی کے مقامات پر پہونچ جاتے ہیں۔

گناہ سے انسان کا دل سیاہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اوس کی صفائی اور جلا باقی نہیں رہتی نتیجہ اگلی آیت میں یہ بتایا ہے کہ وہ اپنے رب سے محجوب ہیں اور یہ زنگ جہنم سے ہی دور ہوگا۔

سورۃ انشقاق ۸۴ مکی۔ انشقاق = پھٹ جانا۔ اس لفظ میں یہ اشارہ ہے کہ تمام ترقیات کسی انشقاق سے وابستہ ہیں۔

سورہ: جس طرح آسمان کے انشقاق سے جو بارش سے وقوع میں آتا ہے زمین کی مخفی طاقتیں ترقی پذیر ہوتی ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک انشقاق روحانی وحی کے رنگ میں واقع ہوتا ہے۔ تو انسان کی مخفی طاقتیں ظہور پذیر ہو کر اور ایک قیامت روحانی قائم ہو کر قیامت کبریٰ کے وجود پر نشان ٹھہرتی ہیں یعنی اسی طرح آخر کار کل انسانوں کے قوائے مخفی ظہور پذیر ہوں گے اس سورت میں انسان کی ان ترقیات کے ساتھ ساتھ اسلام کی ترقیات کی بشارت عظمیٰ ہے اور یہ دلیل بھی ہے کہ فی الحقیقت ان مخفی طاقتوں کا ترقی پذیر ہونا قیامت روحانی کو ہی نہیں بلکہ قیامت کبریٰ کو بھی چاہتا ہے۔ اس لئے کہ سب لوگوں میں یہ طاقتیں اس عالم میں ترقی پذیر نہیں ہوتیں اس لئے ضروری تھا کہ دوسرے عالم میں اُن کو کامل ترقی ہوتی۔ اعمال بد جمع کرنے سے عذاب الیم ہوگا اور یہ قیامت روحانی ترقیات کا راستہ کھولنے کے لئے ایک ضروری چیز ہے۔ یعنے جو لوگ یہاں مجاہدہ

نہیں کرتے انھیں دوسرے عالم میں ان مجاہدات کی جگہ عذاب میں سے گذرنا پڑے گا۔

سورۃ البروج ۸۵ مکی۔ البروج = ستاروں والا۔
سورہ: پیشین گوئی ہے کہ ملک عرب میں ایک قوم پیدا ہوگی جو اس ملک کو اس طرح بھر دے گی جس طرح ستاروں سے آسمان بھرا ہے۔ صحابہ نے روشنی کو دنیا میں پھیلا دیا۔ مخالفین کا ذکر بھی کیا جو اس قوم کو مٹانے کی کوشش کرنے والے تھے۔
مشہود وہ لوگ ہونگے جو آنحضرت کی تعلیم کو اپنے اندر لیں گے۔

سورۃ الطارق ۸۶ مکی۔ الطارق = رات کے وقت آنے والا۔ نبی کریم کی طرف اشارہ ہے جو ظلمت کے وقت ظاہر ہوئے۔

سورہ: حضور اکرم کی تشریف آوری سے دنیا کی ظلمت دور ہوگئی۔ پیشین گوئی ہے کہ نور ہدایت پھیل جائے گا نیز رسول اللہ کے وجود کو قیامت یا بعثت کی شہادت ٹھہرایا ہے اس لئے کہ آپ کے وجود سے اس دنیا میں قیامت روحانی قائم ہو کر قیامت کبریٰ کی صداقت پر کھلی گواہی ہوگی

سورۃ الاعلیٰ ۸۷ الاعلیٰ = اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے سے ہی انسان علو کے مقام پر پہونچ سکتا ہے۔ آلعلیؔ صاحب شرف العالی۔ وہ جس کے اوپر کوئی نہیں۔ یا وہ جو اپنی مخلوق پر غالب ہے اور وہ اپنی قدرت سے اون کو مغلوب رکھتا ہے۔ اور الاعلیٰ وہ ہے جو ہر ایک عالی سے برتر ہے۔ اور اوس کا اسم الاعلیٰ ہے۔ یعنے اوس کی صفت سب صفات سے بلند تر ہے۔

سورہ: یہاں اول اسم الاعلیٰ کی تسبیح کے لئے فرمایا اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم اس آیت کو پڑھکر کہا کرتے تھے۔ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى اس نام کا تنزیہہ میں یہ اشارہ ہے کہ اوس کا علو تمام عیوب سے منزہ ہے اور جسمانی بلندی کے خیال سے بالاتر اور یہ بھی کہ انسان کو علو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے ہی سے مل سکتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جس صفت کو انسان اپنے سامنے رکھتا ہے اوسی صفت کا وہ مظہر بن جاتا ہے اور نماز میں انتہائی ذلت کی حالت میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى کا ذکر سکھانا بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ اس ذریعہ سے انسان علو پر پہونچ سکتا ہے اسی لئے نماز کو معراج مومن کہا ہے گویا تسبیح اسم ربك الاعلیٰ میں نماز کی طرف ہی توجہ دلائی ہے۔ اور اوس کو آگے چل کر واضح بھی فرمایا ہے اس کے بعد چار امور کا ذکر کیا۔ خلق۔ تسویہ تقدیر۔ ہدایت۔ یعنے ہر چیز کو پیدا کیا اور ہر چیز کو کمال دیا۔ ہر چیز کے لئے ایک اندازہ اور حد بست

مقرر کی اور ہر چیز کو ہدایت دی یعنے قانون بتایا کہ اوس پر چل کر وہ اپنے کمال کو حاصل کرے۔ خلق کے مقابلہ میں اندازہ مقرر کرنا۔ تسویہ (کمال) کے لئے ہدایت۔ یہ چاروں باتیں ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی یعنے تزکیہ ہی سے انسان فلاح کو حاصل کرسکتا ہے پہلے صحیفوں میں بھی یہ بات موجود ہے یعنے تمام انبیاء کی تعلیم ہمیشہ ایک ہی رہی ہے کہ انسان دنیا کی زندگی تک اپنی نظر کو محدود نہ رکھے۔ بلکہ ایک نئی زندگی کے لئے اپنے آپ کو تیار کرے۔

سورۃ الغاشیہ مکی۔ الغاشیہ = ڈھانکنے والی چیز۔ جو لوگ اپنے نفس کا تزکیہ نہیں کرتے اور دنیا ہی پر گرے رہتے ہیں اون کے لئے آخر ایک وقت آتا ہے کہ جس مصیبت سے وہ بچنا چاہتے تھے وہی اون کو ڈھانک لیتی ہے۔

سورہ: قیامت کو غاشیہ اس لحاظ سے کہا ہوگا کہ جس محنت و مشقت سے انسان یہاں بچتا تھا آخر ہی اوس کو ڈھانک لے گی۔ ظاہری مناظر قدرت کی طرف توجہ دلاکر انسان کو یہ بتانا مقصود ہے کہ بادلوں کی سخاوت۔ آسمان کی رفعت۔ پہاڑوں کے استقلال زمین کی فراخی کو اپنے اخلاق میں جمع کرے۔

سورۃ الفجر مکی۔ الفجر۔ صبح کی روشنی کے پھوٹنے کا نام ہے۔ اس سورت میں بتایا ہے کہ انسان کی اعلیٰ سے اعلیٰ روحانی حالت جسے نفس مطمئنہ کہا جاتا ہے عبادت الٰہی سے پیدا ہوتی ہے اوس عبادت کے خاص ایام وہ دس راتیں ہیں جن میں نزول قرآن شروع ہوا۔ یہ راتیں رمضان کے آخری دہے میں ہیں جس میں حضور شب بیداری بہت کرتے تھے۔ انھیں میں لیل القدر بھی ہے۔

ربط: پچھلی سورت میں اور کئی سورتوں میں اصل مضمون یہی رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت کا تعلق پیدا کرنے سے انسان کو فلاح ملتی ہے تو اس سورت میں عبادت کے بہترین ایام کا ذکر کیا ہے۔

وتر کے لفظ میں اشارہ ہے کہ مخلوق تو سب زوجین کے رنگ میں پیدا کی گئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات واحد ہے۔ پس اگر تمھاری جسمانی ترقیات بغیر زوجیت کے نہیں ہوسکتیں تو روحانی ترقی بغیر خدائے واحد کے تعلق پیدا کرنے کے کیسے ہوسکتی ہے جو سب مخلوق کے مقابل میں وتر ہے۔ دوسری جگہ زوجین کے ذکر کے بعد فرمایا کہ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ۔ خدا سے تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ عبادت ہے۔

سورۃ البلد ۹۰ البلد = شہر مکہ معظمہ۔ اس نام میں اشارہ ہے کہ آپ تمام برکات کے وارث کئے جائیں گے جو اس شہر سے مخصوص ہیں۔

سورۃ: اس سورہ میں یہ بتایا ہے کہ درجات عالیہ کے حصول کے لئے یہ ضروری ہے کہ آپ کو تکلیف شاقہ کا مقابلہ کرنا پڑے کیونکہ انسان کی تمام ترقیات کا انحصار ہی اس پر ہے کہ وہ مشقت اٹھائے کبد = مشقت۔ اس میں تنبیہ ہے کہ انسان کو ایسی حالت میں پیدا کیا گیا ہے کہ وہ مشقت سے دور نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ضروری ہے کہ مشقت کے ساتھ ایک مرتبہ سے دوسرے مرتبہ کی طرف ترقی کرے جو انسان تکلیف سے بھاگتا ہے وہ اپنے کمال کو کبھی حاصل نہیں کر سکتا۔ کامیابی کا یہی ایک راستہ ہے۔

عقبہ = اونچا پہاڑ جو راستہ میں آپڑے۔ اون مشکلات کو جن میں سے گذر کر مراتب عالیہ حاصل ہوتے ہیں اونچے پہاڑ سے تشبیہ دی ہے اور یوں بتایا ہے کہ انسان کو کسقدر استقلال اور ثبات قدم درکار ہے کہ خدا کے راستہ میں ترقی کرے۔ یہی مشکلات حق کے پھیلانے میں تھیں۔

سورۃ الشمس ۹۱ مکی۔ نام الشمس۔ اشارہ کمال نبوی کی طرف ہے جو عالم روحانیت سورج کا حکم رکھتے ہیں۔ اور آیندہ تمام انوار آپ کی ذات بابرکات سے پھیلیں گے۔

جس طرح آفتاب عالم جسمانی کا مرکز ہے۔ آنحضرت عالم روحانی کے مرکز ہیں۔

سورہ: انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے وہ صفات جمع کی ہیں جو اوس کی مخلوق میں سے اضداد کے اندر ہیں۔ سورج اور چاند۔ رات اور دن۔ آسمان اور زمین کی صفات کو اوس کے اندر جمع کیا ہے اور بتلایا ہے کہ نفس انسانی کو بڑے کمال کے مرتبہ پر پیدا کیا گیا ہے۔ اوس کی خارجی روشنی برنگ وحی علائی ہے پس جو انسان ان کمالات کو ترقی دیتا ہے وہ فلاح پاتا ہے۔ اور جو ان کو نشوونما نہیں دیتا وہ انجام کار ناکام ہوتا ہے۔ سورج روشنی دیتا ہے۔ چاند روشنی قبول کرتا ہے۔ دن جد و جہد کا موقعہ دیتا ہے۔ رات سکون کا موجب ہوتی ہے۔ انسان کامل ان دونوں خوبیوں کو اپنے اندر جمع رکھتا ہے۔ اور جد و جہد بھی کمال درجہ کی کرتا ہے۔ آسمان علو کا مظہر ہے۔ اور زمین خاکساری کی مظہر ہے۔ انسان کامل بھی ان دونوں باتوں سے حصہ لیتا ہے۔ یہ سب صفات پورے کمال کے ساتھ آنحضرت میں پائی جاتی ہیں۔ لیکن ہر انسان اپنی استعداد کے مطابق اون سے حصہ لیتا ہے۔ ان صفات کو جلا دینے کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی سے بھی کچھ حصہ دیا ہے۔ انسانی نور قلب اوس کو بتا دیتا ہے کہ یہ بات فجور کی ہے یا تقویٰ کی۔ لیکن ایک تو وہ انسان ہے جو اس نفس کا تزکیہ کرتا ہے یعنے خیرات اور برکات سے اوسے بڑھاتا ہے۔ اور ایک وہ جو اسے دفن کرتا اور چھپاتا ہے۔ ان قویٰ کو نشوونما نہ دینا ایسا ہے جیسا بیج کو ضائع کرنا۔ مطلب یہ کہ

سوائے تزکیہ کے تم فلاح حاصل نہیں کر سکتے۔ اور نافرمانی کا راستہ آخر ناکامی لائیگا۔

سورۃ اللیل ۹۲ مکی۔ تمہید۔ اشارہ ہے کہ رات اور دن یکساں نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی راہ میں قدم اٹھانیوالا اور اوس کے لئے جد و جہد کرنیوالا۔ اور وہ جو حق کی تکذیب کرتا ہے یکساں نہیں۔ یہاں نیک و بد کا مقابلہ دکھلایا ہے گویا ایک کو دن کی روشنی سے تشبیہ دی اور دوسرے کو رات کی تاریکی سے۔

ربط و سورہ، پچھلی سورت میں آنحضرت کو عالم روحانی کا مرکز اور آفتاب قرار دیا تھا اس لئے وہاں بتایا کہ اس آفتاب کی روشنی سے فائدہ اٹھانے والے اور اوس کی پروانہ کرنے والے یکساں نہیں ہوسکتے بلکہ تاریکی کے فرزندوں کا انجام بھی تنگی و تاریکی ہی ہے۔ تو یہاں بتایا کہ اوس کمال کا انحصار اپنی جد و جہد پر ہے خلق نر و مادہ میں اس طرف توجہ دلائی ہے کہ زوجیت کے عالمگیر اصول پر ہی تمام ترقیات کا مدار ہے۔ پس جو انسان اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑتا ہے وہ روحانیت میں بے انتہا ترقی کرتا ہے۔

سورۃ الضحیٰ ۹۳ مکی۔ الضحیٰ۔ دن کی روشنی۔

ربط: سورہ الشمس میں آنحضرت کے کمالات کا نقشہ کھینچکر آپ کو عالم روحانی کا آفتاب قرار دیا تھا اوس کے بعد آپ سے روشنی لینے والے اور اوس روشنی کو رد کرنے والوں کا ذکر تھا اب یہاں بتایا کہ ظاہری نظارۂ قدرت کے مطابق اسلام کی اس پہلی جد و جہد کے بعد ایک سکون کا زمانہ بھی آئے گا۔ جسے لیل سے شابہت دی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو چھوڑے گا نہیں۔ اور امر اسلام ترقی کرتا چلا جائے گا۔ سکون کی حالت کو ناراضگی نہ سمجھی جائے۔

سورۃ انشراح ۹۴ مکی۔ الشراح۔ سینہ کھولنا۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی صداقت کے دلائل قائم کر دیئے ہیں۔ اس لئے اب اسلام ناکام نہیں ہوسکتا ابتدائی مکی زمانہ۔

سورہ: شرح صدر سے مراد راغب نے یہ لی ہے کہ انوار الہٰی اور سکنیات سے آپ کے سینۂ مبارک کا بھر جانا جس کے بعد ہر طرح کے علمی دلائل آپ پر کھل گئے۔ اور آپ کا بوجھ اتار دیا گیا مضبوط وعدہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل گیا کہ کچھ تکلیف اٹھانے کے بعد یسر کی حالت پیدا ہوجائیگی ان الفاظ کو دھرانے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ دو دفعہ اسلام پر تنگی اور مصیبت آئے گی۔ ایک اوس کی ابتدا میں اور ایک آخر میں۔ اور دونوں دفعہ عسر کے بعد یسر یقینی ہے۔ اسلام کے موجودہ مصائب میں یہ آیت مسلمانوں کے زخمی دلوں کیلئے مرہم کا کام دیتی ہے۔

سورۃ التین ۹۵ | مکی۔ التین = نام پہاڑ = انجیر کا درخت جس کی مثال انجیل میں بنی اسرائیل کے سلسلہ سے دی۔

سورہ: چاروں چیزوں سے شہادت اس بات پر ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے بہترین صورت پر پیدا کیا ہے۔ اوس میں ایسی استعداد رکھی ہے کہ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر پہونچ سکتا ہے لیکن وہ اپنے عملوں کی وجہ سے گر کر ذلیل سے ذلیل حالت کی طرف بھی چلا جاتا ہے۔ سلسلہ موسویہ کی تاریخ بھی یہی بتاتی ہے اور سلسلہ محمدیہ کی تاریخ بھی یہی سبق ہمارے سامنے پیش کرتی ہے اس کے نام میں سلسلہ موسویہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے بتایا ہے کہ انسان کا بلند مرتبہ اخلاق فاضلہ پر قائم رہنے سے رہتا ہے ضمناً یہ بھی بتایا ہے کہ سلسلہ محمدیہ جو بلد امین میں قائم کیا جاتا ہے تا قیامت باقی رہے گا۔

سورۃ العلق ۹۶ | العلق۔ چسپیدگی۔ یہ خصوصیت زندگی کے لیئے۔ علم کے لیئے اور آیندہ ترقی کے لیئے ضروری تھی۔ یہ پہلی وحی کے آیات ہیں جو حضور اکرم پر نازل ہوئی۔ اسلیئے

اس میں اشارہ ہے کہ اب اس نئے تعلق سے جو ذات باری کے ساتھ پیدا ہوتا ہے آپ کو ایک نئی زندگی دیجاتی ہے اور اوس میں اشارہ اوس انقلاب عظیم کی طرف ہے جو ایک گمنام آدمی کے ذریعہ دنیا میں ہونے والا تھا۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ میں اس طرف توجہ دلائی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرکے انسان کی اوس اعلیٰ زندگی کی ابتداء ہوتی ہے جس سے اکثر لوگ بے خبر ہیں اور پھر جو دہرایا تو بتایا کہ گویا اوس کے ساتھ تعلق پیدا کرکے انسان حقیقی عزت حاصل کرتا ہے۔ اور اگر بار بار پڑھنے کی طرف توجہ دلائی تو لکھنے کی طرف بھی توجہ دلائی کہ علم کی ترقی قلم سے ہوتی ہے۔ علم انسانی کی اصل ترقی اوسی وقت سے شروع ہوئی جب سے انسان نے قلم کا استعمال شروع کیا گویا انسان کی ساری ترقیوں کی جڑ پڑھنے اور لکھنے کو قرار دیا۔ ہاں باسم ربک میں یہ توجہ دلائی کہ اعلیٰ زندگی کی ابتداء اللہ تعالیٰ کے تعلق سے ہوتی ہے اور اوسی سے انسان کو عزت ملتی ہے۔

سورۃ القدر ۹۷ | مکی۔ القدر = تعظیم۔ اشارہ ہے کہ اس میں امور خیر و برکت نازل ہوتے ہیں۔ اصل ذکر قرآن کریم کے نزول کا ہے۔

سورہ: لیلۃ القدر کی عظمت کی طرف توجہ دلائی کہ وہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے لیلۃ القدر سے ایک نئی زندگی مومنین کو ملتی ہے۔

سورۃ البینہ ۹۸ | مکی یا البینہ۔ کھلی دلیل حضور اکرم کو قرار دیا۔ بتایا ہے کہ دنیا اس قدر گناہ اور

ناپاکی میں ملوث ہوگئی تھی کہ بغیر آسمانی بارش اور اللہ تعالیٰ کے رسول کے اوس کا گناہ کی غلامی سے نکلنا محال تھا۔ اگر محمدؐ کی قوتِ قدسی دنیا میں نہ آتی تو دنیا شرک وضلالت سے باہر نہ نکل سکتی۔

ربط: پچھلی سورت میں نزول قرآن کا ذکر تھا کہ اوس سے دنیا خیر وبرکت سے بھر جائے گی یہاں دوسرے پہلو کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین اُن ناپاکیوں سے اور گناہ سے آزاد ہونے والے نہ تھے یہانتک کہ اون کے پاس خدا کا رسول آتا۔ یہود اور عیسائیوں نے صدیوں زور لگایا مگر جزیرہ نمائے عرب کو شرک سے پاک نہ کرسکے۔ رسُول کے آنے کی ضرورت اس لئے بھی تھی کہ اہل کتاب اِس قابل نہ رہے تھے۔

سورۃ الزلزال ۹۹

مکی۔ اس سورت کے نام میں یہ اشارہ ہے کہ روحانی بیداری کے پیدا کرنے کے لیئے جس کا پیغام رسول اللہ صلعم لائے ہیں ایک انقلاب عظیم دنیا میں رونما ہوگا۔

سورہ: یہ عظیم انقلاب کا ذکر ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ ذکر قیامت کا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ہر بات کا نمونہ آنحضرت کی مختصر زندگی میں دیدیا ہے اِس لئے وہ عظیم الشان انقلاب اس دنیا میں بھی آیا۔ روحانی بیداری بھی انقلاب عظیم ہی سے اِنسان کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ انسان جو دنیا میں مستغرق ہے جب تک شدت سے نہ ہلایا جائے اوس میں روحانیت کا اِحساس پیدا نہیں ہوتا۔ تب وہ اپنی مخفی قوتوں کو باہر نکال دیتا ہے، قیامت میں تو یہ نظارہ دیکھ ہی لیں گے۔ مگر یہاں بھی دکھلا دیا گیا آخری دو آیات الجامعہ الفاذہ ہیں ہر نیکی اپنا اجر رکھتی ہے اور ہر بدی اپنا اثر پیدا کرتی ہے یہ اُصولی قانون ہے۔

سورۃ العٰدیات ۱۰۰

مکی۔ العادیات۔ رسالے کے گھوڑوں کی طرف اشارہ ہے کہ وہ انقلاب عظیم جس کا ذکر پچھلی سورت میں ہے اوس پر گھوڑے بھی گواہ ہوں گے یعنے اوس کا پیش خیمہ لڑائیاں ہوں گی۔ یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ جنگ کی کامیابی کا انحصار رسالے پر ہے۔ عادیات سے انسانوں کی جماعتیں بھی ہوسکتی ہیں جو اپنے کمالات کو حاصل کرنے کے لئے سرپٹ دوڑتے ہیں اور پھر اپنے افکار کے ساتھ انوار معارف کی آگ نکالتے ہیں اور صبح کے وقت حرص وہوا کی فوجوں پر حملہ کرتے ہیں اوس کے بعد اون کے اعمال صعود کرتے ہیں اور مقربین کی جماعت میں جا شامل ہوتے ہیں۔ کنود ناشکرا انسان جو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ قویٰ کی تربیت نہیں کرتا۔ اصل غرض مقابلہ کی یہ تھی کہ حق قائم ہوجائے اور باطل نابود ہوجائے۔ اِنَّہٗ عَلٰی ذٰلِکَ لَشَھِیْدٌ میں بتایا کہ فطرت انسانی بھی اِس بات پر گواہی دیتی ہے کہ اُنھوں نے ناشکری کی۔ مگر وہ مال کی محبت میں

اِس قدر بخیل ہے کہ اپنے اعلیٰ قویٰ کی پروا نہیں کرتا۔

سورۃ القارعۃ ۱۰۱ مکی۔ پچھلی سورت کا مضمون یہاں بھی جاری رکھا ہے۔ قارعہ = مصیبت = قیامت۔ اس میں قیامت کی ہولناکی۔ اضطراب اور پراگندگی سے تشبیہ دی ہے یہی حالت کافروں کی یہاں بھی ہوئی اور قیامت میں بھی ہوگی۔

ہاویہ = دوزخ۔ جس کی نیکی کی قوت مردہ ہو اوس کی تربیت ماں کی گود کی طرح ہاویہ میں ہوگی یہ سزا نہیں علاج ہے جو امراض روحانی کو دفع کرنے کے لئے ضروری ہے۔

سورۃ التکاثر ۱۰۲ مکی۔ تکاثر = کثرت مال وعزت میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش جو انسان کی حیوانی زندگی سے تعلق رکھنے والی باتیں ہیں اور سے حقیقی مقصد زندگی سے جو اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا ہے غافل کر رکھتی ہیں پچھلی سورتوں میں انقلاب روحانی پر زور دیا تو اب بتایا کہ وہ کونسی چیز ہے جو لوگوں کی توجہ کو اخلاقی اور روحانی پہلو سے جو فی الحقیقت اوس کی اصل خوشی کا موجب ہے ہٹائے رکھتی ہے۔ ورنہ وہ انہماک حرص و ہوا کو دوزخ کے رنگ میں یہاں بھی دیکھ سکتا ہے۔ گویا وہ انقلاب روحانی جس کو رسول اللہ صلعم پیدا کرنے آئے تھے اوسکی طرف لوگ متوجہ نہیں ہوتے محض اِس لئے کہ کثرت مال کی محبت نے انہیں غافل کر رکھا ہے۔

سورۃ العصر ۱۰۳ مکی۔ العصر = وقت یا گذرتا ہوا وقت۔ وقت ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ ہر انسان جو اس کے اچھے مصرف میں نہیں لاتا وہ نقصان میں ہے۔

ربط: پچھلی سورت میں انسان کی طلب کثرت مال دنیا کا ذکر کیا کہ صرف اوسی کو انسان اپنے نفع کی چیز سمجھتا ہے تو یہاں بتایا کہ فی الحقیقت ایسا انسان گھاٹے میں ہے اور وہ اپنے قوائے خداداد کو ضائع کر رہا ہے اوس کی قیمت بہت کم لوگ جانتے ہیں یہاں اوس کی عظمت اور قیمت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اس زندگی سے فائدہ اٹھانے والے وہی لوگ ہیں جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں مال دنیا کو جمع کر لینا بالآخر انسان کو کچھ نفع نہیں پہونچاتا۔

سورہ: یہاں جن لوگوں کو حالت نقصان سے مستثنیٰ کیا ہے اون میں چار صفات کا پایا جانا ضروری قرار دیا ہے۔ اول ایمان جس میں تمام عقائد صحیحہ آجاتے ہیں۔

دوسرے اعمال صالحہ جس سے مراد ہر قسم کی صلاحیت والے اعمال ہیں۔

تیسرے ایک دوسرے کو حق پہونچانا جس میں بتایا کہ انسان کا حق قائم ہونا ہی کافی نہیں۔ جب تک کہ وہ حق دوسروں کو نہ پہونچائے چوتھے صبر کی ایک دوسرے کو وصیت کرنا اور صبر یہ ہے کہ تمام

مشکلات کا سامنا کرکے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر انسان قائم ہوجائے۔ گویا ایک حق ہے اور ایک حق پر قائم ہوجانا ہے حق ایمان کے مقابل پر ہے۔ صبر اعمال صالحہ کے مقابلہ پر۔ انسان خود صحیح عقیدہ پر قائم ہو اور دوسروں کو اعمال صالحہ پر قائم کرنے کی کوشش کرے۔ یہ ہر مسلمان کا فرض قرار دے کر فرمایا کہ جب تک حق کو دوسروں تک نہیں پہونچاتا اور حق پر دوسروں کو قائم کرنے کے لئے پورا زور نہیں لگاتا اوس وقت تک وہ بھی نقصان میں ہے۔

اس چھوٹی سی سورت میں جامع تعلیم ہے اور یہی شہادت ہے اس بات پر کہ قرآن کریم کی ہر سورت بجائے خود ایک مکمل کتاب ہے خواہ کتنی ہی چھوٹی سورت کیوں نہ ہو۔ امام شافعی نے فرمایا کہ اگر کوئی اور سورت نازل نہ ہوتی تو یہ سورت ہی لوگوں کے لئے کافی ہوتی۔

سورۃ الھمزہ ۱۰۴ | مکی۔ ھمزہ = طعنہ زن۔

ربط: سورہ عصر میں بیان تھا کہ انسان خسارہ میں ہے تو اس سورت میں خسارے میں پڑنے کے چند اسباب بیان فرمائے پچھلی سورت کے مقابل میں اون لوگوں کی حالت دکھائی ہے جو مال دنیا سے محبت کرتے ہیں اور بجائے اپنی اصلاح کے دوسروں کی عیب شماری میں لگے رہتے ہیں۔

مال مصائب اور حوادث دہر سے بچنے کا سامان مگر یہ مال اوس انقلاب عظیم یا مصائب عظمیٰ کے وقت کام نہ آئے گا مال سے جو شخص محبت بڑھاتا ہے اوس کا دل یہاں بھی اوس آگ کا مشاہدہ کرلیتا ہے۔ اور یہ محبت آخرش اوس کو دوزخ میں پہونچا دیتی ہے۔ دوسروں کی عیب شماری بھی دل کے اندر ایک آگ بھڑکاتی ہے مسئلہ غیبت وعیب گیری قولاً ہو یا فعلاً حرام ہے۔

مسئلہ: مال جمع کرنا اور اوس پر تفاخر واعتماد حرام ہے۔ ہاں زکوٰۃ دے اور تفاخر نہ کرے تو دولتمندی میں مضائقہ نہیں۔

سورۃ الفیل ۱۰۵ | مکی۔ اس سورت میں اصحاب فیل کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جنھوں نے خانۂ کعبہ کو تباہ کرنا چاہا مگر خود تباہ ہوگئے۔ اس سورت میں بتایا کہ جس حق کو محمد لاتے ہیں اوس کو اللہ تعالیٰ دنیا کی تمام طاقتوں کے مقابلہ میں بچائے گا۔

ربط: پچھلی سورت میں اخلاق رذیلہ بیان فرماکر اون کی سزائے اخروی بیان فرمائی تھی اس سورہ میں دنیوی سزا کا ذکر ہے تاکہ قریش مکہ کو عبرت ہو۔

ہنوٹ:۔ اصحاب فیل ابرھہ اشرم یمن کا بادشاہ حبشی جو نجاشی کا نائب تھا اوس نے عبد المطلب کے زمانہ میں فوج کشی کی تھی۔

سورۃ القریش مکی۔ ربط: سورۂ فیل میں اپنی نعمت کا اظہار کیا تھا جو دشمنوں کے مقابلہ پر قریش کو دی۔ یہاں توجہ دلائی کہ اس قدر احسان کے بعد چاہیئے تھا کہ خدائے واحد کی جو اس گھر کا رب ہے عبادت کرتے خدا ہی نے اون کو تجارت کا سامان دے کر بھوک سے بچایا۔ اور کعبہ کو حرم بنا کر دشمنوں کے خوف سے محفوظ رکھا۔

سورۃ الماعون مکی۔ نام الماعون۔ زکوٰۃ وخیرات (۲) چھوٹی برتنے کی چیزیں جیسے ہانڈی۔ برتن پانی۔ یہاں بتایا ہے کہ وہ دین جس کی طرف آنحضرت بلاتے ہیں وہ اصل میں بے کسوں اور غریبوں کی ہمدردی ہے جب تک یہ دل میں پیدا نہیں ہوتی اوس وقت تک نماز بھی ایک دکھاوا ہے۔

سورہ: بتانا یہ مقصود ہے کہ دین یا مذہب صرف چند باتوں کا منھ سے کہہ دینے کا نام نہیں پس جو شخص یتیم سے سختی سے پیش آتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا وہ گویا دین کو جھٹلاتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر دین کا سب سے بڑا رکن یہی ہے کہ یتیم اور مسکین کی خبر گیری کرنے والا ہو۔

نماز سے بے خبر رہکر پڑھنا دکھاوا ہے بعض نے اس سے تاخیر مراد لی ہے۔ یہاں بتایا کہ جس کو مخلوق خدا کی خدمت کا جوش نہیں اوس کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں اوس کی نماز بھی اصل حقیقت سے دور ہے۔

دین=جزا و سزا کی تصدیق۔ یہ اعتقاد درستگی اعمال دین اسلام کا جز ہے اس کو حکمت نظریہ کہتے ہیں اوس سے فارغ ہو کر حکمت عملیہ کے اصول کی طرف توجہ کی یہ تہذیب اخلاق ہیں اوس کے دو جز (۱) رفع شر (۲) بندگان خدا پر رحم۔ اور یہی مسئلہ تدبیر المنزل کا بھی ہے اور سیاست مدن کا بھی (اس لئے کہ ظلم سے باز رہنا۔ درماندوں کے ساتھ سلوک کرنے سے معاشرت اور تمدن درست ہو جاتے ہیں) اس لئے فرمایا کہ یہ سورہ تمام حکمت نظریہ اور عملیہ میں سے تہذیب اخلاق۔ سیاست مدن۔ اور تدبیر المنزل کا لب لباب ہے والعصر جامع اصول حسنات تھی۔ اور یہ سورت ناہی جملہ منکرات تزکیہ نفس کے تین اصل الاصول: (۱) حضور قلب سے نماز۔ (۲) ریا سے بچنا (۳) چھوٹی برتنے کی چیزیں دیتے رہنا۔ شہرت اور نمود بیکار چیز ہے۔ امراض نفسانیہ میں یہ مہلک ہے اسی طرح بخل بھی باعث دوری ہے۔ ان میں طمع انسانیہ کے جملہ رذائل آگئے۔

سورۃ الکوثر مکی۔ الکوثر=ہر شئے کی کثرت=جنت کی نہر جو حضور اکرم کے لئے خاص ہے= بمعنی قرآن اور نبوت بھی آیا ہے۔

سورہ: آپ کو خیر کثیر دی گئی۔ اور تمام دینوں پر دین اسلام کو غلبہ دیا گیا۔ اور دشمنوں پر نصرت دی گئی اور اپنی امت کے لئے شفاعت دی گئی اور خیر سے وہ سب دیا گیا جو شمار میں نہیں آسکتا۔ سعید بن جبیر سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر قسم کی خیر سے کثرت عطا فرمائی۔ پوچھنے والے نے پوچھا کہ وہ جنت میں نہر ہے آپ نے کہا نہر بھی اور اس کے سوائے بھی۔

ذیل کے اور اقوال ہیں۔ آپ کی اولاد۔ آپ کے پیرو۔ آپ کی اُمت کے علماء۔ آپ کا نورِ قلب۔ آپ کے فضائل کثیرہ۔ آپ کا ایثار۔

نحر: قربانی یعنے پھارنا۔ شہوت کے دور کرنے سے نفس کشی مراد ہے۔ اپنے کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کرنا۔ ابتر: قطع کرنا۔ نسل نہ چھوڑنا جس کا ذکر خیر منقطع ہوجائے۔ اس چھوٹی سی سورت میں ایک عظیم الشان پیشین گوئی ہمیشہ کے لئے رکھدی۔ کہ جو شخص آپ کے ساتھ دشمنی کرکے اس حق کو مٹانا چاہے گا جو آپ لائے ہیں اوس کا ذکر خیر ہمیشہ کے لئے دنیا سے منقطع ہوجائے گا۔ اور آپ کو خیر کثیر سے حصہ ملتا چلا جائیگا۔ یہ پیشین گوئی تمام زمانوں کے لئے ہے۔ آج بھی جس شخص نے آپ سے بغض رکھا اوس کا ذکر خیر اللہ تعالیٰ نے منقطع کردیا۔

ربط: ماعون میں حکمت کے جمیع اقسام بیان ہوئے تھے اور یہ بھی ضمناً بتایا گیا تھا کہ ایسے بھی بدنصیب بنی آدم ہیں جو خالی ہاتھ چلے گئے اور حکمت سے کچھ نہ لے گئے تو یہاں واضح کردیا کہ ایسے بھی خوش نصیب ہیں جن کو جمیع اقسام کی حکمت عطا ہوئی۔ اون کے سینوں سے اوروں کے لئے حکمت کی نہریں نکلیں۔ یہ بھی ظاہر کردیا کہ آپ کا فیض تا قیامت جاری رہے گا۔

سورۃ الکٰفرون ۱۰۹

مکی۔ ربط: کوثر میں کامیابی کی بشارت تھی تاکہ آپ کا دل قوی ہو۔ اس سورہ میں کھلے الفاظ میں اعلان ہے کہ تم کافر ہو میں تمہارے معبودوں سے بری ہوں مجھسے یہ اُمید نہ رکھو کہ میں اون کی پرستش میں شریک ہونگا۔ اس نام میں یہ اشارہ ہے کہ رسول خدا اور آپ کے دین میں کفر کی کوئی تاریکی باقی نہیں رہ گئی ہے۔ اس سورت میں توحید کا عملی رنگ بیان کیا گیا ہے۔ یعنے عملی طور پر رسول اللہ صلعم اور آپ کے پیرو ان چیزوں کی عبادت سے بیزار ہیں جن کی عبادت کفار کرتے ہیں۔ خواہ وہ مال و دولت ہو خواہ شجر و حجر یا انسان وغیرہ۔ یہ سورت اور اخلاص ایک ہی ہیں یہ عملی رنگ میں توحید کو کامل کرتی ہے اور اخلاص علمی رنگ میں۔

سورہ: تم خدا کی عبادت ہرگز نہیں کر رہے ہو اور تمہیں اوس پر اصرار ہے۔ آخری آیت میں دین کے معنی جزاء ہیں یعنی تم اپنی عبادت کا نتیجہ دیکھ لوگے اور میں اپنی عبادت کا نتیجہ پاؤنگا۔ یہاں معبود بنانا ہیں

ہر وہ چیز شامل ہے جس کو دنیا میں محبوب یا مطلوب یا مقصود بنایا جاتا ہے۔

سورۃ النصر ۱۱۰ زمانہ مدنی گر مکہ میں نازل ہوئی۔ النصر یعنی جو حضور کو پچھلے وعدوں کے مطابق ملی۔ ربط: پچھلی سورت کے آخر میں بتایا گیا تھا کہ لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ۔ اس لئے یہاں اوس کے نتیجے کا ذکر کیا جو حضور کو ملا۔ اور اگلی سورت میں اوس نتیجہ کا ذکر ہے جو اعدائے دین کو ملا۔

سورہ: یہ وہی فتح مبین ہے جس کا ذکر سورہ فتح میں ہے اس لئے جس نصر کی یہاں خوشخبری دی ہے وہ کوئی ظاہری فتح نہیں گو فتح مکہ پر یہ لفظ بالخصوص بولا گیا۔ یہاں حکم ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت کا کھلا نظارہ دیکھ لیا اور لوگ فوج در فوج دین اسلام میں داخل ہو گئے یہاں تک کہ ملک عرب میں کوئی شرک باقی نہ رہا تو اب اللہ کی تسبیح کرو جس نے اپنے وعدوں کو پورا کیا۔

سورۃ اللھب ۱۱۱ مکی۔ نام ابولہب پر ہے۔ بتایا ہے کہ اون لوگوں کا انجام ہلاکت پر ہوگا جو عداوت حق میں غضب سے بھر جاتے ہیں۔

سورہ: اصل غرض یہ بتانا ہے کہ جو شخص مخالفت میں ابولہب بنتا ہے اوس کا انجام اچھا نہیں وہ ہلاک ہو کر رہے گا ؎

بشکند دستے کہ خم در گردن یارے نہ شد
کور بہ چشمے کہ لذت گیر دیدارے نہ شد

سورۃ الاخلاص ۱۱۲ مکی۔ اخلاص: خالص کرنا۔ اس میں توحید باری کو ہر دو قسم کے شرک سے خالص کر کے بیان کیا گیا۔ یہ توحید باری پر جامع تعلیم ہے۔ ہر قسم کے شرک کی اس میں تردید کی ہے۔ اسی لئے اوس کا نام اساس بھی ہے کیونکہ توحید اصول دین کی بنیاد ہے۔

سورہ: الصمد: وہ ذات جس کی طرف حاجت کے وقت قصد کیا جائے اوس نے سب کو پیدا کیا اور کوئی چیز اوس سے مستغنی نہیں۔ کُفُواً: ہمسر، ہم پلہ۔

اس چھوٹی سی سورت میں وحدانیت باری تعالیٰ کے سارے پہلوؤں کو شامل کیا ہے۔ اور ہر قسم کے شرک کا ابطال کیا ہے پہلی آیت میں اوس کا احد ہونا بیان کیا یعنے وہ اپنی ذات میں اکیلا ہے یوں ہر قسم کے شرک فی الذات اور تثلیث وغیرہ کی تردید کر دی۔ دوسری آیت میں اوس کا صمد ہونا بیان کیا۔ یعنے وہ جس نے تمام چیزوں کو پیدا کیا اس لئے سب چیزیں اوس کی محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اس میں ایک غلط خیال کی تردید ہے کہ مادہ اور روح کو اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کیا۔ ورنہ وہ صمد نہیں ہو سکتا۔ اور بت پرستوں کے اس عقیدے کی بھی تردید ہے کہ خدا تک پہونچنے کے لئے بتوں کی ضرورت ہے۔

چوتھی میں اللہ تعالیٰ کے ہمسر ہونے کی تردید ہے۔

ہر قسم کے شرک کی یہاں نفی ہے۔ شرک فی الذات کی تردید احد میں ہے۔ شرک فی الصفات کی تردید صمد میں ہے بلحاظ ولد یا والد کی تردید لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ میں ہے۔ اور شرک فی الافعال یعنے ویسا فعل کوئی دوسرا کرسکتا ہے کی تردید لَمْ یَکُنْ لَہٗ کُفُوًا اَحَدٌ میں کی ہے۔ یوں تمام پہلوؤں سے اللہ تعالیٰ کی توحید کو کمال کے رنگ میں بیان کیا اور ہر قسم کے شرک کی جڑ کاٹی ہے۔

سورۃ الفلق ۱۱۳

مدنی۔ الفلق = پھاڑنے والا۔ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تاریکی کو پھاڑ کر روشنی نمودار کرتا ہے اور بیج کو پھاڑ کر درخت بناتا ہے اسی طرح اوس شخص کے لئے ظلمتوں میں سے روشنی نکالتا ہے اور اُس کے کام کو کامیاب کرتا ہے جو اوس کی پناہ میں آتا ہے۔

سورہ: اس سورہ میں چار چیزوں سے پناہ مانگنے کی دعا سکھلائی ہے (۱) ہر چیز کے شر سے جو اللہ نے پیدا کی ہے کیونکہ ہر چیز انسان کے نقصان کا موجب بھی ہوسکتی ہے اور نفع کا بھی۔ گو بذات خود اوس میں کوئی بُرائی نہ ہو مثلاً آگ یا پانی (۲) اندھیرے سے پناہ مانگنے کو فرمایا کیونکہ تاریکی میں ہر قسم کے مصائب ہوتے ہیں خصوصاً ابتدائے کام میں۔ تاریکی سے پناہ مانگنا گویا روشنی مانگنا ہے۔ جب انسان کے سامنے راستے کھل جاتے ہیں اور انسان ایک کام کے لئے عزم پختہ کرلیتا ہے تو پھر ایک اور قسم کی مشکلات کا مقابلہ ہوتا ہے۔ (۳) یعنے اب کام میں رکاوٹ ڈالنے والے پیدا ہوجاتے ہیں جن کو یہاں نفاثات فی العقد سے تعبیر کیا ہے یہ رکاوٹ دوسرے مرحلہ میں پیش آتی ہے۔ جب انسان اس مرحلہ سے بھی گذر جاتا ہے اور کامیابی ظاہر ہوتی ہے تو پھر حاسد پیدا ہوتے ہیں اس مرحلہ پر حاسدوں سے پناہ مانگنے کا ارشاد فرمایا۔ یہ چار مرحلے ہیں۔ اللہ تعالےٰ اِن سب سے بچائے۔

سورۃ الناس ۱۱۴

مدنی۔ الناس میں سب لوگوں کا حقیقی تربیت کرنے والا حقیقی بادشاہ۔ اصل محبوب صرف ایک خدا ہے اور اوسی رب۔ بادشاہ۔ محبوب کی پناہ میں رہنا چاہیئے۔

ربط: نزول اوس سورت کا اور پچھلی سورت کا ایک ہی وقت میں ہوا۔ یہ ایک دوسرے کے مضمون کو تکمیل کرتی ہیں۔

سورہ: یہاں صرف ایک چیز سے پناہ مانگنے کی دعا ہے یعنے خناس کے وسوسہ کی شرارت سے۔ اس کو پچھلی سورت سے الگ کرکے بتایا ہے کہ شیطان کا وسوسہ سب سے زبردست چیز ہے جو انسان کو خیرات سے محروم کردیتی ہے۔ یہاں شیطان کو خناس کہا ہے یعنے پیچھے ہٹنے والا کیونکہ وہ مقابلہ پر آکر نہیں لڑتا اسلئے پناہ مانگی ہے۔ رب۔ ملک۔ الٰہ سے شیطان کا وسوسہ تین رنگوں میں ہوتا ہے کبھی ربوبیت کے رنگ میں کہ انسان

خدا کے سوا دوسرے کو پرورش کرنے والا سمجھ لیتا ہے۔ کبھی حکومت کے رنگ میں۔ کہ انسان اپنے اوپر دوسرے کی حکومت کو سمجھکر اس قدر اوس کے آگے جھک جاتا ہے کہ خدا کو بھول جاتا ہے۔ اور کبھی محبوبیت کے رنگ میں۔ کہ انسان دوسری چیزوں کو اپنا محبوب بنالیتا ہے۔ مال کو۔ عورت کو۔ بیٹوں کو۔ عزت کو۔ شہرت کو۔ پس یاد دلایا ہے کہ سب کا تربیت کرنے والا ایک ہے۔ سب پر بادشاہ بھی ایک ہے۔ سب کا محبوب حقیقی بھی ایک ہے۔ پس ان تینوں راہوں سے وسوسہ شیطانی سے بچا کرو۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وسوسہ اندازی کا کام جن بھی کرتے ہیں اور انسان بھی۔

اس سورہ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ سوائے خدا کے کسی سے استمداد و استعاذہ نہ چاہیئے۔ اسلئے کہ تعلیم استعاذہ میں آپنے تین وصف بیان فرمائے۔

(۱) رب جس پر پرورش اور بقا کا مدار ہے (۲) ملک جس سے اقتدار و اختیار مطلق متعلق ہے (۳) الٰہ جو مستحق تعظیم و معبودیت ہے۔ نظم و نسق عالم میں یہ صفات اصل ہیں پس جس میں یہ صفات نہیں اوس سے استعاذہ و استمداد بے سود حمق و معصیت ہے۔